Title - ADAB AL ARAB MAUSAM BA DASTAN MASHAHEER ARAB. (Part-1).

Creator - Zubed Ahmad.

Publisher - Maktaba Unani (Bareily

Date - 1926.

Pages - 303.

Subjects - Tazkira Mashaheer - Arbi Adab; Arbi Ad Tazkira Mashaheer; Arbi Adab - Tareek
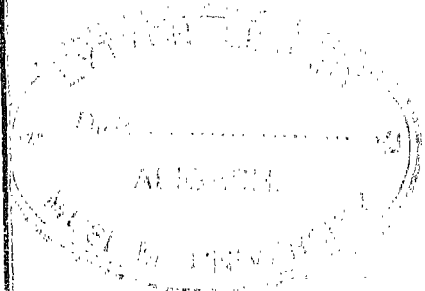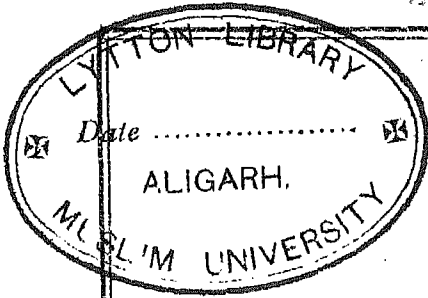
پیشکش

میں انتہائے نیاز وارادت اور غایت ادب و احترام کے ساتھ اپنی ناچیز مساعی کے اس سبک مایہ نتیجہ کو سرچشمۂ علوم و معارف جامعہ علیگڈھ (جسکی آبیاریوں کا یہ ایک ادنےٰ ثمرہ ہے) کی چانسلر اور مربیۂ معارف پرور، حامیۂ ملت، ناصرۂ قوم علیا حضرت ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ جی سی ایس آئی۔ جی سی آئی ای والیہ بھوپال خلد اللہ ملکہا و سلطانہا کی بارگاہ عالیہ میں جامعہ مذکورہ کے وائس چانسلر عالی جناب معلی الالقاب صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب کی وساطت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرکے اپنے لئے طمانینت و مسرت اور نازش و مباہات کا سرمایہ بہم پہونچاتا ہوں۔

اگرچہ لائق درگاہ خسروی این نیست
مگر ز لطف تو چشم قبول می دارم

خاکسار نیازکیش زبید احمد

گذارش

شرم آید از بضاعت بے قیمتم ولیک
در شہر آبگینہ فروش است و جوہری

تین برس پہلے جبکہ میں بریلی کالج میں فارسی کا پروفیسر تھا۔ گورنمنٹ صوبہ متحدہ سے مجھے عربی ریسرچ اسکالرشپ ملا تو میں رخصت لیکر علیگڈھ یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے داخل ہوا۔ وہاں چند ماہ تک ڈاکٹر ٹرٹین پروفیسر عربی کی نگرانی میں کچھ علمی کام کیا خود ریسرچ کا موضوع معین کرنے میں مجھے اچھی خاصی ریسرچ کرنی پڑی۔ اسی تفتیش و تجسس کے دوران میں یہ دیکھکر کہ اردو میں زبان عربی کی کوئی مفصل تاریخ موجود نہیں ہے۔ یہ خیال پیدا ہوا کہ عربی اور انگریزی میں اس موضوع پر ابتک جو کچھ لکھا گیا ہے اسکو پیش نظر رکھ کے مذاق حال کے مطابق اردو میں ایک کتاب تالیف کروں۔ ابتداءً کام کی اہمیت کی وجہ سے ہمت نہ پڑی مگر ڈاکٹر ٹرٹین سے جو ذکر آیا تو انہوں نے اسقدر ہمت بندھائی کہ فوراً خدا کا نام لیکر یہ کام شروع کر دیا خدا کا فضل شامل حال تھا کہ قیام علیگڈھ کی قلیل مدت میں عہد اموی تک سواد جمع ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے بدستور بریلی کالج چلا جانا پڑا اور دو تین ماہ کے بعد وہاں سے یہاں الہ آباد یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہو کر آنا پڑا۔ یہاں آنے پر دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے اس کام کی طرف توجہ نہ کر سکا اور مسودہ جوں کا توں پراگندہ حالت میں رہا۔ خبر ہونے پر احباب نے اسکے چھپوانے پر اصرار کیا۔ اگرچہ دوسرے علمی مشاغل کے باعث عدیم الفرصتی بہت زیادہ رہی تاہم اس کام کو ادھورا ڈالے رکھنا بھی

مناسب نہ سمجھا۔ آخر جوں توں مواد کو ترتیب دیکر پریس کے حوالہ کیا۔ الحمد للہ چار ماہ کے بعد آج کتاب چھپکر آئی تو یہ گذارش لکھ رہا ہوں۔

مجھے اس بات کا نہایت افسوس ہے کہ اس کتاب کی طباعت میری پسند کے مطابق عمدہ نہو سکی۔ صفائی اور خوشخطی سے قطع نظر کرکے احتیاط کے باوجود کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں جنکی وجہ سے غلطنامہ اضافہ کرنا پڑا۔ میں امید کرتا ہوں کہ ناظرین کرام غلطنامہ پڑھنے اور تصحیح کرنیکی تھوڑی سی زحمت ضرور گوارا فرمائینگے ورنہ بہت سے مقامات ہیں اونکو عبارت سمجھنے میں اُلجھن ہوگی۔ چونکہ مسودہ پر نظر ثانی کی فرصت مطلقًا نہیں ملی اور نہ مجھے قادر الکلام انشاپرداز ہونے کا دعوے ہے۔ اسلئے قوی احتمال ہے کہ زبان کی بھی بہت سی غلطیاں رہ گئیں ہونگی۔ امید ہے کہ قارئین با تمکین اون سے تو درگذر فرمائینگے لیکن نفس مضمون اور ترتیب کتاب کے بابت جو نقائص و اسقام ملاحظہ کریں اون سے دوستانہ طریق پر مجھے ضرور مطلع فرمائینگے تاکہ اشاعت ثانی میں انکا لحاظ رکھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی کم مائیگی اور بےبضاعتی کو دیکھتے ہوئے عرب کی تاریخ ادب ایسے اہم اور وسیع موضوع پر قلم اٹھانا میرے بس کا کام نہ تھا۔ یہ تالیف مجھسے کہیں زیادہ لائق و فاضل اہل علم کے قلم کی مرہون منت ہونی چاہئے تھی۔ میں نے پبلک کی خدمت میں اسکو پیش کرنے کی اسلئے جسارت کی ہے کہ ممکن ہے کہ جس طرح ایک باکمال مصور کو ناقص تصویر کی اشاعت دیکھکر جوش آجاتا ہے اور پھر وہ بہترین تصویر بناکر داد استادی دیتا ہے بعینہ اسی طرح ادبیات عربی کے ماہرین اس نقش ناقص کو ناکارہ پاکر اس بحث پر اس سے بہتر تصنیف کا ارادہ کریں اور اس طرح ادبیات اردو کے ذخیرہ میں شاندار اضافہ ہو جائے۔ درحقیقت یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ عرب کی تاریخ ادب پر السنۂ یورپ میں کئی ایک مستند تصانیف موجود ہیں اور اردو میں جسکا عربی سے اسقدر قریبی تعلق ہے کوئی معتبر کتاب نہیں

تاریخ ادب سے کیا مراد ہے موضوع کو کس طرح تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کی اجمالی ترتیب کیا

ہے۔ کن کن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ یہ سب حالات مقدمہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مجھے اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ کتاب میں جو عربی اشعار یا نثر کے نمونے دیئے گئے ہیں اونکا ہر جگہ اردو میں ترجمہ نہ دے سکا۔ سوا د اس قدر پیش نظر تھا کہ بجا اختصار ملحوظ رکھنے پر بھی کتاب کا حجم تین سو صفحات سے زیادہ ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز علمی خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور مجھے دوسری جلد جس میں بنو عباس سے لیکر آج تک عرب کی تاریخ ادب ہوگی۔ جلد پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

میں یہ ظاہر کرنا اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں کہ میں اون تمام فاضل مصنفین اور قابل محققین کا بہت ہی مرہون منت اور احسان مند ہوں جنکی تصانیف سے میں نے فائدہ اوٹھا کر بہت کچھ ان اوراق میں نقل کیا ہے۔ میں ہر جگہ حوالہ نہیں دیسکا۔ مگر ناظرین کرام خود معلوم کرلیں گے کہ اپنی ذاتی تحقیق و مطالعہ کے علاوہ منجملہ دیگر اصحاب التصانیف کے مصری مصنفین اور مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ سید سلیمان ندوی اور محمد اسلم جے راجپوری کی تصانیف سے مستفید ہوا ہوں۔

میں اس موقعہ پر سب سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر ہارٹن کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ صرف آپ کی حوصلہ افزائی کے بدولت اس کتاب کی تکمیل ہوئی۔ آپ نے دوران قیام علی گڈہ میں جسقدر مجھ پر کرم فرمایا ہے اور جسقدر مجھے مدد دی ہے اوسکا تصور میرے اراد تمند دل میں اب بھی طمانیت و فرحت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

یوپی گورنمنٹ کے وظیفہ کے علاوہ جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بالقابہ نے بہ کمال نوازش اپنی یونیورسٹی سے ایک اور گراں بہا وظیفہ دلایا جسکا میں تہ دل سے رہین منت ہوں۔ اس امداد کے بغیر میں اطمینان کے ساتھ اپنے اس علمی مشغلہ کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔

ناانصافی ہوگی اگر میں پروفیسر فیروز الدین مراد صاحب صدر شعبۂ طبیعیات دار العلوم علیگڈہ کا سپاس پذیر نہوں جنہوں نے علیگڈہ کے قیام میں نہایت اخلاق سے میری دستگیری

فرمائی۔ جناب موصوف کو علمی مشاغل سے جس قدر دلچسپی ہے اور علمی تحقیقات میں جسقدر طلبہ کی ہمت افزائی کرتے رہتے ہیں محتاج بیان نہیں۔

میں خصوصیت کے ساتھ جناب مولوی ضیاء الحسن صاحب انسپکٹر مدارس عربیہ و رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی کا ممنون و متشکر ہوں۔ مسودہ کو کتاب کی شکل میں ترتیب دیکر چھپوانے کا خیال، زیادہ تر آپ ہی کی علم دوستی اور قدر دانی کی بناء پر ہوا۔ جناب ممدوح کو علوم مشرقیہ کے احیاء و ترویج سے جو شغف ہے اظہر من الشمس ہے۔ صوبہ متحدہ میں آجکل تعلیم عربی کے جسد مردہ میں جو از سر نو جان پڑ رہی ہے وہ آپ ہی کے دم سے ہے۔

مخدوم و مکرم جمیل الشیم عمیم الاحسان فاضل اجل جناب مولانا الحاج سید محمد علی صاحب نامی کا جو الہ آباد یونیورسٹی میں شعبۂ عربی و فارسی کے صدر ہیں شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ نے اس کتاب کے طباعت میں میرے ساتھ بہت کچھ ہمدردی فرمائی۔

آخر میں اپنے دوست عزیز مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے بدایونی کا جو ہمارے یہاں فارسی کے ممتاز اور نہایت قابل ریسرچ اسکالر ہیں۔ اور مولوی محبوب علی صاحب ایم اے کا جو عربی کے ریسرچ اسکالر ہیں خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان دونوں صاحبوں نے طباعت کی غلطیوں کی تصحیح میں میری بہت کچھ مدد کی جزاہم اللہ عنی خیر الجزا

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

الہ آباد

۲۳۔ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ

مطابق ۷۔ اپریل ۱۹۲۶ء

خاکسار زبید احمد

فہرست مضامین ادب العرب

غلط نامہ ادب العرب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
				۲۴	۱۴	کو کہا	سے کہا
۲	۸	تو	اور	۲۴	۱۱	قوموں خاتمہ	قوموں کا خاتمہ
"	۲۰	تاریخی	تاریخ	۲۶	۱۰	واقعہ	واقع
"	۲۱	متاخرین	آخری	"	۱۴	تورومیوں	اور رومیوں
۷	۱۶	مولانا شبلی	مولانا شبلی	۳۴	۸	خود سے	خود
"	۱۷	مولانا ادیب ثماں	ادیب زماں مولانا	۳۶	۱۹	روانہ کیے	روانہ کیا
۸	۱۰	نہیں جاسکتا	نہیں کہا جاسکتا	۳۸	۲	مشہو	مشہور
"	۱۱	برس	برس پہلے	"	۷	تباعہ	تبابعہ
"	۱۹	عوب	غوب	۴۰	۶	حکومت کو	حکومت
۹	۸	لکھنا دکہنا	لکھنا اور بولنا	۴۱	۴	مرکیا	مرگیا
۱۰	۷	پندرہ	پندرہ سو میل	۴۲	۱۲	اس قدر ہوا	اس قدر اثر ہوا
۱۱	۱۰	ویران وبنجر	ویران اور بنجر	۴۳	۱۵	عزہ	عزی
"	۱۳	عرب کا گزر	عرب کی گزر	۴۴	۲۱	عیسی کی	عیسائی
۱۲	۱۵	کندہ کی کے	کندہ کے	۴۵	۱۷	لقمان	نعمان
				۴۷	۱۰	عزہ	عزی
۱۴	۵	عبداہاب	عبدالوہاب	۴۸	۶	جبکہ	جبلہ
"	۶	توجنوبی	اور جنوبی	"	۱۱	بھی تعلق	تعلق بھی
۱۶	۱	گرمی	موسم گرما	"	۱۳	دیتے تھے	کرتے تھے
۱۸	حاشیہ	مخلفا	ملخصا	۵۰	۱	عبنس	عبس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۰	۹	والسلام	وسلم	۱۲۲	۱۱	رجوع ہوتے	رجوع کرتے
۵۱	۲	جسمیں	جن میں	۱۲۶	۱۲	سوداوانشا	سوداوپرضاحک
″	۵	عبدالدارکے	عبدالدارکو	۱۲۹	۱۰	بھوادے	بھوادیا
۵۶	۱۲	مادرشکم	شکم مادر	۱۳۱	۱۸	متعلقہ	معلقہ
۵۸	۳	عربی	غربی	″	۲۰	حضرعمر	حضرت عمر
۵۹	۱۸	اوسکو	اوسکا	۱۳۲	۱۵	طرف	صرف
۶۱	۱۸	ساتھ لائیں	لائیں	۱۳۶	۱۱	بخشا	بخشی
۶۴	۱۲	بڑے کانا	بڑے کا نام	۱۳۸	۲۱	قبائل ہیں	قبائل میں
۸۲	۳	خودبخو	خودبخود	۱۴۰	۱	دیتا	کرتا
۸۳	۱۶	ایسی	اسی	″	۱۲	فعلا	فلا
۸۴	۵	یہ حیرہ	یہ حیرا	۱۴۸	۸	نوکاجوکی	نوک جھوک
۸۶	۵	قہرست	فہرست	۱۴۹	۵	بتاتا ہوں	بناتا ہوں
۹۱	۱۲	چراگاہ	چراگاہ میں	۱۵۲	۴	پیچھے سے	اوسکے پیچھے
″	۱۳	تھا	تھی	″	۱۳	گیا	سے گیا
۹۴	۶	استعانت	اعانت	۱۵۴	۱۰	حکم مطابق	حکم کے مطابق
″	۱۶	کاگزرچلتا تھا	کی گزرتھی	۱۵۵	۵	ابوداوس	ابوقابوس
۹۸	۲۰	عروسی	عُرسی	۱۵۷	۲	ابوملیلہ	ابوملیکہ
۱۱۰	۴	ہستی ہیں	ہستی میں	″	۲۰	حاوت	عادت
۱۱۹	۱۳	پلانے کا	دینے کا	۱۵۸	۲۰	خریدلی	خریدلیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۲	۹	ایدھر	ادہر
۱۶۵	۲	کرستےہیں	کرتے ہیں
۱۶۶	۱	گھوڑوں	سمند
"	۱۳	بن حنبل	ابن حنبل
۱۶۷	۵	اور والوں	اور قبیلہ والوں
۱۷۱	۲۰	کرناتھا	کرناتھی
۱۷۳	۶	بخشتاتھا	بخشتی تھی
۱۷۶	۵	اسکےبھی	بھی اسکی
۱۷۹	۱۰	علیہم	عنہم
"	۱۵	کفاروں	کفار
۱۸۲	۴	کیاہے	کہاہے
۱۸۵	۱۰-۱۱	حضرت حضرت علی	حضرت علی اونکے
۱۸۶	۵	ابومعلی	ابوموسی
۱۹۰	۱۵	اسلوبی	خوش اسلوبی
۱۹۱	۱۶	لگایا جاکر	لگایا گیا اور
۲۶۵	۶	اسکی	اسکی طرف
۲۷۰	۵	شاعری	ساغر
۲۷۴	۱۳	عربیہ	عزبیہ
۲۸۵	۱۹	آمی	آدمی
۳۰۱	۹	کیاگیا	ترجمہ کیاگیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۳	۱	کیاجاکر	کیاگیا اور
۱۹۷	۸	راشدین	خلفاے راشدین
۱۹۹	۵	جھنڈ	جھنڈا
۲۰۴	۹	عبارت	عبادت
۲۰۷	۱۰	حکم مطابق	حکم کے مطابق
۲۱۶	۱۳	بتاہے	بتاتاہے
۲۲۳	۳	اویں	آئیں
۲۲۴	۲	کئے جاکر	کئے گئے اور
۲۴۷	۱۹	علی کل	انک علی کل
۲۵۴	۱۶	رسوم	رسول
۲۵۷	۱۰	فرمایا	عرض کی
۲۵۸	۶	زمانۂ راشدین	زمانہ خلفاے راشدین
۲۶۳	۱۰	کرالعد	کرم اللہ
"	۱۳	سکے	سے
۲۶۴	۹	عمرو	عمر
۲۶۵	۲	اور طرف	اور کی طرف
۲۶۸	۶	صفت	صفات
۲۷۲	۱۱	المحکمات	الملحات
۲۸۲	۴	طلاسم کنونہ	طلاسم کا نمونہ
۲۹۶	۱۳	مجلدہ	[illegible]
۳۰۱	۹	معجز	معجزہ

حامداً ومصلیاً

مقدمہ

موضوع اس کتاب کا موضوع زبان عربی اور اوسکے علوم وفنون کی تاریخ ہے۔ یعنی اقوام متمدنہ عالم میں علمی و ذہنی نقطۂ خیال سے قوم عرب کی کیا حیثیت ہے؟ اونکے دماغی و علمی کارنامے کیا ہیں؟ اونکے علوم وفنون پر سیاسی انقلابات نے کیا کیا اثر ڈالا۔؟ اسلام سے پہلے عربی نثر ونظم کی کیا حالت تھی۔؟ اور کون کون علوم رائج تھے۔؟ اور جب شریعت خاتم المرسلین نے تاریکی جہالت کو دور کیا تو ادبیات عرب پر کیا کیا تغیرات لاحق ہوئے۔؟ کون کون سے نئے علوم وجود میں آئے۔؟ پھر ہر علم کا سرگذشت کیا ہے۔؟ کس دور میں اور کن وجوہ سے اوس نے ترقی کی؟ اور اس کے انحطاط کے

اسباب کیا ہوئے؟ ہر دور میں کون کون مشہور و معروف عالم۔ فاضل شاعر ادیب۔ اور صاحب کمال گذرے؟ اور اونکے مختصر سے حالات کیا ہیں؟۔ نیز یہ کہ ہر علم کے متعلق ہر دور میں کون کون سی مستند و اہم کتابیں تصنیف و تالیف کی گئیں؟ وغیرہ وغیرہ مباحث اس کتاب کے موضوع ہیں۔ بالفاظ مختصر یوں سمجھو کہ یہ کتاب عرب کی علمی و ذہنی تاریخ ہے اس موقعہ پر ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ عربی شعر و شاعری پر ہم جداگانہ ایک مستقل کتاب لکھنے والے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں عربی کے اس اہم حصہ ادب کو سطحی طور پر۔ بلا تنقید و انتقاد۔ مختصراً تاریخی پیرایہ میں بیان کرینگے۔

تقسیم موضوع ہمارا موضوع باعتبار علوم بھی منقسم ہو سکتا ہے تو بلحاظ دور سیاسی بھی۔ لیکن ہم نے موخر الذکر تقسیم اختیار کی ہے۔

پہلا دور عربی زبان کا شمار سامی زبانوں میں ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قدیم زبان بابلی یا اشوری ہے جسکا وجود ۳۸۰۰ ق م سے ۵۰۰ ق م تک تھا زبان عربی اگرچہ موجودہ شکل میں چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے لیکن اہل عرب اور امم سامیہ کی زبان ہونے کی حیثیت سے۔ بہت پرانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ۔ تمام سامی زبانوں کی ماں ہے۔ یہ دعوی ہنوز پایہ ثبوت کو نہیں پہونچا۔ مگر یہ امر قریب قریب متفق علیہ ہے کہ عربی۔ تمام سامی زبانوں کی ماں سے قریب تر ہے۔ اس بنا پر عربی کی تاریخ کا اولین دور امم سامیہ اولی کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ عرب کے امم سامیہ اولی۔ عرب بائدہ کے ذیل میں داخل ہیں جو نیست و نابود ہو چکے۔ اون کے نہ تاریخی کارنامے باقی ہیں نہ علمی۔ مکتشفین آثار کی علمی دنیا بہت ممنون ہے کہ انہوں نے ہماری قدیمی تاریخی معلومات میں بہت بڑا اضافہ کر دیا ہے لیکن یہ اضافہ ایسا نہیں ہے کہ اسکی بنا پر عرب بائدہ کی علمی اور زبانی کارناموں کی تاریخی لکھی جا سکے

امم سامیہ اولی کی متاخرین شاخ قوم نابطی تھی جو شام کے قریب آباد تھی اور جس کے عروج

کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے قریب تھا۔ یہ لوگ عربی زبان بولتے تھے۔ اگرچہ لکھنے میں آرامی زبان استعمال کرتے تھے۔ مگر جو زبان بولی ہی گئی ہو اور لکھی نہ گئی ہو اوس کے حالات ہم تک کیونکر پہونچ سکتے ہیں غرضکہ تاریخی سرمایہ نہونے کی وجہ سے۔ امم سامیہ اولی کی عربی کی تاریخ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ مگر امم سامیہ اولی سے کیا مراد ہے اور انکا عرب سے کیا تعلق رہا یہ حالات ہم آگے چلکر مختصراً بیان کرینگے۔

جنوب عرب یعنی یمن میں قوم سبا وحمیر کی سلطنتیں بہت شاندار گزری ہیں۔ جنکا وجود ایک ہزار۔ یا آٹھ سو برس قبل از مسیح سے لیکر ۵۲۵ء تک قائم تھا۔ یہاں حمیری زبان مروج تھی جو عربی کی ایک شاخ تھی۔ البتہ اسکے حروف ابجد جو تعداد میں ۲۹ تھے زبان حبشی سے نسبۃً زیادہ مشابہ تھے۔ چونکہ بجز کتبات اس حمیری عربی کا اور کوئی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے اسکی بھی تاریخ کا ہماری کتاب سے تعلق نہین ہمدانی کی کتاب الاکلیل یمن کے متعلق نہایت بہترین تصنیف ہے مگر افسوس اسکا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا اور جو باقی ہے وہ یورپ کے کتب خانوں میں ہے۔

قوم یمن (بنو قحطان) کا مختصر سا خاکہ ہم آگے چلکر پیش کرینگے۔

یہان یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اصل موضوع اس کتاب کا۔ عرب کی تاریخ ادبی ہے جب امم سامیہ اولی کی عربی اور قوم سبا وحمیر کی زبان حمیری کی تاریخ کو اس کتاب سے خارج رکھا۔ تو پھر اونکی سیاسی تاریخ کو خواہ مختصر ہی سہی کیوں بیان کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ چونکہ بعد کے عربی لٹریچر میں عرب بائدہ و متعربہ کے متعلقہ روایات کا اکثر ذکر پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان تلمیحات کے سمجھنے کے لئے۔ ان قوموں کے مختصر حالات کا بیان ناگزیر ہے۔ علاوہ بریں کسی قوم کی ادبی تاریخ۔ اسکی سیاسی تاریخ سے مستغنی نہیں ہوسکتی۔ اور کسی قوم کی سیاسی تاریخ اوسی وقت اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے جبکہ سلسلہ واقعات و نتائج قائم رکھنے کے لئے اوس قوم کی ابتدائی تاریخ بھی کچھ معلوم ہو۔

دوسرا دور ایام جاہلیت ۵۰۰ء سے لیکر ۶۲۲ء یعنی ظہور اسلام تک
ادبی نقطۂ خیال سے یہ دور نہایت اہم ہے۔ اس میں جو عربی مروج تھی وہ بہترین اور فصیح
ترین عربی تھی۔ قرآن مجید اسی عربی میں نازل ہوا۔ اس عصر میں شعر و شاعری کا بڑا زور و شور
تھا۔ اگرچہ اس زمانہ کے ادبیات کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے مگر تاہم معتد بہ مقدار میں
بقیہ حصہ ہم تک پہونچا ہے۔

تیسرا دور دور اسلامی ہے۔ یعنی ظہور اسلام سے لیکر اب تک۔
یہ دور ہر نقطۂ خیال سے نہایت مہتم بالشان ہے۔ اور سیاسی نقطۂ خیال سے
پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) عہد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو آپ کے یوم بعثت سے شروع
ہو کر آپ کی وفات پر ختم ہوتا ہے (یعنی از سنہ ۶۱۰ء تا سنہ ۶۳۲ء مطابق
سنہ ۱۱ھ تک۔

(ب) خلافت راشدہ از سنہ ۱۱ھ تا سنہ ۴۰ھ مطابق از سنہ ۶۳۲ء تا سنہ ۶۶۱ء

(ج) خلافت امویہ سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک مطابق از سنہ ۶۶۱ء تا سنہ ۷۵۰ء

(د) خلافت عباسیہ سنہ ۱۳۲ھ سے سنہ ۶۵۶ھ تک مطابق از سنہ ۷۵۰ء تا سنہ ۱۲۵۸ء

(ہ) دور منگولی یعنی از حملۂ ہلاکو تا عہد سلطان سلیم الفاتح۔ از سنہ ۶۵۶ھ تا سنہ ۹۲۳ھ
مطابق از سنہ ۱۲۵۸ء تا سنہ ۱۵۱۷ء

(و) دور عثمانی از سنہ ۹۲۳ھ مطابق سنہ ۱۵۱۷ء تا روز حال

ہم ادبی تاریخ کے نقطۂ خیال سے صرف چار دوروں میں تقسیم کرتے ہیں۔
پہلا دور۔ ایام جاہلیت
دوسرا دور۔ عہد اسلام سے خلافت امویہ تک
تیسرا دور۔ خلافت عباسی

چوتھا دور حملۂ ہلاکو سے لیکر اجتک۔

پہلے دو دوروں کو اپنی کتاب کے پہلے حصہ میں بیان کرینگے اور پچھلے دو دوروں کو دوسرے حصہ میں انشاء اللہ وما توفیقی الا باللہ

سرمایۂ ادب العرب

سرمایۂ ادب العرب یعنی تاریخ ادبیات عرب کے ماخذ چار طرح کی کتابیں ہیں:-

(۱) متقدمین کی ادبی کتابیں جنمیں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں۔

۱۔ البیان والتبیین	مصنفہ	الجاحظ المتوفی	سنہ ۲۵۵ھ
۲۔ الشعر والشعراء	"	ابن قتیبہ "	سنہ ۲۷۶ھ
۳۔ الکامل	"	المبرّد "	سنہ ۲۸۶ھ
۴۔ العقد الفرید	"	ابن عبد ربہ "	سنہ ۳۲۸ھ
۵۔ امالی	"	القالی "	سنہ ۳۵۶ھ
۶۔ اغانی	"	ابوالفرج "	سنہ ۳۵۶ھ
۷۔ جمہرۃ الامثال	"	ابو الحسن العسکری "	سنہ ۳۹۵ھ
۸۔ یتیمۃ الدھر	"	ثعالبی "	سنہ ۴۲۹ھ
۹۔ العمدہ	"	ابن رشیق "	سنہ ۴۵۷ھ

(۲) وہ کتابیں جو دور متاخرین سے پہلے عربی علوم وفنون۔ اور عربی تصنیفات و تالیفات کی تاریخ کے طور پر لکھی گئیں۔

اس بحث پر سب سے پہلے ابن الندیم نے سنہ ۳۷۸ھ میں ایک نہایت مفید کتاب تالیف کی جسکا نام الفہرست ہے۔ گذشتہ صدی میں جرمنی میں پہلی بار طبع ہوئی۔ یہ کتاب نہایت معتبر و مستند ہے۔ اگر یہ نہوتی تو علوم عربیہ کی تاریخ کو نقصان عظیم پہونچتا۔ اور بے شمار

نفیس کتابوں کے نام ضائع ہو جاتے یہ کتاب دس مقالات میں منقسم ہے اور پھر ہر مقالہ میں کئی ایک فصلیں ہیں۔ فاضل مصنف نے موضوع کی تقسیم باعتبار علوم کی ہے۔

اوسی زمانہ کی ایک اور اہم کتاب ہے جسکا نام مفاتیح العلوم ہے۔ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف الکاتب نے ۳۶۶ھ میں یعنی الفہرست سے بارہ برس پہلے تصنیف کی تھی۔ اس کا مبحث الفہرست کے مبحث سے مختلف ہے۔ مگر تاہم یہ کتاب عربی علوم وفنون کے متعلق دلچسپ اطلاعات کا ذخیرہ ہے۔ ۱۸۹۵ء میں وان ولوٹن (Van Vloten) نے لندن میں شائع کی۔

انکے بعد تیسری کتاب قابل ذکر مفاتیح السعادۃ ہے جو موضوعات العلوم طاشکبری زادہ کے نام سے مشہور ہے یہ دسویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں ایکسو پچاس ۱۵۰ علوم وفنون کا ذکر ہے۔ یہ ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ اور ہمارے مطالعہ سے بھی نہیں گذری لیکن نواب صدیق حسن صاحب نے اپنی کتاب ابجد العلوم میں اس سے بہت کچھ اقتباس کیا ہے جو ہمارے پیش نظر ہے۔

اس فن کی تیسری یا چوتھی اہم کتاب کشف الظنون مصنفہٗ ملّا کاتب چلپی المتوفی ۱۰۶۷ء ہے جسمیں تقریبًا پندرہ ہزار کتابوں کے نام مع اسماء مولفین ومصنفین بترتیب ابجدی درج ہیں۔ یہ کتاب کئی مطبعوں میں چھپ چکی ہے۔

انکے علاوہ۔ طبقات الادبا مصنفہٗ محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ۔ وفیات الاعیان ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ و طبقات الاطباء مصنفہٗ ابن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ فوات الوفیات لابن شاکر المتوفی ۷۶۴ھ اور مقدمہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۶ھ نہایت مشہور اور مفید کتابیں ہیں۔

نوٹ مندرجہ بالا دونوں قسم کی کتابوں سے ہمنے بقدر ضرورت کافی طور پر استفادہ واستفادہ کیا ہے

(۳) وہ کتابیں ہیں جو دور حاضر میں اس مبحث پر لکھی گئیں۔ منجملہٗ انکے حسب ذیل

ہمارے پیش نظر ہیں۔

۱۔ ابجد العلوم — مصنفہ نواب صدیق حسن صاحب — ۳ حصص
۲۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ — 〃 محمد بک دیاب — ۲ حصص
۳۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ — 〃 جرجی زیدان — ۴ حصص
۴۔ تاریخ آداب العرب — 〃 مصطفیٰ صادق الرافعی — ۲ حصص
۵۔ الوسیط فی الادب العربی وتاریخہ — 〃 شیخ احمد اسکندری و شیخ عنانی
۶۔ ادب اللغۃ العربیہ — 〃 محمد حسن نائل المرصفی
۷۔ تاریخ اللغۃ العربیہ — 〃 جرجی زیدان
۸۔ الفلسفۃ اللغویہ — 〃 جرجی زیدان
۹۔ اکتفار القنوع بما ہو مطبوع — 〃 ادورد فندیک
۱۰۔ لیٹریری ہسٹری آف عربس (تاریخ ادبی عرب) مصنفہ نکلسن
۱۱۔ ہسٹری آف عربیک لٹریچر (تاریخ ادب عربی) مصنفہ ہوارٹ (Huart)
۱۲۔ آرٹیکل ان سائیکلو پیڈیا ے برطانیہ متعلقہ عرب
۱۳۔ اسلامک ان سائیکلو پیڈیا
۱۴۔ کمپیریٹیو گرامر آف سیمیٹک لینگویجیز مصنفہ اولیری

(۴) کئی ایک مشہور و مستند اردو مصنفین کی تصانیف جلیلہ جنمیں سے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا عبد السلام ندوی۔ مولانا ادیب ان عبد العزیز یمنی اور مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل بیان ہیں۔

یوں تو ہماری کتاب کا خمیر زیادہ تر تیسری قسم کی کتابوں کا مرہون منت ہے مگر انکے علاوہ ہمنے جا بجا مختلف قسم کی مستند کتابوں سے مفید اقتباسات اخذ کرکے بہت کچھ اضافہ کیا ہے اور ہر دور کے تاریخی حالات اس فن کی معتبر تصنیفات و تالیفات سے لئے ہیں جنمیں سے سیرۃ ابن ہشام۔ کتاب المعارف۔ تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ ابی الفدا۔ سیرت

نبوی۔ ارض القرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تاریخ تدوین علم اس سوال کا جواب کہ سب سے پہلے کس قوم نے علم کی تدوین کی بہت مشکل ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ تدوین علم میں مشرق مغرب کا پیشرو رہا ہے لیکن امم شرقیہ میں سے کسنے ابتدا کی۔ اسکا صحیح جواب آسان نہیں۔ قرون خالیہ کی تاریخ موجود نہیں جس سے کچھ پتہ چلتا۔ ہاں انکے آثار قدیمہ جو تہ خاک مدفون ہیں اونکو کھود کھود کر زمانۂ حال کے یورپین مکتشفین بڑے بڑے معلومات و اکتشافات حاصل کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو عجیب عجیب کتبات دستیاب ہوئے اور ہوتے ہیں جنکی وجہ سے دنیائے قدیم کے سرمایۂ تاریخی میں معتدبہ اضافہ ہوا اور ہو رہا ہے۔ انہوں نے معلوم کیا ہے کہ ابتداءً مصر میں خط ہیرو غلیقی عراق میں خط مسماری۔ یمن میں خط مسند۔ حجاز میں خط نبطی اور فنیقیہ میں خط فینقی رائج تھا۔ آثار قدیمہ کے مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ مشرق میں وادی نیل اور وادئ فرات وہ مقامات ہیں جہاں سب سے پہلے علم کی تدوین و ترویج ہوئی۔ مصر میں قبل از تعمیر اہرام یعنی اب سے چھ ہزار برس پہلے علم مدون ہو چکا تھا۔ اوس زمانہ میں وہاں بڑے بڑے عالم طبیب اور شاعر موجود تھے۔ اس عہد کی کوئی کتاب بجز کتاب الاموات ہم تک نہیں پہونچی۔ یہ نہیں جا سکتا کہ یہ کتاب کب لکھی گئی۔ مگر اس کتاب کی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے بہت سے الفاظ اب سے چھ ہزار برس جبکہ اس کتاب کے وہ نسخے جو مکتشفین کو ملے ہیں لکھے گئے تھے متروک ہو چکے تھے یہ کتاب خط ہیرو غلیقی میں ہے اسی طرح اہل بابل کے نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ تہذیب و تمدن میں اہل مصر کے اگر پیشرو نہیں تو ہمعصر ضرور ہیں۔ بلکہ بابل کے اکتشافات اثریہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں اہل بابل سے پہلے دو ایسی قومیں گذر چکی ہیں جو تمدن میں اہل بابل سے بھی سابق ہیں اور یہ دو قومیں اکادی اور سومری ہیں جو وادی فرات میں بہت پہلے آباد تھیں خط مسماری اہل بابل نے انہیں سے لیا تھا۔ ان دونوں قوموں نے تمدن میں نمایاں ترقی کی تھی انکا بادشاہ سر جینا بڑا علم دوست تھا۔

شرق میں یہی لوگ تنہا صاحب تمدن نہ تھے بلکہ اسی زمانہ میں فینقی۔ ایرانی۔ ہندو اور چینی۔ علم و تمدن میں انکے ہمپلہ تھے۔ اہل یونان اقوام شرقیہ کے پڑوسی تھے۔ انہوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ اور اون سے رومیوں نے لیا۔ ان دونوں مغربی قوموں نے تہذیب و تمدن میں بڑی بڑی ترقیاں کیں یہانتک کہ اپنے استاد قوموں سے بڑھ گئیں۔ اور مغرب مشرق پر غالب آیا لیکن ہر کمالے را زوالے۔ پھر مغرب پر تاریکئ جہالت طاری ہوئی اور آفتاب علم و ہدایت عرب کے افق سے طلوع ہوا۔ جسنے تمام اطراف عالم کو تمدن حقانی اور تہذیب ربانی کی روشنی سے منور کر دیا۔

لفظ ادب کی تاریخ

ادب کے اصلی معنی دعوت طعام کے ہیں۔ چنانچہ مادبہ بمعنی طعام مہمانی یا طعام کدخدائی اسی سے مشتق ہے۔ چونکہ اہل عرب کے نزدیک مہمان نوازی وضیافت بہترین اخلاق سے تھے ممکن ہے کہ اسی وجہ سے لفظ ادب کو تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کا مترادف قرار دیا گیا۔

ظہور اسلام کے بعد دور امویہ میں بعض لوگ معلمین کو مؤدبین کہنے لگے اور اس طرح ادب کے معنی میں شان تعلیم داخل ہوگئی۔ پھر آگے چلکر چونکہ تعلیم ادبی کی بنیاد شعر و لغت وغیرہ پر تھی اسلئے انہیں علوم عربیہ پر اسکا اطلاق ہونے لگا۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ علم (یعنی ادب) اسقدر وسیع ہے کہ اسکے موضوع کا تعین مشکل ہے۔ فائدہ اس علم کا یہ ہے کہ نظم و نثر خاص عرب کے کلام کے اسلوب پر لکھنا و کہنا آجائے۔ ہر زبان کا اسلوب ترکیبی اوسی زبان کے کلام سے حاصل ہوتا ہے اسلئے ادبا عرب کا ایسا کلام جمع کرتے ہیں جس سے اعلی درجہ کا ملکہ حاصل ہو جائے۔ انتہی کلامہ

مختصر یہ کہ یہ کلمہ دوسری صدی کے موضوعات میں سے ہے۔ قرن اول میں اسکے بجائے علم العرب بولا جاتا تھا تیسری صدی کے آخر تک ادبا کا اطلاق معلمین پر ہوتا تھا چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ ادبا کی تاریخ المبرد المتوفی ۲۸۶ھ وابو العباس تغلب المتوفی ۲۹۱ھ پر ختم ہوگئی۔

ادب کی اصل اصول چار کتابیں ہیں۔ ابن قتیبہ کی ادب الکاتب۔ المبرد کی کتاب الکامل۔ جاحظ کی کتاب البیان والتبیین اور ابو علی القالی کی کتاب النوادر۔ ان چاروں کے علاوہ جو اور کتابیں ہیں وہ سب انکی فروع ہیں

ادیب سے مراد وہ شخص ہے جو ان تیرہ علوم میں ماہر ہو۔ علم لغت۔ علم الخط۔ قرض الشعر (یعنی یادداشت اشعار) عروض۔ قافیہ۔ نحو۔ صرف۔ اشتقاق۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ محاضرات۔ انشا۔ نثر

یعنی بالفاظ دیگر ادب کا بحیثیت مجموعی تیرہ علوم مذکورہ بالا پر اطلاق ہوتا ہے۔ مگر اس اطلاق کے علاوہ ادب کا ایک اور بھی مفہوم ہے اور وہ اول الذکر مفہوم سے جامع تر اور وسیع تر ہے یعنی یہ کہ اسکا اطلاق جملہ علوم و فنون کی تصنیفات و تالیفات پر بھی ہوتا ہے۔ ہمنے اپنی کتاب کے نام میں لفظ ادب کو اسی عام مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ پس ادب العرب سے عرب کی جملہ ذہنی و دماغی کارنامے مراد ہیں۔ نہ کہ صرف تیرہ علوم۔

حصۂ اول

جغرافیہ عرب

اردو کی کتابوں میں کئی ایک مصنفین نے عرب کا جغرافیہ ضمناً بیان کیا ہے لیکن مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے ارض القرآن میں جو جغرافیہ عرب دیا ہے وہ اختصار کے ساتھ نہایت جامع اور اسلئے بے نظیر ہے۔ ہم اسے قدرے تغیر کے ساتھ خلاصتہً یہاں لکھتے ہیں۔

وجہ تسمیہ عرب کو عرب کیوں کہا جاتا ہے۔ اسکے مختلف وجوہات بیان کئے گئے ہیں مگر صحیح وجہ یہ ہے کہ چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ریگستان بے آب وگیاہ ہے اس لئے اسکو ابتداءً عُربہ کہتے تھے جسکے معنی صحرا اور بادیہ کے ہیں۔ آگے چلکر کثرت استعمال نے عُربہ کو عرب بنادیا۔

اسکی پیمایش باقاعدہ طور پر نہیں ہوئی۔ تقریباً طول پندرہ عرض چھ سو میل۔ مجموعی رقبہ ۱۲ لاکھ مربع میل اور آبادی پچاس لاکھ ہے۔

حدود اربعہ عرب جزیرہ نما ہے جو ایشیا کے گوشہ جنوبی و مغربی میں واقع ہے۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں خلیج فارس بحر عمان۔ جنوب میں بحر ہند۔ مغرب میں بحر احمر گوشہ مغربی و شمالی میں خلیج عقبہ۔ شام اور فلسطین اور گوشہ شمالی و مشرقی میں دریائے فرات واقع ہے۔ عرب ابتداہی سے قدرتی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے۔ شمالی عرب اور جنوبی عرب۔ اس تقسیم کا باعث صرف رُبع خالی ہی کا وجود جو اس جزیرہ نما کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک پھیلا ہوا ہے نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر بھی ہے کہ ان دو حصوں میں دو مختلف الطبائع قومیں آباد تھیں۔ شمالی عرب یعنی حجاز اور نجد میں خانہ بدوش

لوگ رہتے تھے اور جنوبی عرب یعنی یمن میں تمدن قدیمہ کے وارث اور متمول قومیں سکونت پذیر تھیں شمال کے بدو خالص عربی زبان جسمیں قران شریف نازل ہوا بولتے تھے۔ اور اہل یمن حمیری زبان۔ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اہل یمن کے زمانہ عروج واقتدار کا خاتمہ اور شمالی عربوں کے عہد ترقی کا آغاز ہوا۔ یمن والے قحطان کی اولاد میں تھے اور شمالی عربوں کا سلسلہ نسب عدنان تک جو حضرت اسمعیل کی اولاد میں تھا پہونچتا ہے۔ ان حالات کو ہم آگے چلکر ذرا بسط کے ساتھ بیاں کرینگے۔

طبعی حالات یہ ملک زیادہ تر ویران۔ خشک۔ اور ریگستانی ہے۔ جابجا خطرناک اور دشوار گذار صحراؤں اور بیابانوں کے بڑے بڑے سنسان اور لق و دق قطعے ہیں۔ پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ پانی کی بڑی قلت ہے۔ اسی وجہ سے یہاں بہت ہی کم زراعت ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر حصے ویران و بنجر ہیں۔ دور دور تک پانی اور سبزی کا نشان نہیں۔ برسات کا پانی جو وادیوں میں جمع ہوجاتا ہے۔ اس پر۔ یا میدانوں میں کہیں کہیں کنویں کھود لیتے ہیں ان پر۔ یا پہاڑی چشموں پر اہل عرب کا گذر ہے جہاں کہیں تھوڑا بہت آب و گیاہ نظر آیا قبیلہ کے قبیلہ اپنے اہل و عیال اور جانوروں کو لیکر وہاں آبستے ہیں۔ اور جب پانی اور چارہ ختم ہوجاتا ہے تو وہاں سے اوٹھکر کہیں اور چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ خیمہ رکھتے ہیں اسی سبب سے اونکو اہل وبر کہتے ہیں۔

ملک کے وسیع ریگستانی میدانوں میں کہیں کہیں قدرتی چشمے بھی ہیں جو برابر رواں ہیں قرب وجوار کی زمیں سیرابی و شادابی کی وجہ سے سبزہ زار ہوجاتی ہے اور اِرد گرد کھجور کے درخت کثرت سے پیدا ہوجاتے ہیں۔ تیز دھوپ میں تھکے ماندے مسافروں کے لئے ان درختوں کا سایہ اور چشموں کا میٹھا اور ٹھنڈا پانی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ عرب میں گرمی بہت سخت ہوتی ہے۔ ریگستان دوزخ کا نمونہ بن جاتا ہے

بادسموم اس تندی سے چلتی ہے کہ الحفیظ الامان - آندھیاں ایک دم کے دم میں ریت کے تودے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہیں - سردی بھی یہاں بہت سخت ہوتی ہے - قحط سالی کی سردی قہرالہی ہے - اہل وسعت سردی میں راتوں کو آگ جلاتے ہیں تاکہ مسافر تھکا ماندہ سردی کا مارا ہوا آگ کی روشنی دیکھکر اوسکے پاس پہونچ جائے - وہ ایسے مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات کرتے ہیں مہمان نوازی اہل عرب کی ممتاز فضائل میں سے ہے -

اس ملک میں سب سے بڑا پہاڑ جبل السراۃ ہے جو یمن سے شروع ہوکر شام تک چلا گیا ہے - اسکی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ ہے -

پیداوار عرب

عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور سیب اور ہر قسم کے بہترین میوے ہیں - کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے - عماں و بحرین کے سواحل موتیوں کے لئے مشہور ہیں - یہاں کے گھوڑے خوبصورتی تیز رفتاری و وفاداری میں اپنی نظیر آپ ہیں اہل عرب انکی بڑی قدر کرتے ہیں اونٹ یہاں کا اہم ترین جانور ہے - جسے کشتی صحرا کہنا بیجا نہیں - خدا کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کو دیکھو کہ اوسنے اونٹ جیسا مفید جانور پیدا کرکے - عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک کی صعوبتوں اور دشواریوں کی کسقدر تلافی کر دی ہے - گھوڑے اور اونٹ کے علاوہ بھیڑ بکری - خچر ہرن نیل گاے اور شتر مرغ وغیرہ بھی عرب میں بکثرت ہیں

عرب کے حصے

حدود طبعی کے بنا پر عرب کو پانچ حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے -

عروض ۱ - نجد ۲ - یمن ۳ - حجاز ۴ - تہامہ ۵ - جو حجاز ہی کا حصہ ہے

عروض

عروض مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے -

بحرین ۱ - یمامہ ۲ اور عمان ۳ اسکے تین اقطاع ہیں

۱۔بحرین موتیوں کے لئے مشہور ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ علاقہ ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اونکی طرف سے مناذرہ جو حیرہ اور اِردگرد کے علاقہ میں حکومت کرتے تھے بحرین کے حاکم تھے۔ ادبی تاریخ کے نقطۂ خیال سے یہاں کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ طرفہ جو عرب کا مشہور شاعر تھا۔ آل منذر کے حکم سے یہیں قتل ہوا تفصیل اپنے موقعہ پر آئیگی اسلام کے بعد یہ مقام۔ قرامطہ کا مرکز بن گیا تھا۔

۲۔یمامہ۔قبائل طسم و جدیس کا مسکن تھا۔ زرقا جسکی نسبت مشہور ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی دشمنوں کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھ لیتی تھی۔ اسی یمامہ کی رہنے والی تھی۔ مسیلمہ کذاب جسنے آخر عہد نبوی میں نبوت کا دعوی کیا تھا یہیں کا رہنے والا تھا۔

۳۔عمان۔نہایت زرخیز و شاداب علاقہ ہے۔ آجکل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے جسکا پایہ تخت مسقط ہے۔ اہل ملک زیادہ تر خارجی ہیں

نجد | نجد وسط عرب میں سرسبز و شاداب و بلند قطعہ ملک ہے۔ یہ علاقہ قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا۔ کلیب جس سے بڑھکر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا۔ اسی قبیلہ کا سردار تھا۔ جسکے قتل پر بکر و تغلب میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی۔ یہیں کندہ کی کے نام سے ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہوئی۔ جو مناذرہ ملوک حیرہ کے ہمسری کا دعوی رکھتی تھی۔ عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے خاص مناسبت ہے مہلہل جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا۔ اور کلیب مذکور کا بھائی تھا۔ امرء القیس جو عرب کا ملک الشعرا تھا اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری بادشاہ تھا اور آج بھی جبکہ امتداد زمانہ و اختلاط اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا تمام جزیرہ عرب میں کہیں وجود نہیں۔ یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود و محفوظ ہے

آجکل نجد شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے۔ شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے شمر کہلاتا ہے اور کبھی اپنے دار الامارۃ حائل کے نام سے حائل بھی پکارا جاتا ہے۔ شمر کی حکومت آجکل آل رشید کے قبضہ میں ہے عارض نجد الیمن کہلاتا ہے۔ اور آجکل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے امیر نجد آل سعود ہے جسکی دار الامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہل حدیث ہیں۔

قصیم شمر و عارض کے درمیان ہے۔ اسکا شمالی حصہ حکومت شمر میں داخل ہے تو جنوبی حصہ آل سعود کے قبضہ میں ہے۔

یمن یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز، آباد اور متمدن حصہ ہے۔ اور جو قبل اسلام و بعد اسلام مرکز علم رہا ہے قبل اسلام۔ یہاں عمالیق۔ اہل معین۔ عاد و سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئیں۔ جنہوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب بنائے جنمیں سب سے زیادہ مشہور سد مارب ہے جس کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے۔ یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں حسب ذیل پانچ ہیں

۱۔ حضرموت ساحل بحر ہند پر واقع ہے۔ خوب شاداب و سرسبز ہے آجکل یہ علاقہ ایک مستقل قطعہ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے تحت ہے

۲۔ بلاد احقاف۔ یہ ربع خالی کا وہ جنوبی حصہ ہے جہاں آبادی کے لائق نہیں ہے۔ گو اسوقت وہ بھی آباد نہیں۔ تاہم عہد قدیم میں یہاں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔

۳۔ صنعائے یمن۔ ملک یمن کا قلب اور یمن کے قدیم تمدن کا تماشاگاہ درحقیقت یہی ٹکڑا ہے۔ معین، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں۔ اسی قطعہ زمین پر قائم ہوئی تھیں۔ سد مارب یا سد عرم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا۔ ملکہ سبا اسی سرزمین کی شاہزادی تھی۔ صنعائے یمن کا پایہ تخت ہے جہاں زیادہ تر زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں جو عقائد میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعہ اور اہل سنت کے وسط میں ہیں

۴- نجران- بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان میں ایک مختصر سی آبادی تھی- عہد اسلام سے کچھ پہلے سے روم حبش کی کوشش سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی- یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو جبراً یہودی بنانا چاہا- لیکن روم اور حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں برابر ان کی حمایت کرتی رہیں-

۵- عسیر بحر احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء یمن کے مابین واقع ہے- یہاں کے باشندے اہل حدیث ہیں

حجاز

حجاز بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے جسکا نام توریت میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کی ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی- حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ معظمہ کا بندرگاہ ہے- دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ ہے اندرون ملک کے بڑے شہر مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور طائف ہیں

۱- مکہ یا بکہ جسکا تیسرا نام اُم القریٰ ہے- حجاز کا دارالحکومت ہے- یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کی بنا- ایک نوجوان پیغمبر (اسمٰعیل) کی ہجرتگاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمد صلعم) کا مولد ہے- حضرت مسیحؑ سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ کاروان تجارت کا ایک منزل گاہ تھا- تقریباً دو ہزار ق م میں حضرت خلیل اللہ نے اپنے فرزند عزیز حضرت اسمٰعیل کو یہاں آباد کیا- باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی جس کا کعبہ نام قرار پایا- فرزندان اسمٰعیلؑ کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبائل پر بالادست رہی اسکے بعد قحطانی قبائل آئے- اور انہوں نے غلبہ پایا بنو اسمٰعیل میں سے قصیٰ نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی جو قریش کا پدر اعلیٰ تھا عہد قرآن میں یہاں کے مالک قریش تھے-

۲- مدینہ منورہ- قبل ہجرت نبویؐ اس شہر کا نام یثرب تھا ہجرت کے بعد اسکا نام مدینۃ النبی صلعم ہوا- اور پھر کثرت استعمال سے مدینہ رہ گیا پہلے یہاں عمالیق تھے- لیکن عہد اسلام میں یہود اور قبائل اوس و خزرج آباد تھے

۴۔ طائف۔ سرسبزی و شادابی کی بناپر حجاز کا کشمیر ہے امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں

عرب کا شمالی سرحدی حصہ

یہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ عرب شام اور عرب عراق

عرب شام | یہ وہ حصہ ہے جو مابین شام۔ مصر۔ بادیہ شام اور حجاز و نجد واقع ہے یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے اسی حصہ ملک میں کوہ سینا ہے جہاں حضرت موسی علیہ السلام کو تجلی ہوئی تھی۔ اور اسی کے متصل وہ ارض موعودہ واقع ہے جسکو خداوند تعالی نے فرزندان اسرائیل کو وراثۃً بخشا تھا۔ یہیں عمالقہ عرب کی آبادی تھی۔ بلقا۔ عمان۔ بصریٰ۔ تدمر وغیرہ مشہور شہر اسی حصۂ عرب میں تھے۔ تدمر ایک مشہور تجارتی مقام تھا۔ زبّار یہاں کی ایک ملکہ کا نام ہمیشہ عربوں میں ضرب المثل رہا ہے عہد آخر قبل اسلام میں۔ یہ ملک بنو جفنہ ایک عرب خاندان کے زیر حکومت تھا۔ جو غسانہ کے نام سے مشہور ہے۔ دولت غسانہ سلطنت روم کی ماتحت تھی اسکا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم حضرت عمر فاروق رضی کے زمانہ میں اسلام لایا اور پھر مرتد ہوکر بھاگ گیا۔ بصریٰ انکا پایہ تخت تھا۔

عراق | یہ وہ حصہ ہے۔ جو خلیج فارس دریائے فرات بادیہ شام و نجد کے درمیان واقع ہے آجکل اسکو عراق عرب کہتے ہیں۔ عہد قدیم میں عمالقہ عرب نے یہاں ایک شاندار حکومت قائم کی تھی۔ مگر آخر زمانہ میں یہ علاقہ بنو لخم ایک عرب خاندان کے زیر حکومت تھا جو مناذرہ کے نام سے موسوم ہے اور جس طرح آل غسانہ رومیوں کے زیر اثر تھے اسی طرح آل مناذرہ ایرانیوں کے حکم بردار تھے۔ انکا پایہ تخت حیرہ متصل کوفہ تھا۔

ان دونوں حکومتوں کا ذکر آگے آئیگا۔

نقشہ عرب
ایران
خلیج فارس
مسقط
عمان
بحر ہند
حضر موت
رمال الاحقاف
ربع خالی (الدہناء)
الیمامہ
نجد
شمر
فدک
تبوک
سینا
عقبہ
بیت المقدس
دمشق
الحیرہ
ذوقار
عسیر
نجران
سبا
مارب
صنعا
الیمن
عدن
بحر احمر
افریقہ
حنین
طائف
ینبع
جدہ

امت العرب

اہل عرب امم سامیہ میں سے ہیں ماہرین علم اقوام والسنہ نے اقوام عالم کو تین مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اریائی۔ یعنی ہندوستانی۔ ایرانی۔ یورپ وغیرہ۔

۲۔ تورانی یا منگولی۔ یعنی ترکستان چین۔ منگولیا۔ وغیرہ۔

۳۔ سامی۔ یعنی عرب۔ آرامی۔ عبرانی۔ سریانی۔ کلدانی فینیشین وغیرہ۔

اسمیں اختلاف ہے کہ امم سامیہ کا اصلی مسکن کہاں تھا۔ صحیح یہ ہے کہ عرب تھا۔

شجرۂ نسب امم سامی بمطابقت تورات

نوح

یافث — سام — حام

روم واصحاب الکہف — مصر — کوش

عیلام — الیشور (اسیریا) — ارفخشد — لود — ارم

عاد اولی یعنی امم سامیہ اولے (قوم ہود)۔

عاد ثانیہ یا امم سامیہ ثانیہ

ثمود — جرہم اولی — معین — طسم و جدیس

سلح

قحطان — فالج

پدر قبائل قحطانیہ عرب (بنو قحطان کے سلسلہ کے لئے دوسرا شجرہ دیکھو)

تارح آزر — ہاران

ابراہیم — لوط

اسحاق — اسمعیل — بنو قطورا

یعقوب اسرائیل — عیساو ادوم — پدر عرب اسماعیلیہ

پدر بنی اسرائیل — پدر ... — قیدار — نابط

(پدر بنو عدنان) تیسرا شجرہ دیکھو — پدر اصحاب الحجر و نبطار

ان تمام سلسلۂ انساب میں سے عرب کو اولاد سام یعنی امم سامیہ اولی و ثانیہ۔ بنو قحطان اور بنو ابراہیم (بنو اسماعیل) سے تعلق ہے۔ اور یافث و حام کی اولاد سے کچھ سروکار نہیں۔

مورخین عرب۔ اہل عرب کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں

اول عرب بائدہ۔ بعض انہیں عرب عاربہ کہتے ہیں۔ یہ عرب کے سب سے قدیم باشندے ہیں انکی تاریخ مفصل طور پر معلوم نہیں۔ چونکہ یہ نیست و نابود ہوگئے ہیں اسلئے انکو بائدہ کہتے ہیں۔ انکا ذکر قرآن شریف اور حدیث نبوی میں آیا ہے انکی مشہور قبائل۔ عمالق۔ عاد۔ ثمود جرہم۔ طسم و جدیس ہیں۔

اوپر کے شجرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہی اقوام امم سامیہ اولی و ثانیہ ہیں۔

دوم عرب متعربہ۔ بعض انہیں عرب عاربہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ قحطان کے اولاد ہیں اور عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے۔ جنہوں نے اولاً یمن میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں ایک بہت بڑی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد تمام اطراف عرب میں پھیل گئے۔ انکے اصولی قبائل کہلان اور حمیر ہیں

سوم عرب مستعربہ۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی اولاد سے ہیں۔ انہیں عدنانی بھی کہتے ہیں انکے چار اصولی قبائل ہیں۔ مضر۔ ربیعہ۔ ایاد۔ انمار۔ ان سے تمام قبائل عدنانی نکلے ہیں سب سے زیادہ مضر کی تعداد ہے پھر ربیعہ کی۔

ذیل میں عرب متعربہ و عرب مستعربہ
کی شاخوں کے شجرے
درج کئے جاتے
ہیں

شجرہ عرب متعربہ یعنی بنو قحطان

قحطان

جرہم ثانی — یعرب

یشجب

عبد شمس سبا

حمیر — کہلان

حمیر: ہمیسع — مالک

مالک: قضاعہ

قضاعہ: بلی جہینہ کلب عذرۃ بہرا نہد جرم

کہلان: کندہ مذحج ہمدان عاملہ اشعر طے مراد ازد لخم جذام انمار

کندہ: سکاسک سکون

مذحج: بنی کعب بالحارث خولان جنب سعد العشیرہ نخع علس

سعد العشیرہ: اود جعفی زبید

ازد: غسان اوس خزرج

لخم: بنو الدار

انمار: خثعم بجیلہ

طے: ثعل لام جدیلہ نبہان ہیناریولان سدوس جرم

سلامان سنبس

غزیہ ثعلبہ بحتر

المنقول عن الوسیط

شجرۂ عرب مستعربہ یعنی بنو عدنان

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹے تھے انہیں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آئی۔ انہیں کی اولاد میں عدنان ہیں اور عدنان کے خاندان میں جناب رسالت مآب ہیں۔ آنحضرت کا سلسلۂ نسب عدنان تک محفوظ ہے مگر عدنان سے لیکر حضرت اسمعیل تک پشتوں میں اختلاف ہے کوئی آٹھ نو کہتا ہے اور بعض چالیس بتاتے ہیں واللہ اعلم بہرحال عدنان سے لیکر قریش تک سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

١ عدنان

٢ معد

انمار — ٣ نزار — ایاد

ربیعہ — ٤ مضر

ضبیعہ — اسد — ٥ الیاس — قیس عیلان

حذیلہ — عنزہ — طابخہ — ٦ مدرکہ — قمعہ — باعلہ — ہوازن — مازن — سلیم — غطفان — عدوان

عبدالقیس — وائل — النمر — مزینہ — ضبہ — تمیم — ٧ خزیمہ — بنو سعد — عامر — جشم — ثقیف

تغلب — بکر — ہون — ٨ کنانہ — اسد — ذبیان — عبس — اشجع

کاہل — دودان — فزارہ

عبدمناۃ — ملکان — مالک — ٩ نضر — عمرو — عامر

(قریش بعض کے نزدیک)

١٠ مالک

١١ فہر

(قریش دوسروں کے نزدیک)

ان کے بقیہ سلسلہ کے لئے اگلا شجرہ دیکھو

شجرہ نمبر ۴
نسب قریش
فہر
قریش
محارب
غالب
حارث
بنو الخلج
تیم
لوی
عامر
اسامہ
کعب
حارث
سعد
عدی
مرۃ
ھصیص
جمح
سہم
یقظ
تیم
کلاب
مخزوم
قصی
زہرہ
عبد مناف
وہب
آمنہ
عبد العزی
عبد مناف
عبد الدار
بنو شیبہ
نوفل
عبد شمس
المطلب
ہاشم
امیہ
عبد المطلب
عبداللہ
حمزہ
عباس
ابوطالب
علی
محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عرب بائدہ

عمالیق عرب کی امم سامیہ اولیٰ میں سے ایک قوم تھی جس نے تین ہزار قبل از مسیح عروج حاصل کیا آیات قران روایات احادیث وصحیح اشعار عرب میں کہیں اس قوم کا نام نہیں آیا۔ یہودیوں کے لٹریچر میں البتہ کثرت سے عمالیق کا ذکر ہے۔

تاریخ ابی الفدا میں ہے کہ عمالقہ عملیق بن لاوذ بن سام کی اولاد سے ہیں۔ جب منارہ بابل کی وجہ سے زبانوں میں اختلاف پڑگیا تو یہ لوگ یمن جاکر آباد ہو گئے پھر وہاں سے حرم کی طرف چلے گئے اور ایک جماعت شام میں بھی پہونچ گئی۔ شام کے عمالقہ سے اول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور پھر یوشع نے جنگ کی یہانتک کہ اونکو ہلاک کردیا۔ عمالقہ کی ایک اور جماعت مصر پہونچکر حکمراں بنگئی اور فراعنہ مصر کہلائی۔ دوسری جماعت یثرب اور خیبر پر قابض ہوئی۔ صاحب اغانی لکھتا ہے کہ یہودیوں کے اطراف یثرب میں آباد ہونے کا سبب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہاں کے رہنے والے عمالقہ کے قتال کے لئے ایک لشکر بھیجا اور اونکو یہ حکم دیا کہ سب کو ہلاک کرڈالیں کسی کو باقی نہ چھوڑیں اس لشکر نے یہاں پہونچکر عمالقہ کو سخت شکست دی۔ اور خوب قتل عام کیا۔ لیکن اونکے بادشاہ کے لڑکے کو زندہ چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔ بنی اسرائیل نے ان واپس آنے والے لشکریوں کو کہا کہ تمنے پیغمبر صاحب کے حکم کی نافرمانی کی اس لئے ہم تمکو اپنے میں شامل نہیں کرتے۔ اسپر یہ لوگ جہاں سے آئے تھے یعنی یثرب وخیبر واپس جاکر آباد ہو گئے۔ تا اینکہ قبائل اوس و خزرج یمن سے چلکر یہاں آبسے۔[له]

عاد[له]

عاد عرب کے قبائل بائدہ میں سب سے زیادہ وسیع اور بڑا قبیلہ تھا۔ ان تمام قبائل بائدہ کا سلسلہ چونکہ ارم بن سام سے ملتا ہے۔ اسلئے یہ بنو سام تھے اور بنو سام میں بھی آرامی۔ عربی زبان میں آرامی الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں ثمود کا نام ثمود ارم تھا۔ عاد کے نام کا تو

ارم جزو لاینفک ہے۔ مختصر یہ کہ عاد ارم۔ امم سامیہ کے ایک مقتدر و ممتاز جماعت تھی۔ اسکا زمانہ
غالباً دو ہزار دو سو برس [۲۲۰۰] قبل از عیسیٰ کے بہت پہلے سے سترہ سو [۱۷۰۰] قبل عیسیٰ تک ہے۔ عاد کی سلطنتیں
اندرون عرب بھی تھیں اور بیرون عرب بھی عاد کے دو دور نمایاں ہیں۔ عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ۔

عاد اولیٰ عاد اولیٰ (یعنی عرب سامیہ) کا بابل میں حکومت کرنا مورخین عرب و اہل ایران
کے بیان سے ثابت ہوتا ہے تحقیقات جدیدہ سے اسی قدر معلوم ہوا ہے کہ عرب سامیہ کی
ایک شاخ نے عراق پر حکومت کی۔ اکتشافات اثریہ سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ بابل میں
ابتداءً سومری اور اکادی قوم آباد تھی۔ رفتہ رفتہ عرب کے سامی عنصر کا اختلاط شروع ہوا
جسنے بتدریج سیاسی غلبہ حاصل کر لیا۔ اور مدت تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن سومری پھر اوپر
غالب ہوگئے اور بدستور سابق حکومت کرنے لگے۔ تا اینکہ عیلامیوں کے ہاتھوں برباد ہوگئے عیلامیوں
کی حکومت کے بعد پھر عربی سامی قوت کا غلبہ ہوا اور اوسنے عیلامیوں کو ہٹا کر اپنی پہلی جگہ پھر حاصل کر لی
بعد ازاں سنہ ۲۴۰۰ ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا جسنے تمام رقیب قوموں کا خاتمہ کرکے
ایک متحدہ سامی حکومت قائم کی۔ یہ سامی قوم عاد اولیٰ تھی۔ اس خاندان کا مشہور بادشاہ حمورابی
تھا اسکے متعلق اکتشافات اثریہ سے وسیع معلومات حاصل ہوئے ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی
کا قیاس ہے کہ یہ وہی بادشاہ ہے جسکا تورات میں امرافیل نام درج ہے۔ ممکن ہے کہ امرافیل
اصلاً مورافی ہو اور مورافی حمورابی کا عربی تلفظ ہو۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو یہ حضرت ابراہیم کے
ہمعصر تھا۔ بابل کے ایک منارہ پر اسکے قوانین کا خلاصہ درج ہے جو تورات کے احکام سے
بہت مشابہ ہیں۔ اہل ضلال کہتے ہیں کہ احکام توریت یہیں سے ماخوذ ہیں۔ اہل ہدیٰ کہہ سکتے
ہیں کہ ابراہیمی شریعت کے احکام ہیں جنکو حمورابی نے سنا اور قبول کیا۔"

عاد اولیٰ مصر میں مورخین قدیم نیز مکتشفین حال کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو ہزار برس
قبل مسیح عرب سامیہ نے مصر پر قبضہ کیا۔ اہل مصر انکو سوس اور ہیک سوس کہتے ہیں جس کے
معنی چرواہے اور چرواہے بادشاہ کے ہیں اس قوم کے فاتح مصر کا نام شداد ظاہر کیا گیا ہے۔"

مصر کے قدیم مورخ مانیثو نے اسکا نام سلاط لکھا ہے جو شداد کے ہم معنی ہے۔ شداد کا قد اور اوسکا دعویٰ خدائی مشہور ہے۔

عاد اولیٰ دیگر ممالک میں عاد اولیٰ یعنی عرب سامیہ نے اسیریا۔ ایران۔ فینیقیہ (سواحل بحر ابیض اور قرطاجنہ (جہاں اب تونس آباد ہے اور جسے عام طور سے کارتیج کہتے ہیں) میں بڑی بڑی حکومتیں کی ہیں بلکہ یونان و کریٹ بھی اونکے اثر سے نہ بچ سکے۔

مختصر یہ ہے کہ عاد صرف کوئی محدود اور چھوٹا سا قبیلہ نہ تھا بلکہ وہ ایک عظیم الشان قوم تھی جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ ایشیا اور افریقہ کا کثیر حصہ اسکے زور و قوت کا تماشاگاہ تھا بڑی بڑی اور عظیم الشان عمارتیں انکی دست صنعت کا نمونہ تھیں۔ اس بنا پر عرب کے لئے اس قوم سے زیادہ عبرت و بصیرت کا کوئی دوسرا نمونہ نہ تھا۔ اسلئے قرآن مجید نے عرب کے اس عظیم الشان قوم کی داستان باربار دہرائی ہے۔

جب قوم عاد کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا تو خداوند تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر ڈالا اور حضرت ہود علیہ السلام کو جو اس قوم کے پیغمبر تھے مع اونکے جو اونپر ایمان لائے نجات دی۔ ان نجات پانے والوں کا نام عاد ثانیہ ہے

عاد ثانیہ

شجرہ نسب امم سامیہ سے ظاہر ہے کہ عاد ثانیہ میں عاد عرب ثمود۔ جرہم۔ معین طسم و جدیس داخل ہیں۔ پس اب ہم ہر ایک کا مختصر حال لکھتے ہیں۔

۱- عاد عرب حضرت ہود مع اپنے متبعین و مصاحبین عاد عذاب الٰہی سے نجات پاکر حجاز میں آباد ہوئے انمیں لقمان نام ایک مشہور بادشاہ ہوا یہ وہی لقمان ہے جو لقمان حکیم کے نام سے مشہور ہے اور قرآن پاک میں جسکا ذکر ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں بدلائل قویہ ثابت کیا ہے کہ لقمان عاد اور لقمان حکیم دو شخص نہیں ہیں

۲- ثمود یہ لوگ عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے جسکا نام اوس زمانہ میں وادی القری

تھا۔ انکا دار الحکومت حجر تھا۔ یہ شہر ما بین حجاز و شام واقع ہے۔ اب عموماً اس شہر کو مداین صالح کہتے ہیں۔ جب انکا شرک و کفر حد سے زیادہ ہو گیا تو حضرت صالح نبی مبعوث ہوئے۔ انھوں نے ہر چند اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا۔ لیکن قوم نے قبول نہیں کیا! آپ نے فرمایا کہ اونٹنی ایک نشان ہے۔ چشمہ کا پانی ایک دن یہ پئے گی ایک دن تم پینا اگر اس ناقہ کو صدمہ پہونچا تو وہ خدا کے عذاب کا دن ہو گا۔ جماعت کفار میں سے نو شخصوں نے سازش کر کے اونٹنی کے کونچ کاٹ ڈالی۔ پیر اب کیا تھا۔ خدا کا عذاب عظیم زلزلہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور قوم ثمود ہلاک ہو گئی۔ ناقہ کی کونچیں کاٹ دینے والے کا نام قدار کہا جاتا ہے جو اشقی ثمود کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ شخص شقاوت میں اہل عرب کے نزدیک ضرب المثل ہے۔ متنبی کا شعر ہے

وفی جود کفیات ملجدت بی بنفسی ولو کنت اشقی ثمود

ثمود کی ایک پہاڑی کا نام عربوں میں فج الناقہ مشہور ہے جو ما بین حجاز و شام واقع ہے بطلیموس نے اس مقام کو اپنی یونانی تلفظ میں بنڈاناتا لکھا ہے۔

ثمود ثانیہ | جو ثمود حضرت صالح پر ایمان لانے کی وجہ سے ہلاک نہیں ہوئے۔ انھیں ثمود ثانیہ کہتے ہیں یہ لوگ کوئی جدید قوت حاصل نہ کر سکے۔ چونکہ انکا زمانہ نسبتہً قریب ہے اور نیز چونکہ انکو دیگر اقوام قدیم سے قرب مکانی تھا انکا نام اسیریا کے کتبوں میں بھی نظر آتا ہے اور رومیوں کی تاریخ میں بھی۔

نابتی | ثمود کے بعد نابتی حکومت کا زمانہ ہے جو شام کے حدود سے متصل اور قوم ثمود کی مرادف یا اون کے قائم مقام تھی۔ یہ لوگ حضرت اسمعیل کے لڑکے نابط (دیکھو شجرہ امم سامیہ) کی اولاد سے ہیں یہ شہروں میں رہتے تھے اور حضرت مسیح سے بہت پہلے ایک بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے تھے۔ انھوں نے حکومت پترا کی بنیاد ڈالی تھی جس نے تمدن و تانق کے لحاظ سے بڑی حد تک ترقی کی سنہ ۱۰۶ء میں انکی خود مختاری جاتی رہی۔ یہ لوگ عرب تھے۔ بولتے تھے زبان عربی اور لکھتے تھے زبان آرامی۔

۳۔ جرھم | یہ دو تھے۔ جرہم اولیٰ جو عاد کا ہمعصر اور امم سامیہ اولیٰ سے تھا۔ جرہم اولیٰ ہی کا عرب بائدہ میں شمار ہے۔ جرہم ثانی جو قحطان کا بیٹا اور حضرت اسمٰعیل کا پڑوسی اور رشتہ دار تھا۔ جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تھا۔ اور چونکہ جرہم بن قحطان کے حصہ میں ملک حجاز آیا تھا اسلئے بنو جرہم وہاں جاکر آباد ہوئے۔

تقریباً ۲۰۰۰ق م میں جب حضرت اسمعیل مکہ معظمہ میں آکر بسے تو یہ قبیلہ حوالی مکہ میں آباد تھا۔ حضرت اسمعیل نے اسی خاندان میں شادی کی اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے

۴۔ طسم وجدیس | یہ دونوں قبائل یمامہ میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ بادشاہت قبیلہ طسم میں تھی ایک دفعہ طسمی بادشاہ نے جو نہایت عیاش وظالم تھا یہ حکم نافذ کیا کہ جدیس کی کنواری لڑکیاں بیاہ سے پہلے اسکے محل میں لائی جائیں۔ جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی جدیسیوں نے سازش کرکے بادشاہ اور امرا کی دعوت کی۔ تلواریں ریت میں چھپا دیں۔ جب وہ آکر دسترخوان پر بیٹھے اور شراب کا دور شروع ہوا تو وہ تلوار لیکر اونپر ٹوٹ پڑے اور انہیں قتل کرڈالا جو بچے وہ بھاگ کر یمن کے بادشاہ کے پاس پہونچے اور وہاں سے کمک حاصل کرکے جدیسیوں پر حملہ آور ہوئے اور بڑی بیرحمی کے ساتھ اونہیں ہلاک کرڈالا۔ غرضکہ یہ دونوں قبیلے اپنی شرارت وخانہ جنگی کی وجہ سے بالکل نیست ونابود ہوگئے۔ شعراے عرب کے کلام میں کبھی کبھی ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سلمہ بن ربیعہ نے اپنی ایک نظم میں ذیل کے شعر لکھے ہیں۔ ؎

والعسر کالیسر والغنٰی کالعدم والحی للمنون

(ترجمہ) یعنی تنگدستی غنا ہونے میں مثل فراخ دستی کے ہے۔ اور تونگری مثل افلاس کے ہے اور ہر زندہ موت کے لئے

اھلکن طسمًا وبعدہ غذی بھم وذاجدون

واھل جاش ومارب وحی لقمان والتقون

یعنی حوادث زمانہ نے طسم کو اور اوسکے بعد ذوجدون حمیری کو اور اہل جاش اور اہل مارب کو اور قبیلہ لقمان کو ہلاک کردیا

۵۔ اہل معین انکی قومیت اور قومی نام کا پتہ نہیں چلتا۔ غالباً یہ بھی عاد ثانیہ میں سے تھے۔ اسلئے انکا تذکرہ عاد ثانیہ ہی کے ذیل میں کیا جاتا ہے۔

معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے۔ اس سلطنت کے عہد وجود کے متعلق مختلف خیالات ہیں۔ کوئی اسے سبائی حکومت کا ہمعصر بتاتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ جرمن مکتشفین کی رائے ہے کہ خاندان حکومت سنہ ۱۴۰۰ ق م سے سنہ ۷۰۰ ق م تک موجود تھا۔ غالباً اس کا زوال دعہد آخر سلطنت سبا کی ابتدا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی اس کا زمانہ عاد کے خاتمہ سے لیکر یعنی سنہ ۱۷۰۰ ق م سے سبا کی ابتدا تک یعنی سنہ ۱۱۰۰ ق م تک قرار دیتے ہیں۔

نہ انکی وسعت سلطنت کا پتہ چلتا ہے اور نہ انکے بادشاہوں کی تعداد اور نام کا۔ البتہ مکتشفین نے ۲۵ بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں۔

عرب متعربہ
یعنی
بنو قحطان از ۲۵۰۰ ق م

قحطان یمنی قبائل کا جد اعلیٰ تھا۔ توریت میں بجاسے قحطان یقطان مذکور ہے۔ یہ دونوں نام ایک ہی ہیں۔ توریت میں ہے کہ قحطان کے تیرہ بیٹے تھے۔ مورخین عرب صرف تین بیٹوں یعنی یارح حضارموت اور شبا کے سوا اور کسی سے واقف نہیں۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ یہی تین بیٹے زیادہ مشہور تھے۔

یارح یا یعرب یہ دونوں ایک ہی نام ہیں یارح عبرانی تلفظ ہے۔ اور یعرب عربی۔ یہ یمن کا سب سے پہلا بادشاہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دعائے شاہانہ جو ایام جاہلیت میں مروج تھی یعنی ابیت اللعن وانعم صباحاً سب سے پہلے اسی کو دی گئی۔ یہ بھی مشہور ہے کہ زبان کا سب سے پہلے متکلم فصیح بھی تھا۔ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تعلمتم من منطق الشیخ یعرب ۔ ابینا فصرتم معربین ذوی نفر
وکنتم قدیما مالکم غیر عجمۃ ۔ کلام وکنتم کالبھائم فی القفر

چونکہ حضرت حسان قبیلہ ازد سے تھے جسکا سلسلۂ نسب یعرب تک پہونچتا ہے۔ اسلئے آپنے یعرب کے لئے ابو کا لفظ استعمال کیا ہے

رواۃ عرب کے نزدیک یشجب یعرب کا بیٹا اور سبا پوتا تھا۔ لیکن توریت سے ظاہر ہے کہ سبا اسکا بھائی تھا۔ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

یعرب اور اوسکے نسل کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ روایات عربی میں غلطی سے سبا کو یعرب کی فرع تسلیم کرکے تمام قبائل سبا اور حکومتہا ئے سبا کو یعرب کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ لیکن درحقیقت سبا اور یعرب دونوں قحطان کے الگ الگ اور مستقل شاخیں ہیں

حضارموت | یہ قحطان کا دوسرا بیٹا ہے۔ اسکی اولاد نے جس حصہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ آجتک حضرموت کے نام مشہور ہے۔ جو عرب کے جنوب میں بحر عرب پر واقع ہے۔

بنو حضرموت کے ایک مستقل حکومت تھی جسکا ذکر یونانیوں نے جابجا کیا ہے اکتشافات اثریہ سے یہاں کے کئی بادشاہوں کے نام معلوم ہوئے ہیں یہاں کے بادشاہوں کا لقب قیاھل ہوتا تھا۔ یہ لوگ عہد قدیم سے ہندوستان کے بحری تجارت کے مالک تھے۔ اسلام کے بعد انہوں نے اور زیادہ ترقی کی۔ جزائر ہند جاوہ ساٹرہ وغیرہ میں انکی نوآبادیاں قائم ہیں

سبا

یہ بنو قحطان میں سب سے مشہور شاخ ہے جنہوں نے یمن میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ ایک طرف روایات عرب۔ حکایات یونان۔ آثار قدیمہ ہیں۔ اور دوسری طرف توریت۔ زبور۔ انجیل اور کلام مجید میں اسکی شہرت و رفعت کی داستانیں اور واقعات موجود ہیں۔

یہ سلطنت سبائی تخمیناً ۱۱۰۰ ق م یعنی زوال سلطنت معینی سے لیکر ۱۱۵ ق م تک

قائم رہی۔ اسمیں دو دور نمایاں ہیں۔

پہلا دور | ۸۰۰ق م سے ۵۵۰ق م تک۔ اس دور کے بادشاہ۔ مکارب سبا کے لقب سے مشہور تھے صرواح ان کا پایۂ تخت تھا۔

دوسرا دور | ۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک۔ اس طبقہ کے سبائی بادشاہ۔ ملوک سبا کہلائے جاتے تھے۔ ان کا پایۂ تخت مارب تھا جسکا دوسرا نام شہر سبا تھا۔ اسکے قصر شاہی کا نام سلحین تھا جسکا اشعار جاہلیت میں کہیں کہیں ذکر آتا ہے۔ چنانچہ علقمہ کا شعر ہے ؎

وقصر سلحین قد عفاه ریب الزمان الذی یریب

جس ملکہ سبا کا حضرت سلیمان کے قصہ کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر ہے وہ پہلے دور میں ہوگی کیونکہ حضرت سلیمان کا زمانہ ۹۵۰ قبل مسیح ہے۔ جن بادشاہوں کا نام انکشافات اثریہ سے معلوم ہوا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ق م سے بعد کے ہیں اس بنا پر اس ملکہ کے حالات سے ہنوز علم الآثار بے خبر ہے۔ سبائی سلطنت ایک متمدن ومتمول سلطنت تھی۔ صلح پسند اور آرام طلب ہونے کے وجہ سے تعمیر عمارات کی طرف اسے بہت دلچسپی تھی۔ ان بادشاہوں نے بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنوائیں جنکے بعض حصے عہد اسلام تک باقی تھے سد مارب اسی سلسلۂ عمارت میں تھا۔ وادیوں کے پانی روکنے کے لئے دو پہاڑوں کے درمیان تقریباً ۸۰۰ق م میں بڑی مضبوط مستحکم دیوار بنا دی گئی تھی۔ اس بند سے آبپاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ یہ سد مارب دارالحکومت کے اندر واقعہ تھا۔ جب اہل سبا نے حکم خداوندی سے سرتابی کی تو اللہ تعالے نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق اپر عذاب عظیم بشکل سیلاب نازل کیا جنے انکی مایہ ناز سد مارب کو توڑ ڈالا اس واقعہ کو عربی میں سیل العرم کہتے ہیں۔ خداوند تعالی نے سورہ سبا میں اس واقعہ عبرت انگیز کا ذکر فرمایا ہے

سبا کے مقبوضات تین حصوں میں منقسم تھے۔ حبش، یمن، اور شمالی عرب ابتک ۱۱۵ ق م میں

یہ شیرازے بکھر گئے۔ حبش پر اکسومی خاندان (اصحاب الفیل) کا تسلط ہوا شمالی عرب اسماعیلی عربوں کا دستبرد بنا یمن خاص میں حمیر نے ظہور کیا اور بقیہ قبائل تمام ملک میں تتر بتر ہو گئے

اس پراگندگی و انتشار کا سبب سیل عرم نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سبا کی دولت و ثروت کا دار مدار صرف تجارت پر تھا۔ زمانہ قدیم میں مشرقی عرب اور ہندوستان کے بندرگاہوں کے درمیان بحری وسائل آمد و شد مفتوح تھے۔ مسالہ۔ خوشبوئیں۔ ہاتھی دانت۔ بندر اور طاؤس وغیرہ ہندوستانی چیزیں، ساحل عمان پر آتی تھیں وہاں سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے کنارے خشکی حجاز سے گزر کر شام و مصر لیجاتے تھے۔ قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین کہا راستہ اور اسی سفر کا نام رحلۃ الشتاء والصیف رکھا ہے جسکو بعد میں قریش نے جاری کر لیا تھا۔ مگر جب پہلی صدی ق م میں ہندوستان و مصر کے درمیان بجائے خشکی کے بحر احمر کے راستہ سے تجارت ہونے لگی تو سبا کی دولت و ثروت کو نقصان پہونچنا قدرتی طور پر لازمی تھا۔ چنانچہ بہت جلد اس حکومت کا زوال ہو گیا اور اسکے ویرانہ پر حمیر نے اپنی عظمت و جبروت کی عمارت قائم کی۔

حمیر درحقیقت حمیر سبا سے کوئی الگ شئے نہیں۔ صرف خاندان اور موقعہ حکومت کا فرق ہے زبان مذہب اور طریقہ تمدن تمام چیزیں ایک ہیں۔ سبا کے دو طبقوں کا ذکر اوپر گذر چکا۔ حمیر کو سبا کا طبقہ ثالثہ و رابعہ سمجھو۔ مگر مورخین عرب کے نزدیک سبا کے دو بیٹے تھے حمیر اور کہلان۔ حمیر تمام یمن کا مالک تھا اور کہلان کو اطراف و حدود کی پاسبانی سپرد تھی بنو کہلان کے سردار قبیلہ نے خواب دیکھا یا کسی کاہن سے سُنا کہ سد مارب ٹوٹے گا اور سلطنت سبا برباد ہوجائیگی۔ اس بنا پر وہ یمن چھوڑ کر حجاز۔ نجد۔ بحرین۔ عمان۔ یمامہ۔ مدینہ۔ عراق اور شام میں چلے گئے۔

غرضکہ مورخین عرب نے سبا اور حمیر میں خلط بحث کر دیا ہے۔ وہ سبا کی تمام تاریخ میں بجائے سبا کے۔ ہر جگہ حمیر بولتے ہیں لیکن ابتک جو کتبے ملے ہیں۔ ان میں لفظ حمیر کہیں نہیں

ملتا۔ خود حمیر کے سلاطین اپنے آپ کو ملک سبا و ذوریدان لکھتے ہیں۔ اہل حبش کے کتبوں میں "حمیر" اور "ارض حمیر" ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حبش ملک سبا کو ارض حمیر اور وہاں کے بادشاہوں کو صرف حمیر کہتے تھے۔

ممکن ہے کہ عربی لفظ حمر سے مشتق ہو جسکے معنی سرخ کے ہیں۔ چونکہ سبا۔ حبشیوں کے مقابلہ میں گورے تھے پس شاید اس معنی کر انہیں حمیر کہتے ہوں۔ ماہرین انساب نے حمیر کے متعلق عجب خلط مبحث کر رکھا ہے۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عبد الشمس کے جو مارب کا بانی تھا بہت سے بیٹے تھے۔ جن میں حمیر اور عمرو اور کہلان سب سے زیادہ مشہور ہیں شاہان یمن جو تبع کہلاتے ہیں حمیر کی اولاد تھے شاہان حیرہ جو اکثر منذر کے لقب سے مشہور تھے عمرو کے خاندان سے اور شاہان غسان کہلان کے نسل تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال اس نام نہاد سلطنت حمیری کے بھی دو نمایاں دور ہیں

پہلا دور	۱۱۵ ق م سے ۲۸۰ء تک۔ اس دور کے سلاطین کا لقب ملک سبا و

ذوریدان ہے۔

دوسرا دور	۲۸۰ء سے ۵۲۵ء تک۔ اس دور کے سلاطین کا لقب ملک سبا

و ریدان و حضرموت ہے، انکو عرب تبع کہتے ہیں جسکی جمع تبابعہ ہے۔ ان کا پایہ تخت ظفار تھا جو آگے چلکر صنعا کے نام سے مشہور ہوا۔

تبابعہ کا شمار بہت زیادہ ہے۔ عام مورخین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گزرے ہیں۔ تبع اکبر تبع اوسط اور تبع اصغر۔ تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے تبع اوسط اسعد ابو کرب کا لقب تھا اور تبع اصغر تبع بن حسان تھا غالباً عام مورخین نے صرف تین مشہور ترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے ورنہ درحقیقت تبابعہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

رواۃ عرب تبابعیں کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور کارنامے بیان کرتے

ہیں۔ جنکا ابن خلدون نے خوب مضحکہ اوڑایا ہے۔

بہرحال انکے صاحب عظمت و جبروت ہونے میں کچھ شک نہیں۔ قرآن شریف نے قوم تبع کا دو بار ذکر کیا ہے۔ پہلی آیت میں صرف جبار قوموں کے ذیل میں اسکا بھی نام آیا ہے۔ دوسری آیت میں قریش کی طرف روئے خطاب ہے کہ انکو اپنی کس قوت پر ناز ہے۔ تبع اور اون سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا و طاقتور نہ تہیں۔ ان کا کیا انجام ہوا۔

حمیری ابتداءً مشرک اور ستارہ پرست تھے۔ سب سے پہلے اسعد ابوکرب نے جسے اسعد کامل بھی کہتے ہیں پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں مذہب یہودی قبول کیا۔

روایات عرب متعلقہ سیل العرم و تبابعہ

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ سد عرم جسے سد مارب بھی کہتے ہیں دوسری صدی عیسوی میں ٹوٹا۔ جس کے بعد ہی دولت سبا کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور حکومت حمیر قائم ہو گئی ادب عربی میں اس واقعہ کے متعلق اور نیز تبابعہ حمیر کے بابت دلچسپ روایات مشہور ہیں جنکو یہاں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

روایت متعلقہ سیل العرم

تخت مارب کچھ دنوں کے لئے عمرو بن عامر ماء السماء المعروف بمزیقیہ کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اسکی بیوی ظریفہ فن پیشین گوئی میں مہارت رکھتی تہی۔ ایک دفعہ اسنے خواب میں دیکھا کہ اونپر سخت ترین مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ اوسنے اپنے شوہر سے ذکر کیا۔ اوس نے تامل کیا تو کہا کہ سد عرم پر جاکر دیکھ اگر وہاں تجھے چوہا سوراخ کرتا ہوا اور پتھر کو سرکاتا ہوا نظر آئے تو تو میری بات کا یقین کرنا۔ چنانچہ عمرو سد مارب پر گیا۔ وہاں جاکر کیا دیکھتا ہے کہ درحقیقت ایک چوہا بند میں سوراخ کر رہا ہے اور ایک بھاری چٹان کو جسکو پچاس آدمی بھی نہیں سرکا سکتے حرکت دے رہا ہے۔ اوسے یہ دیکھکر آنیوالی مصیبت کا یقین ہو گیا۔ تو اوسنے اپنی قوم سے ذکر کیا اور پھر اپنی جائداد وغیرہ فروخت

کرکے ایک جم غفیر کے ساتھ مآرب سے کوچ کرگیا۔ ذھبوا ایدی سبا یا تفرقوا ایدی سبا (یعنی قوم سبا کی طرح تتر بتر ہوگئے) عربی کی مثلیں اسی واقعہ پر مبنی ہیں۔

روایات متعلقہ تبابعہ

مورخین عرب کے نزدیک پہلا تبع الحارث الرائش ہے اسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسنے آذربائیجان تک فتوحات حاصل کیں۔ تبع اکبر اسکا لقب بتلایا جاتا ہے۔ مگر اسعد ابوکرب جسے اسعد کامل بھی کہتے ہیں اور تبع اوسط جسکا لقب ہے سب تبابعہ میں مشہور ہے گویا کہ وہ یمن کے روایات قدیمہ کا ہیرو ہے۔ روایت ہے کہ اسنے ایران پر کامیابی کے ساتھ فوج کشی کی۔ جب واپسی پر حجاز ہوکر یمن جارہا تھا تو اسے معلوم ہوا کہ اہل یثرب نے اسکے بیٹے کو جسکو وہ جاتا ہوا وہاں چھوڑ گیا تھا مار ڈالا۔ اسپر اس نے یثرب والوں کو سخت سزا دینے کا ارادہ کیا۔ جب وہ یثرب پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا تو دو یہودی عالم اوسکے پاس پہونچکر کہنے لگے کہ اگر تو یثرب کو تباہ کریگا تو خدائے قادر و توانا تجھے سخت سزا دیگا۔ اوسنے وجہ دریافت کی تو اونہوں نے کہا کہ یہ اوسکے رسول کی جائے پناہ ہے۔ اسپر اسعد اپنے ارادہ سے باز رہا اور پھر اوسنے اونکا مذہب اختیار کرلیا۔ جب وہ مکہ کے قریب پہونچا قبیلہ ہذیل کے چند آدمیوں نے اسعد کو ہلاک کرنے کی ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ خانہ کعبہ کے مال و دولت کا ذکر کرکے اسعد کو تخریب کعبہ کی رغبت دلائی۔ ان کو یقین تھا کہ اگر وہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کریگا تو ضرور ہلاک ہو جائیگا۔ اسعد نے اون دونوں یہودی عالموں سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ ہرگز ایسا نہ کرنا ورنہ تو ہلاک ہو جائیگا۔ وہ تو خدا کا گھر ہے۔ بلکہ تجھے چاہیئے کہ وہاں جاکر طواف کرے اور غلاف چڑہائے۔ چنانچہ اوس نے ہذیلیوں کے تو ہاتھ پاؤں کٹوادیے اور خود نے مکہ جاکر طواف ادا کیا۔ قربانی کی۔ سر منڈوایا۔ اور اہل مکہ کو دعوت طعام دی۔ پھر وہ مع اپنے فوج کے یمن پہونچا۔ دونوں یہودی ساتھ تھے۔ اہل یمن کا مذہب بت پرستی تھا اس نے اونکو مذہب یہودی کی دعوت دی۔ اونہوں نے کہا کہ آگ فیصلہ کریگی کہ کون برحق ہے۔ آخر کار بہت کچھ آگ جلائی گئی۔ ایک طرف سے یمنی بت پرست

ہاتھوں میں بت لئے ہوئے۔ امتحان کے لئے تیار۔ دوسری طرف وہ یہودی توریت مقدس کو ہاتھ میں لئے ہوئے آزمائش کے لئے موجود۔ خدا کی قدرت بت پرست تو جل بھنکر کوئلہ ہوگئے اور یہودی صحیح سالم رہے۔ اسپر تمام اہل یمن نے یہودی مذہب اختیار کرلیا۔

اسعد کامل کے بعد اوسکا بیٹا حسان تخت پر بیٹھا اسکے متعلق ذیل کا قصہ دلچسپی سے خالی نہیں طسم و جدیس کا اوپر کہیں ذکر ہوچکا ہے جب جدیس نے طسم کا قتل عام کیا تو ایک طسمی رباح بن مرّا بچکر تبع حسان کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ اور اوسکو جدیس پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کردیا رباح کی بہن جسکا نام زرقاء الیمامہ تھا کسی مرد جدیسی کے نکاح میں تھی۔ یہ تیس میل کے فاصلہ کی چیز دیکھ سکتی تھی۔ اسکی تیز نظری سے بچنے کے لئے حسان نے کیا کیا کہ اپنے سواروں کو حکم دیا کہ درختوں کی لمبی لمبی پتہ دار شاخین کاٹکر اپنے سامنے ہاتھ میں لئے ہوئے چلیں۔ غرضکہ وہ اسطرح درختوں کی شاخوں میں چھپے ہوئے جدیس کی طرف بڑھے۔ جب وہ تیس میل کے فاصلہ پر رہگئے تھے تو زرقاء نے اپنے لوگوں سے کہا کہ درخت کے درخت ہماری طرف چلے آرہے ہیں۔ درختوں کا چلا آنا ایسا واقعہ تھا کہ کوئی بھی بیچاری کے کہنے پر یقین نہ لاسکا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ حسان نے اچانک حملہ کرکے سب کو تہ تیغ کرڈالا۔

اس خاندان کا آخری بادشاہ (تبع) ذونواس ہے۔ جس کے زمانہ کا اہم واقعہ اصحاب الاخدود کا قصہ ہے۔ نجران عیسائیت کا مرکز بنگیا تھا۔ وہاں راہب دین عیسوی کی تلقین کرنے لگے۔ ذونواس ایک متعصب یہودی تھا جب اسے خبر پہونچی غصہ کی آگ بھڑک اٹھی وہاں پہونچا شہر پر قابو پانے کے بعد گڈھوں میں آگ دہکائی اور تمام عیسائیوں کو ایک ایک کرکے طلب کیا۔ جس نے یہودیت سے انکار کیا اوسی کو زندہ آگ میں ڈالدیا۔ یہی واقعہ اس خاندان کی بربادی کا باعث ہوا اور وہ اس طرح کہ اس واقعہ سے اطراف کے تمام عیسائی بہت ہی برافروختہ ہوگئے۔ ایک نے نجاشی کے یہاں جو حبش کا بادشاہ تھا اور جسکا پایۂ تخت اکسوم تھا فریاد کی۔ حبش اور حمیر کے درمیان سیاسی تعلقات بہت پہلے سے خراب و ناگوار تھے نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کرکے ۵۲۵ء میں فیصلہ کن فتح حاصل

کی۔ آخری تبع ذو نواس گھوڑے کو سمندر میں ڈال کر ہلاک ہوا۔

اصحاب الفیل یمن فتح ہونیکے کچھ عرصہ بعد فوج حبشی میں ایک قسم کی بغاوت پیدا ہوگئی جسمیں انکا پہلا گورنر ارباط مارا گیا اور ابرہہ نامی ایک حبشی تنہا یمن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی کو یہ سخت ناگوار گزرا۔ مگر ابرہہ نے چالاکی سے اوسے خوش کرلیا۔ غرضکہ جب اوسکا اقتدار پورے طور پر قائم ہوگیا تو اوسنے ترویج عیسائیت کی طرف توجہ کی۔ بڑے بڑے شہروں میں کنیسے تعمیر کئے سب سے بڑا صنعاء میں تعمیر ہوا۔ جو عرب میں القلیس کے نام سے مشہور تھا۔ اسکی تعمیر سے غرض یہ تھی کہ عرب اصلی کعبہ کو چھوڑکر اس طرف رجوع کریں۔ اس سے تمام عرب بگڑ گئے۔ ایک عرب نے ایک رات موقعہ پاکر اس کلیسا کو نجس کردیا۔ ابرہہ اپنی عبادتگاہ کی بے حرمتی دیکھکر آگ بگولا ہوگیا۔ ایک فوج جرار اور چند ہاتھی لیکر کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے روانہ ہوا۔ راستے میں عرب کے قبیلوں نے مزاحمت کی لیکن ہزیمت پائی۔ جب یہ لشکر مکہ معظمہ کے قریب پہونچا تو دفعۃً ایک سمت سے پرندوں کا غول نمودار ہوا۔ اونکی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں جسپر گریں بدن پھوڑکر نکل آئیں۔ اعضا سڑنے گلنے لگے۔ ہاتھی چنگھاڑ مار مار کر پیچھے ہٹ گئے۔ چند منٹ میں لشکر درہم برہم ہوگیا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۷۰ء میں ہوا۔ عرب اس مہم کو وقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ جناب رسالتمآب کی ولادت باسعادت اسی سال اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی۔ اس واقعہ کے دو برس بعد تک ابرہہ کے لڑکے یقسوم اور مسروق عربوں پر تشدد کرتے رہے۔ آخر ایک سردار سیف بن ذی یزن نامی حمیری سردار کو خارجی سلطنتوں سے مدد لینے کا خیال پیدا ہوا۔ یہ اول قیصر روم کے پاس گیا۔ وہاں سے مایوس ہوکر حیرہ کے بادشاہ کے پاس گیا۔ اور اوسکے توسط سے نوشیرواں کے دربار میں پہونچا۔ اوسنے ۸۰۰ گردن زدنی مجرموں کو وہرز کی ماتحتی میں یمن روانہ کئے۔ کچھ راستہ میں ہلاک ہوئے۔ بقیہ جب وہاں پہونچے تو ایسے جان توڑکر لڑے کہ مسروق ہلاک ہوا اور حبشی فوج کو شکست ہوئی۔ سنہ ۵۷۲ء سے یمن ایرانیوں کے قبضہ میں آگیا۔ پہلا گورنر وہرز تہا۔ پھر اسکا بیٹا۔ پوتا۔ پرپوتا۔

یہانتک کہ صدر اسلام میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

بنو قحطان کی شاخیں

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

(۱) قضاعہ (۲) کھلان (۳) ازد۔ حمیری اسی ہیں کی شاخ ہے جو یمن کے فرمانروا تھے۔ اور جنکا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں

بعض کے نزدیک۔ بجائے قضاعہ کے حمیر ہے اور پھر حمیر کی تین شاخیں ہیں۔ قضاعہ سکاسک۔ زید جمہور

۱۔ قبائل قضاعہ | کے نسبت اختلاف ہے عام رواۃ عرب انکو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں لیکن محققین انساب نے انہیں بنو اسمعیل کہا ہے۔ بہرحال انکی شاخیں یہ ہیں۔

بنو کلب۔ بنو تنوخ۔ بنو جرم۔ بنو جہینہ۔ بنو نہد۔ بنو عذرہ۔ بنو اسلم۔ سلیح۔ ضجعم۔ تغلب نمر۔ اسد۔ تیم اللات۔ کلب۔ وغیرہ

۲۔ کھلان | کی شاخیں:۔

خثعم۔ ہمدان۔ کندہ۔ مذحج۔ طے۔ لخم۔ جذام۔ عاملہ

۳۔ ازد | کی شاخیں:۔

اوس۔ خزرج۔ خزاعہ۔ غسان۔ دوس

متذکرہ بالا قحطانی قبائل میں۔ قبائل سبا و حمیر کے بعد۔ اوس۔ خزرج۔ طے۔ کندہ۔ تنوخ۔ لخم اور غسان زیادہ مشہور اور طاقتور ہوئے ہیں۔ یہ سب کے سب۔ اسلام سے بہت پہلے شمال و وسط عرب میں آباد ہو گئے تھے۔ انکے اور اسماعیلی عربوں کے اخلاق و اطوار میں کچھ بھی فرق نہ تھا۔

ازد میں سے ثعلبہ مع اپنے قبیلہ کے مدینہ منورہ آکر آباد ہوا۔ اور یہاں کے اسرائیلی خاندانوں کو مغلوب کر کے اپنا اثر قائم کیا۔ اوس اور خزرج اسی کی شاخیں ہیں یہی انصار تھے

ازد کے دوسرے شخص حارث بن عمر نے جو خزاعہ کے نام سے مشہور ہے مکہ معظمہ پہونچکر بنی جرہم کو مار بھگایا اور حرم پر قبضہ کیا۔ ازد کی ایک شاخ عمان چلی گئی اور ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسکا ایک شخص جفنہ شام کی طرف گیا۔ اور اوسنے وہاں ایک حکومت قائم کرلی جسکا نام دولت غسانی ہے۔

کہلان میں سے بنی لخم نے عراق پہونچکر حکومت حیرہ کی بنیاد ڈالی جس کا حال ہم کچھ آگے چلکر بیان کریں گے۔

کندہ کندہ کا طاقتور قبیلہ جب تک یمن میں رہا وہاں کے تبابعہ کی ماتحتی میں اونکی وہی حیثیت اور وقعت تھی جو لخمیوں کی شاہان ایران کے یہاں۔ جب یہ لوگ یمن سے بڑھے تو انھوں نے شمال اور وسط عرب کے ایک بہت بڑے حصہ پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ انکا بادشاہ حجر تھا۔ اسکے مرنے کے بعد کندیوں کی متحدہ قوت کمزور ہوگئی تھی لیکن چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں۔ حجر کے پوتہ حارث بن عمر نے کچھ مدت کے لئے پھر اپنی حالت درست کرلی اور یہ لوگ حکومتہائے حیرہ و غسان کے مدمقابل ہوگئے۔ یہانتک کہ حارث بن عمر ابن ۵۰۵ و ۵۲۵ء لخمیوں کے مشہور بادشاہ منذر بن ماء السماء کو شکست دیکر خود حیرہ کا بادشاہ ہوگیا۔ لیکن جب ایرانیوں نے منذر کی مدد کی تو منذر کو پھر اوسکی حکومت مل گئی۔ اوسی وقت سے کندیوں اور اور لخمیوں کے درمیان رقابت و عداوت کی بنیاد پڑگئی۔ امراء القیس مشہور شاعر حارث کا پوتہ تھا اسکے باپ کو بنی اسد نے مار ڈالا تو اسنے بنی بکر و تغلب کی مدد سے قاتلیں سے خوب بدلہ لیا۔ منذر بن ماء السماء نے حارث بن عمر کا بدلہ امراء القیس سے لینا چاہا۔ مگر یہ اوسکے قبضہ میں نہ آیا اور سموال بن عادیا والئی تیما کے یہاں پناہ گزیں ہوا پھر وہاں سے چلکر حارث بن ابی شمر غسانی کی وساطت سے قیصر روم کے پاس پہونچا۔ یہ تمام حالات اپنے اپنے موقعہ پر بیاں ہونگے۔

طے یہ وہی قبیلہ ہے جسمیں حاتم پیدا ہوا۔ اسکی سخاوت عرب میں ضرب المثل ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ”اکرم من حاتم طے“

حکومتہائے حیرہ و غسان

اوپر پڑھنے سے معلوم ہوا ہو گا کہ بنو قحطان کی اولاد نے چار بڑی سلطنتیں قائم کیں سبائی وحمیری سلطنتیں یکے بعد دیگرے یمن میں حکومت حیرہ عراق میں اور دولت غسانی شام میں۔ مقدم الذکر دو سلطنتوں کا ہم اوپر مختصر ذکر کر آئے ہیں۔ یہاں پچھلی دو حکومتوں کا بیان کرتے ہیں۔ اور ذرا بسط کے ساتھ اسلئے کہ ان دونوں خاندانوں کی تاریخ سے ایام جاہلیت کے ادب کو زیادہ تعلق ہے۔

تیسری صدی عیسوی میں عرب کے شمال اور شمال مشرق کی طرف دو زبردست حریف سلطنتوں کے مقبوضات تھے۔ صحرائے شام دونوں کے درمیان حائل تھا۔ شمال میں قیصران روم کی سلطنت تھی تو شمال شرق میں خسروان ایران کی حکومت۔ ملک گیری کی ہوس سے انہیں سخت رقابت تھی۔ ہر وقت اسی فکر میں تھے کہ کسی نہ کسی ترکیب سے اپنی سرحد بڑھالیں۔ اسی کے ساتھ انہیں یہ بھی فکر تھی کہ وحشیان عرب کی غارتگری و قزاقی سے کسی طرح محفوظ رہیں اس غرض کے لیئے طرفین نے اپنے اپنے سرحدوں پر مضبوط قلعے بنائے چھاؤنیاں قائم کیں مگر جب یہ سب تدابیر بیکار ثابت ہوئیں۔ تو انہوں نے ایک عجیب حکمت عملی سے کام لیا یعنی دونوں نے قرب وجوار کے سربرآوردہ عرب قبائل کو زر کا لالچ دیا اور انکی جنگجو بہادروں کو فوج میں بھرتی کر لیا قواعد جنگ انہیں سکھائے آلات حرب دیئے اور تنخواہیں مقرر کیں۔ یہ عرب بہادر روپیہ کے لالچ سے اپنے اپنے مالکوں کے لئے جان دینے لگے۔ اس تدبیر سے دونوں رقیب سلطنتوں کی سرحدیں ایک دوسرے کے خطرے سے بھی محفوظ ہو گئیں اور عربوں کی لوٹ مار سے بھی امن میں رہیں غرضکہ یوں عرب کے شمال و شرق میں دولت ساسانی اور سلطنت رومی کے زیر اثر عرب کی دو حکومتیں۔ حکومت حیرہ (آل منافرہ) اور حکومت غسان (آل حفنہ) قائم ہوئیں

حکومت حیرہ عراق میں تھی اور دوسری شام میں

حکومت حیرہ اس حکومت عراق کا سب سے پہلا بادشاہ مالک ازدی تھا۔ اتفاقاً خود اسکے ایک بیٹے کے ہاتھ سے ایک تیر اسکے لگ گیا اور مرگیا۔ مرتے وقت جو اسنے ایک شعر کہا وہ بعد کو ضرب المثل ہوگیا۔ ؎

علمتہ الرمایتہ کل یوم   فلما اشتد ساعدہ رمانی

(ترجمہ) یعنی بیٹے اوسے ہر روز تیراندازی سکھائی۔ اور جب وہ ماہر ہوگیا تو اوس نے مجھ پر وار کیا۔

اسکی حکومت کو اسکے بیٹے جذیمۃ الابرش نے مستحکم کی۔ جو دولت ساسانی کے ماتحت تھا۔ اس جذیمہ کے متعلق بہت سے افسانے اور کہاوتیں مشہور ہیں۔ اس قدر مغرور تھا کہ سوائے فرقدین کے کسی کو اسنے اپنا ندیم بنانا گوارا نہیں کیا۔ جب وہ شراب پیا کرتا تھا تو ان دو ستاروں میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک پیالہ زمین پر گرادیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکی بہن اسکے غلام عدی بن نصر پر عاشق ہوگئی۔ شراب کے نشہ میں اسنے نکاح کی اجازت دیدی۔ ہوش میں آیا تو غصہ میں آکر شوہر کو قتل کرڈالا۔ بہن کو بھی بہت برا بھلا کہا۔ مگر جب اُس سے لڑکا پیدا ہوا تو اسے اپنا متبنّٰی بنا لیا۔ اور اوس سے بہت محبت کرنے لگا۔ جب یہ لڑکا عمرو نامی بڑا ہوا تو ایک روز اچانک غائب ہوگیا۔ مگر مدت کے بعد مالک اور عقیل دو بھائیوں کو ملگیا۔ وہ اسے جذیمہ کے پاس لائے جذیمہ بہت خوش ہوا۔ اسنے اونکی درخواست کے مطابق اونہیں اپنا ندیم بنا لیا۔ یہ دونوں ندمانا جذیمہ کے لقب سے مشہور ہیں۔

قصہ زبّاء جذیمہ بڑا عقلمند اور جنگجو بادشاہ تھا۔ اسنے ظرب بن حسان کو جو مشرقی شام اور عراق پر قابض ہوگیا تھا شکست دیکر قتل کرڈالا۔ اسکی ایک لڑکی تھی جسکا نام زبّاء تھا۔ باپ کے قتل ہونے پر عنان حکومت اسنے اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ بڑی زیرک اور ہوشیار عورت تھی۔ اسنے نہر فرات کے دونوں کناروں پر دو مضبوط قلعے تعمیر کئے جنکے درمیان سرنگ بنوائی۔ ایک میں خود رہنے لگی دوسرا اپنی بہن زینب کے سپرد کیا۔ جب ان استحکامات سے فارغ ہوئی۔ تو اسنے اپنے باپ کے بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ اور جذیمہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تو مجھسے نکاح کریگا

تو میں اپنے باپ کے انتقام خون سے درگزروں گی جذیمہ کو اوسکے مصاحب قصیر نے ہر چند منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا آخر یہ دونوں وہاں پہونچے۔ جذیمہ گرفتار ہوا اور قصیر جان بچا کر بھاگا جذیمہ کا یہ حشر ہوا کہ ملکہ کے حکم سے اوسکے ہاتھ کی فصدیں کھولدی گئیں۔ اور وہ مر گیا۔

قصیر نے جذیمہ کے بھانجے عمرو بن عدی کے پاس پہونچکر سارا قصہ بیان کیا اور اوسکو بدلہ لینے پر آمادہ کیا۔ قصیر نے اپنی ناک خود کاٹ لی اور زبا کے پاس جاکر کہا کہ جذیمہ کے بھانجے نے مجھپر یہ اتہام لگایا کہ میں نے جذیمہ کے ساتھہ دغا کرکے اوسے قتل کروا دیا۔ اور اس جرم کی سزا میں اُسنے میری ناک کاٹ کر اپنے ملک سے نکالدیا۔ زبا نے اوسکی بات پر اعتماد کیا۔ اور اوسے اپنے یہاں پناہ دی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد قصیر تجارت کے بہانے ادہر اودہر سفر کرنے لگا اور ملکہ کا اعتماد بڑہانے کے لئے دور دور ملکوں کے تحفے تحائف پیش کرتا۔ جب ملکہ کو پورے طور پر یقین ہوگیا کہ واقعی وہ تجارت کرتا ہے تو وہ عمرو بن عدی کے پاس پہونچا اور اوسکی مدد سے اوسنے ایک ہزار اونٹوں کا قافلہ تیار کیا۔ ہر ایک اونٹ پر دو دو آدمی صندوق میں بند کئے۔ اس قافلہ کو لیکر زبا کی طرف چلا۔ جب قلعہ قریب رہگیا تو خود پہلے ملکہ کو اطلاع دینے گیا۔ اوس نے بڑے شوق سے اپنے قلعہ کی دیواروں پر سے قافلہ کو آتے ہوے دیکھا غرضکہ جب یہ سب قافلہ قلعہ میں داخل ہوگیا۔ تو صندوقوں میں سے آدمی نکلکر قلعہ والوں کو قتل کرنے لگے زبا نے سرنگ کے ذریعہ بھاگنا چاہا۔ لیکن قصیر پہلے ہی سے وہاں کھڑا تھا۔ پھر واپس ہوئی تو دیکھا کہ عمرو بن عدی موجود ہے۔ اسے یہ گوارا نہوا کہ عمرو کے ہاتھ سے قتل ہو۔ اپنی انگوٹھی کا ہیرہ کھاکر مرگئی۔ عربی میں یہ قصہ ضرب المثل ہے

عمرو بن عدی جذیمہ کے قتل کے بعد بادشاہ ہوا۔ اسنے زبا سے اپنے ماموں کا جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے بدلہ لیا۔ اسی نے حیرہ کو تیسری صدی عیسوی کی ابتدا میں اپنا دارالحکومت بنایا۔ اسمیں تین قسم کے لوگ رہتے تھے۔

(۱) تنوخ۔ یہ فرات کے مغرب میں باہر حیرہ وانبار خیموں میں رہا کرتے تھے۔

(۲) عباد۔ یہ لوگ باقاعدہ گھروں میں رہتے تھے۔ مذہبًا عیسائی تھے۔

(۳) احلاف۔ تنوخ اور عباد کے علاوہ۔ جو لوگ تھے وہ یہ تھے۔

نعمان اول سنہ ۴۰۰ء

ملوک حیرہ اس سبب سے لخمی کہے جاتے ہیں کہ یہ عمرو بن عدی۔ لخم کی پانچویں پشت میں تھا۔ اس بادشاہ کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ایک تخت نشین ہوئے تا اینکہ نعمان الاعور بادشاہ ہوا۔ روایات عرب میں یہ بہت مشہور ہے۔ اسنے ایک نہایت خوبصورت قصر۔ ساسانی شہزادہ بہرام گور کے لئے بنوایا تھا جو خورنق کے نام سے مشہور ہے۔ اسی نے ایک لمبی چوڑی نہر بھی کھدوائی جسکا نام سدیر ہے تھوڑے عرصہ حکومت کرنیکے بعد یہ بادشاہ تارک الدنیا ہوگیا۔ اسکا قصہ یہ ہے کہ ایک روز نعمان مع اپنے وزیر اسی خورنق میں بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے سامان عیش و عشرت کو دیکھکر اسنے وزیر سے دریافت کیا کہ کیا کبھی تمنے ایسی چیزیں دیکھی ہیں وہ بولا کہ یہ سب فانی ہیں۔ پوچھا کہ کونسی چیز فانی نہیں۔ وزیر نے کہا وہ چیز جو خدا کے پاس ہے پھر دریافت کیا کہ یہ کس طرح حاصل ہوسکتی ہے اوس نے جواب دیا کہ ترک دنیا سے ان باتوں کا بادشاہ پر اسقدر اثر ہوا کہ اوسی دم بادشاہت چھوڑکر ویرانہ کو نکل گیا۔ یہ مصاحب بھی ساتھ ہولیا اور دونوں آخر وقت تک خدا کی اطاعت و بندگی میں مشغول رہے۔

عدی بن زید عیسائی کے یہ اشعار اسباب میں مشہور ہیں۔

وتفكر رب الخورنق اذ ۔۔۔ اشرف يوماً وللهدى تفكير

مالک خورنق کے حال پر غور کر جبکہ وہ جھانکا ایک روز اپنے محل پر سے اور غور و فکر ہی سے ہدایت ملتی ہے

سره ماله وكثرة ما يملك ۔۔۔ والبحر معرضاً والسدير

تو خوش کیا اسکے دل کو اوسکے مال اور کثرت ملکیت نے اور اوس دریا نے جو سامنے بہہ رہا تھا اور نہر سدیر نے

فارعوى قلبه وقال فما ۔۔۔ غبطة حي الى الممات يصير

پھر یک بیک سہم گیا اوسکا دل اور کہنے لگا کہ متنفس کے لئے کیا خوشی ہے جب وہ موت کی طرف جارہا ہے

ثم بعد الفلاح والملك والنعمة ۔۔۔ وارتهم هناك القبور

(ترجمہ) پھر عیش اور سلطنت کے بعد اون کو قبریں چھپا لیتی ہیں

منذر اول | نعمان الاعور کے بعد اوسکا بیٹا منذر بادشاہ ہوا۔ یہ بڑا زبردست بادشاہ تھا۔ جب ایرانیوں نے بہرام گور کو تخت پر بٹھلانے سے انکار کردیا تو اسنے منذر سے مدد مانگی یہ اپنی فوج لیکر ایران پر حملہ آور ہوا۔ اور ایرانیوں کو شکست دیکر بہرام کو تخت پر بٹھا آیا۔ جنگ روم و ایران میں اسنے ایرانیوں کی بڑی مدد کی لیکن ۴۲۱ء میں رومیوں نے اسے بڑی شکست دی

منذر ثالث بن ماءالسماء | منذر اول کے بعد کئی ایک معمولی درجہ کے بادشاہ ہوئے تاآینکہ چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں منذر ثالث تخت نشین ہوا۔ یہ وہی منذر ہے جو منذر بن ماءالسماء کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اس خاندان کا بڑا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اسنے بڑی شان سے حکومت کی۔ اسی بادشاہ کو حارث بن عمرو والی کندہ نے شکست دیکر عراق سے نکالدیا تھا۔ لیکن بعد میں ایرانیوں کی مدد سے اسنے پھر اپنی حکومت پالی۔

منذر نے رومیوں کے مقابلہ میں بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں آخر جب قیصر روم نے مجبور ہو کر مدافعت کا کام غسانیوں کے بادشاہ حارث بن جبلہ (حارث الاعرج) کے سپرد کیا تو ان دونوں بادشاہوں میں نبرد آزمائیاں و معرکہ آرائیاں ہونے لگیں ایک لڑائی میں منذر نے موقعہ پاکر حارث الاعرج کے بیٹے کو قید کرکے عزّہ بت پر قربان کرڈالا۔ مگر اسکے بعد جب پھر لڑائی ہوئی تو وہ مارا گیا یہ واقعہ ۵۵۴ء کا ہے۔ اور عرب میں یوم حلیمہ کے نام سے مشہور ہے۔ حلیمہ حارث کی بیٹی تھی یہ اس جنگ میں اپنے ہاتھوں سے جانبازوں کے عطر لگاتی تھی تاکہ وہ جوش میں آکر خوب لڑیں اور ہمت نہاریں کہا جاتا ہے کہ حارث نے یہ کہا تھا کہ جو منذر کو قتل کریگا اوس سے اپنی بیٹی کا نکاح کردونگا

اسی بادشاہ کے متعلق روایت مشہور ہے کہ اسکے دو ندیم تھے خالد بن المضلل اور عمر بن مسعود۔ ایک دن شراب کے نشہ میں اونکو زندہ دفن کرادیا۔ دوسرے دن بہت پچھتایا تو اسنے انکی قبروں پر دو چھوٹے چھوٹے ستون بنوادیئے الغریان جنکا نام رکھاگیا۔ سال بھر میں دو دن وہاں

جاتا تھا۔ ایک دن کا نام یوم نعیم تھا۔ اس روز جو شخص سب سے پہلے اوسکے سامنے آتا تھا اسکو سنو سیاہ اونٹ بخشتا تھا۔ دوسرا روز یوم بُوس کہلاتا تھا۔ اس دن سب سے پہلے ملنے والے کو ظربان (بلی کے برابر ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے) کا مرُدیکر قتل کر ڈالتا۔ اور اوسکے خون سے غربان کو رنگ دیتا تھا۔ اسی قصہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ عبید بن الابرص عرب کا شاعر مشہور اسی یوم بوس کا شکار ہوا منذر برابر ہر سال یہ کرتا رہا تا اینکہ ایک برس حنظلہ طائی اس یوم بوس کا نشانہ بنا اوسنے نہایت منت سماجت سے ایک سال کی مہلت مانگی بادشاہ نے کہا کہ منظور بشرطیکہ کوئی ضمانت دے اسپر حنظلہ نے شریک بن عمرو سے جو بادشاہ کے امیروں میں سے تھا ضمانت کے لئے کہا تو اوسنے فوراً قبول کر لیا۔ اور کہا کہ اگر یہ نہ آے تو اوسکے بجاے مجھے قتل کر دیا جاے۔ غرضکہ حنظلہ نے اس طرح ایک سال کی مہلت پائی۔ جب روز مقررہ آیا تو اتفاق سے حنظلہ کو کچھ دیر ہوگئی۔ منذر شریک کو قتل کرنے والا ہی تھا کہ اتنے میں حنظلہ گھوڑہ تیز دوڑاتا ہوا وہاں پہونچا۔ بادشاہ پر اس کے ایفاے وعدہ کا ایسا اثر ہوا کہ نہ صرف اوسکے قتل سے درگذرا بلکہ انعام دیکر رخصت کیا اور اوسی روز سے یہ منحوس رسم بند کر دی۔

عمرو بن ہند ۵۵۴-۵۶۹ء

منذر کے بعد اسکا بیٹا عمرو بن ہند بادشاہ ہوا اسکے زمانہ میں حیرہ شاعری کا مرکز بنگیا ایام جاہلیت کے بڑے بڑے مشہور شاعر اسکے دربار میں حاضر ہوئے۔ حارث بن حلزہ کا قصیدہ اسی کے روبرو پڑھا گیا طرفہ اسی کے دربار کا شاعر تھا اور اسی کے حکم سے قتل ہوا۔ عرب اس سے بہت خوف زدہ تھے۔ اسکو عمرو بن کلثوم مشہور شاعر نے قتل کر ڈالا۔ یہ قصہ اوسی کے ذکر میں بیان ہوگا۔

اسکے بعد اسکے بھائی قابوس اور منذر چہارم یکے بعد دیگر تہوڑی تھوڑی مدت کے لئے بادشاہ ہوے۔

نعمان ابو قابوس ۵۸۰ تا ۶۰۲ / ۵۸۵ تا ۶۰۷

اس خاندان کا آخری بادشاہ ابو قابوس نعمان سوم بن منذر چہارم ہے۔ روایات عرب میں یہ بھی بہت مشہور ہے۔ اسکی تعلیم و تربیت عیسائی شاعر

عدی بن زید کے ہاتھوں ہوئی۔

یہ عدی بڑا قابل اور عقلمند شخص تھا۔ نوشیرواں کے دربار میں اسکی بڑی قدر تھی۔ چنانچہ ایران سے قسطنطنیہ سفارت پر بھیجا گیا۔ جب یہ حیرہ رہا کرتا تھا تو نعمان کی بیٹی پر عاشق ہوگیا تھا نعمان نے آخر نکاح کی اجازت دیدی۔ پس یہ نعمان کا استاد تو پہلے ہی سے تھا اب اوسکا داماد بھی ہوگیا۔ منذر چہارم کے مرنے پر اس نعمان کی تخت نشینی زیادہ تر عدی بن زید ہی کے اثر سے ہوئی۔ مگر آگے چلکر نعمان اوس سے ناراض ہوگیا اور اوسنے اوسکو قید کرکے مروا ڈالا۔ عدی کے ایک بیٹا تھا زید نام۔ یہ اپنے باپ کے مرنے پر حکومت حیرہ کا مدآین میں وکیل مقرر ہوا۔ یہاں نعمان اور اسمیں مصالحت ہوگئی تھی لیکن زید انتقام کے لئے منتظر موقعہ رہا ایک دفعہ خسرو پرویز کو اپنے حرم سرا کے لئے خوبصورت عورتوں کی ضرورت ہوئی زید نے کہا کہ نعمان کے خاندان میں بڑی حسین عورتیں ہیں۔ خسرو نے اس غرض کے لئے اوسے مع ایک دوسرے افسر کے حیرہ روانہ کیا۔ جب نعمان کو اونکے آنے کا سبب معلوم ہوا حیرت زدہ ہوکر بولا کہ کیا تمہاری ضرورتوں کے لئے ایران کی حسین عورتیں کافی نہیں۔ اوسنے اپنے جواب میں عورتوں کے لئے استعارہ کے طور پر مہا کا لفظ استعمال کیا۔ زید کے ساتھ جو افسر تھا وہ عربی میں پورے طور پر ماہر نہیں تھا۔ اوسنے پوچھا کہ مہا کے کیا معنی ہیں زید نے کہا کہ گائیں "قصہ مختصر"۔ اوس افسر نے واپس جاکر خسرو سے کہا کہ نعمان کہتا تھا کہ کیا ایران کی گائیں تیرے لئے کافی نہیں۔ اسپر خسرو غصہ کے مارے آگ بگولا ہوگیا اور نعمان کو پکڑوا بلا کر ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے مروا ڈالا۔

نابغہ ذبیانی اور منخل اسی نعمان ابو قابوس کے دربار کے شاعر تھے۔ نعمان کی بیوی متجردہ بہت خوبصورت تھی۔ بادشاہ اسکے بارہ میں نابغہ سے بدظن ہوگیا جس کی بنا پر نابغہ کو دربار حیرہ چھوڑ کر غسانیوں کے یہاں جانا پڑا درحقیقت اصلی مجرم منخل تھا۔ نعمان نے اوسے متجردہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اوسی روز سے منخل ایسا غائب ہوا کہ اوسکا پتہ ہی نہیں چلا۔ چنانچہ عربی میں ضرب المثل ہے۔ لا افعلہ حتی یئوب المنخل حضرت حسان بن

ثابت نے بھی اسکی مدح کی ہے۔

جنگ ذوقار نعمان سوم نے اپنی ہلاکت سے پہلے بنی بکر کے ہانی نام ایک سردار کے پاس اپنے اسلحہ وغیرہ امانت رکھدیئے تھے۔ جب پرویز کو انکی خبر پہونچی تو اسنے ہانی سے انکا مطالبہ کیا۔ ہانی کے انکار کرنے پر ایک ایرانی فوج بھیجی گئی اور بمقام ذو قار جو کوفہ سے قریب تھا سنہ ۶۱۱ء میں ایرانیوں اور بنی بکر کے درمیان ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں مقدم الذکر کو پوری طور پر شکست ملی یہ لڑائی جنگ ذوقار کے نام سے مشہور ہے ابتک عربوں پر ایرانیوں کا جو رعب وخوف تھا وہ اس لڑائی کے بعد سے جاتا رہا۔ یہ پہلی فتح تھی جو عربوں کو ایرانیوں پر حاصل ہوئی۔ اس واقعہ سے چند ماہ پیشتر رسول مقبول کی بعثت ہوچکی تھی۔

ابو قابوس کے بعد دو تین برائے نام بادشاہ ہوئے۔ آخری بادشاہ منذر مغرور تھا جسکا سنہ ۶۳۲ء میں خاتمہ ہوا۔

دولت غسان

ابتدأً قضاعہ کے چند قبائل۔ ملک شام میں جا بسے تھے۔ وہاں رومیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے ان نو وارد بسنے والوں میں سے ایک سردار کو انکی حکومت کے لئے مقرر کردیا تاکہ ایک طرف وہ عرب خانہ بدوشوں کی غارتگری سے محفوظ رہیں اور دوسری طرف ایرانیوں کے مقابلہ میں انکی طرف سے لڑیں۔ یہ سردار ملوک کہے جاتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد غسانی قبیلہ وہاں پہونچا۔ یہ لوگ عمرو بن عامر المزیقیہ کی اولاد میں تھے جسنے سد مآرب کے ٹوٹنے سے پہلے مع بہت سے یمنیوں کے یمن کو خیرباد کہدیا تھا۔ اسکا بیٹا جفنہ خاندان غسانی کا مورث اعلیٰ تھا اسی وجہ سے خاندان غسانی کو آل جفنہ بھی کہا جاتا ہے۔ آل جفنہ نے شام پہونچکر بنی قضاعہ کو مغلوب کرلیا۔ تو رومیوں نے بھی انکو ہی بادشاہ تسلیم کیا۔ چونکہ مدت تک یہ غسان نام چشمہ پر سکونت پذیر رہے اسلئے آگے چلکر انکا نام بنو غسان ہوگیا۔ انکی ابتدائی تاریخ کا صحیح طور پر کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مورخین عرب میں غسان بادشاہوں

کے نام اور تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ حمزہؒ اصفہانی نے ۳۲ کے قریب نام لکھے ہیں۔ ابن قتیبہ نے ایک درجن کے قریب نام گنوائے ہیں۔ حمزہ مدت حکومت چھ سو سال کے قریب بتاتا ہے۔ مگر ابو الفدا نے چار سو برس کی مدت قائم کی۔ اور یہی صحیح ہے۔ اسلئے کہ غسانی دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں وہاں پہونچے ہیں۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم تھا جسکی حکومت سنہ ۶۳۶ء میں ختم ہوئی۔ یہ وہی جبلہ ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا یہ واقعہ مشہور ہے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

تاریخ روم میں سب سے پہلے حارث بن جبلہ کا ذکر آتا ہے غالباً یہ وہی حارث ہے جسے عرب حارث الاعرج کہتے ہیں اسکو رومیوں نے سنہ ۵۲۹ء کے قریب ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ اسنے چالیس برس کے قریب حکومت کی۔ اسے منذر بن ماء السماء کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں ایک لڑائی میں اسکے بیٹے کو منذر نے پکڑ کر عزہ بت پر قربان کر دیا۔ مگر سنہ ۵۵۴ء میں جو لڑائی ہوئی اور جو یوم حلیمہ کے نام سے مشہور ہے اوسمیں منذر قتل ہوا سنہ ۵۶۳ء میں اپنا ولیعہد وجانشین مقرر کرانے کے لئے قسطنطنیہ گیا اور سنہ ۵۷۰ء میں مر گیا۔

اسکے بعد اسکا بیٹا المنذر بن الحارث الاعرج بادشاہ ہوا اس نے سنہ ۵۸۱ یا ۵۸۲ء تک حکومت کی اسنے اہل حیرہ کے ساتھ لڑائی برابر جاری رکھی سنہ ۵۷۰ء میں قابوس کو جنگ عین اباغ میں شکست دی۔ قیصر روم نے اس سے خوف زدہ ہو کر اسے ہلاک کرنا چاہا۔ اسے یہ ارادہ معلوم ہو گیا تو اسنے اسکی ماتحتی کا جُوا اپنے سر پر سے اُتار پھینکا۔ خراج وغیرہ دینا بند کر دیا قیصر روم نے آل مناذر کے حملوں سے تنگ آکر پھر اس سے صلح کر لی سنہ ۵۸۰ء میں اسنے حیرہ پر حملہ کر کے اوسمیں آگ لگا دی اور بے شمار مال غنیمت لے گیا۔ قیصر روم اندرونی طور پر برابر اسکا دشمن رہا موقعہ پاکر سنہ ۵۸۱ء میں اسے گرفتار کر لیا۔

اسکے گرفتاری کے بعد نعمان کی سیادت وقیادت میں تمام غسانی قیصر روم کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن سنہ ۵۸۳ء میں نعمان گرفتار ہو گیا۔ منذر اور نعمان کی گرفتاری کے

بعد غسانیوں میں عام بغاوت ہو کر طوائف الملوکی قائم ہو گئی ۶۱۳-۱۴ ؁ء میں جب خسرو پرویز نے دمشق اور بیت المقدس کو فتح کیا تو اُنکی رہی سہی طاقت بھی جاتی رہی ۶۲۹ ؁ء میں رومیوں نے شام پھر فتح کیا۔ لیکن تاریخ سے اسبات کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ قیصر نے غسانیوں کا مرتبہ سابقہ بحال رکھا یا نہیں۔

بہرحال جبلہ بن الایہم آخری بادشاہ تھا جو قیصر روم کی طرف سے ۶۲۹ ؁ء میں لڑا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان ہو کر مرتد ہوا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جبکہ اپنے مرتد ہونے پر بہت نادم تھا چنانچہ ایک نظم اوسکی طرف منسوب ہے جسکا پہلا مصرعہ یہ ہے ع

تنصرت الاشراف من عار لطمة

بنو جفنہ یا آل غسان میں رومیوں کے اثر سے تمدن آگیا تھا۔ انہوں نے شام میں بڑے بڑے محلات اور کنیسے تعمیر کئے تھے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے غسانی بادشاہوں کی مدح میں بڑے زوردار قصائد لکھے ہیں۔ آپ کو ان سے خاندانی بھی تعلق تھا۔ یہ لوگ آپ کو بہت داد دہش دیتے تھے۔ جبلہ نے مرتد ہونے کے بعد بھی قسطنطنیہ سے آپ کے لئے بہت کچھ بھیجا۔ حوران۔ جابیہ۔ الجولان۔ جلق غسانیوں کے مشہور مقامات تھے۔

عرب مستعربہ
یعنی بنو اسمٰعیل

ہم اوپر عرب بائدہ یعنی عاد ثمود طسم جدیس وغیرہ اور عرب متعربہ یعنی بنو قحطان کے حالات مختصراً بیان کر آئے ہیں۔ اب ہم عرب مستعربہ کا ذکر کرتے ہیں۔ عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے اور یہی بہترین عرب ہیں اسی سلسلہ سے اسلام کی تاریخ تمام تر وابستہ ہے۔

تعمیر مکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو کلدان سے عرب میں لیجا کر مکہ معظمہ میں آباد کر دیا اور جب اونکی دوسری بیوی کا انتقال ہو گیا تو خود بھی مکہ میں تشریف لے گئے۔ اسوقت حضرت اسمٰعیل سن بلوغ کو پہونچ چکے تھے۔ دونوں نے ملکر ایک چھوٹے سے

مربع گھر کی بنیاد ڈالی۔ جب عمارت بنچکی تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ کہ ایسے مقام پر لگادوں جہاں سے طواف شروع کیا جائے یہ ہی وہ مقدس عمارت ہے جسے کعبۃ اللہ یعنی خانۂ خدا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور جسکے سامنے دنیا کی تمام بڑی بڑی شاندار اور سربہ فلک عمارتیں ہیچ ہیں۔ کعبۂ پاک کی برکت سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا اس قبیلہ میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے حضرت اسمٰعیل نے انکی لڑکی سے شادی کی ان سے کئی ایک اولاد پیدا ہوئی جنمیں سے ایک قیدار ہیں۔ انکی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں۔ یہی عدنانی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ عدنان قیدار بن اسمٰعیل کی چالیسویں پشت میں تھے۔ اور انکا زمانہ بروایت ابن خلدون چھٹی صدی قبل از مسیح میں تھا۔

حضرت اسمٰعیل کی وفات کے بعد کعبہ کی تولیت اونکے بڑے لڑکے نابت کو ملی جب ان کا انتقال ہوا تو یہ منصب اُنکے نانا حیلی نے لے لیا اور اس طرح کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ لیکن جب قبیلہ خزاعہ وہاں پہونچا تو اوس نے کعبہ پر قبضہ کرلیا اور مدت تک اسی قبیلہ میں یہ منصب رہا۔ پھر قصّی بن کلاب قریشی نے اپنا یہ خاندانی حق قبیلہ خزاعہ سے حاصل کرلیا۔

عدنان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نزار تھا اسی وجہ سے عدنانی قبائل کو معدی اور نزاری بھی کہتے ہیں۔ نزار سے چار مشہور قبیلے ہیں۔ ایاد۔ انمار۔ ربیعہ۔ مضر۔ ان سب میں بڑا اور شریف تر مضر ہے اوسکے بعد ربیعہ ہے۔ ربیعہ کی شاخ در شاخ عبدالقیس اور وائل ہیں۔ وائل کی پھر دو شاخیں ہیں بکر و تغلب۔ بکر کی پھر تین شاخیں ہیں۔ عجل۔ حنیفہ شیبان آخر الذکر کی شاخ سدوس ہے

مضر | مضر کی اولاد دو شاخیں ہیں۔ بنو قیس عیلان اور بنو یاس جنہیں بنو خندف بھی کہتے ہیں۔ بنو قیس کی شاخیں عدوان۔ غطفان۔ سلیم۔ ہوازن وغیرہ ہیں۔ غطفان کی

(ماخوذ از سیرت)

پھر دو شاخیں ہیں ذبیان اور عبس۔ بنو الیاس کے مشہور قبائل ہذیل۔ کنانہ۔ اسد۔ ضبہ مزینہ تیم وغیرہ ہیں کنانہ کی اولاد سے قریش ہیں قریش کا لقب بعض کے نزدیک نضر بن کنانہ کو ملا اور بعض کے نزدیک سب سے پہلے فہر کو ملا۔ حافظ عراقی کا شعر ہے ؎

اما قریش فالاصح فہر جماعہا والاکثرون النضر

قریش کی اولاد میں کئی قبائل ہوئے۔ اون میں مشہور یہ ہوئے۔ بنی جمح۔ بنی سہم۔ بنی مخزوم بنی تیم۔ بنی عدی۔ بنی زہرہ۔ بنی عبدالدار۔ اور بنی عبد مناف (دیکھو نقشہ عرب مستعربہ ۲۱)

عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد شمس۔ نوفل۔ مطلب اور ہاشم۔ عبد شمس کے بیٹے امیہ تھے اونکی اولاد بنی امیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ہاشم کے بیٹے۔ عبدالمطلب اون کے متعدد صاحب زادے۔ انھیں سے عبداللہ کے بیٹے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ والسلام عبدالمطلب کے دوسرے بیٹے حضرت عباس تھے جنکی اولاد میں خلفاے عباسیہ ہوئے تیسرے بیٹے ابوطالب تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پدر بزرگوار تھے۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بنو قحطان کی ایک شاخ خزاعہ نے مکہ معظمہ سے عدنانی قبائل کو نکالدیا تھا۔ یہ قبائل عدنانی مختلف اطراف میں چلے گئے۔ بنی بکر بحرین پہونچے۔ بنی حنیفہ یمامہ جا بسے۔ بنی تغلب فرات کے کنارے نازل ہوئے۔ بنی تمیم دجلہ اور فرات کے دہانہ پر آباد ہوئے۔ بنی سلیم نے مدینہ کے قرب وجوار میں بنو ثقیف نے طائف میں سکونت اختیار کی۔ بنی اسد کوفہ کے مغرب میں بود وباش کرنے لگے۔ مکہ معظمہ اور اوسکے ارد گرد قبائل عدنانی میں سے صرف قبائل قریش رہ گئے انکا شیرازہ بھی بڑی حد تک پراگندہ تھا۔ قصی بن کلاب نے سب کو مجتمع و متحد کر دیا۔ ان کے زمانہ تک بنی خزاعہ مکہ کے متولی تھے قصی کی شادی حلیل خزاعی کی دختر سے ہوئی۔ حلیل کے مرنے پر اوسکی وصیت کے مطابق قصی مکہ کے متولی ہو گئے اور اس طرح مکہ کی ریاست بنی خزاعہ سے نکل کر قریش کے ہاتھ میں آئی۔ قصی نے ایک انجمن مشاورت کی بنیاد ڈالی جسکا نام دارالندوہ رکھا۔ قوم کے تمام سیاسی و اجتماعی

قضایا یہیں طے پاتے اور یہیں نکاح اور دیگر تقریبوں کے مراسم ادا ہوتے۔ قصی نے سقایہ اور رفادۃ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا قائم کیا۔ چرمی حوض بنوائے جسمیں حاجیوں کے لئے ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا۔ مشعر حرام بھی اسی کی ایجاد ہے۔ غرضکہ قصی نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے جنکی بنا پر اسکی سیادت دینی سب عرب پر قائم ہو گئی تھی۔

قصی کے بعد اونکے بیٹے عبد مناف کو قریش کی امارت ملی۔ اور عبد الدار کے جو اونکے بڑے بیٹے تھے حرم محترم کے تمام مناصب سپرد ہوئے عبد مناف کے چھ بیٹے تھے انمیں سے ہاشم نہایت با اثر اور صاحب اقتدار تھے۔ انکے اشارہ سے اولاد عبد مناف اور خاندان عبد الدار میں خدمات حرم محترم کی بابت سخت اختلاف ہوا قریب تھا کہ باہم جنگ ہو جائے لیکن مناصب متنازعہ کو باہم تقسیم کر کے صلح کر لی۔ تولیت کعبہ۔ لوا اور دار الندوہ بنی عبد الدار کے حصے میں آئے اور سقایہ و رفادہ ہاشم کو ملے۔ آپ نے اپنے فرائض نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دیئے۔ قیصر روم سے یہ رعایت حاصل کی کہ قریش کے قافلہ سے ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا۔

ایک دفعہ مکہ معظمہ قحط عظیم کا نشانہ بنا۔ اس قحط میں ہاشم نے روٹیاں چور چور کر غریبوں کو کھلائیں اسی وقت سے اونکا نام ہاشم ہو گیا جسکے معنی چورہ کرنے والے کے ہیں

ہاشم کے بعد اونکے بیٹے عبد مناف اونکے جانشین ہوے۔ انکی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے ریت کے تودہ میں چھپ گیا تھا۔ انھوں نے اوسکا پتہ لگایا اور کھدوا کر از سر نو اوسکی مرمت کرائی۔

زبان

نطق وگویائی انسان کو حیوان کے دیگر انواع سے ممتاز کرتی ہے پس عالم میں جب سے انسان کا وجود قائم ہے اوسی وقت سے گویائی اوسکے ساتھ ہے۔ یعنی انسان کی انسانیت ہی اوسوقت شروع ہوئی جب وہ اپنی جنس حیوانی سے بربنا وجود فصل ممتاز ہوگیا۔ گویائی کا آلہ لغت یعنی زبان ہے۔ پس وجود زبان کی تاریخ ہستی انسان کی تاریخ ہے جب سب سے پہلا انسان دنیا میں پیدا ہوا تو وہ قوت نطق بھی ساتھ لایا۔ ممکن ہے کہ جب تک وہ تنہا ہو اور کوئی دوسرا آدمی ساتھ نہ ہو اوسے تکلم کرنے کی ضرورت نہ پڑی ہو۔ لیکن جب ایک سے دو ہوے تو لامحالہ زبان کی ابتدا ہوگئی ہوگی۔ ایک سے دو ہو جانے کی صورت میں اونکے لئے زبان کا وجود ایسا ہی لازمی ہے جس طرح اور ضروریات زندگی۔ پس ابتداے آفرینش میں جب پہلے ایک جگہ رہتے ہونگے تو اونکی زبان بھی ایک ہی ہوگی۔ رفتہ رفتہ جوں جوں اونکی اولاد مختلف اطراف میں پھیلتی گئی۔ زبان میں اختلاف پیدا ہوتا گیا تا اینکہ بے شمار زبانیں بن گئیں۔

اگر عالم کی ابتداے آفرینش ہی قرار نہ دیجاوے اور اوسے قدیم ہی سمجھا جاے۔ جس میں انسان ہمیشہ سے پیدا ہوتے چلے آے ہیں تو زبان کا وجود بھی قدیمی ہے لیکن قدامت عالم کی رکاکت اظہر من الشمس ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام ابو الانسان تھے (اور ہمارا ایمان ہے کہ واقعی تھے) تو اونکی زبان ام الالسنہ تھی۔ رہا یہ سوال کہ ابتداءً کونسی زبان تھی یا بالفاظ دیگر حضرت آدم علیہ السلام کونسی زبان بولتے تھے اور اوسکی کیا حالت تھی ایسی باتوں کا یقینی اور صحیح جواب دینا اب تخلیق عالم کے ہزاروں برس بعد محال قطعی ہے۔ ہر زبان قدیم کا حامی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اوسکی زبان عزیز سب زبانوں کی ماں ہے۔ اہل وید کہتے ہیں کہ یہ شرف صرف سنسکرت ہی کو حاصل ہے۔ ژند استا والے کہتے ہونگے کہ نہیں۔ اونکی زبان پہلی زبان ہے۔ حامیاں عبرانی وسریانی

کہہ سکتے ہیں کہ اسبارہ میں صرف اُنہیں کا دعوی صحیح اور واقعات حقیقی پر مبنی ہے۔ مگر بہرہ اندوزان ہدایت قرآنی کہتے ہیں کہ لایعلم الغیب الا اللہ۔

زبان پیدا ہونیکے نظریات

علم اللسان کی یہ اہم بحث ہے کہ زبان کیونکر پیدا ہوئی۔ مذہبی طبقہ تو ایک ہی جواب دیتا ہے۔ اور وہ یہ کہ زبان کی پیدائش منجانب اللہ ہے۔ یعنی زبان الہام کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہے اور خدا کی سکھائی ہوئی ہے۔ افلاطون کی یہی راے تھی۔ اور یہی ابن فارس اور علماے اشعریہ کا مذہب ہے۔ دوسرا خیال ہے کہ زبان الہامی نہیں ہے۔ بلکہ وضعیہ یعنی خود انسان کی بنائی ہوئی اور وضع کردہ ہے یہ ابو علی الفارسی ابن جنی اور معتزلیں کا مذہب ہے۔

حامیان نظریہ ارتقا کہتے ہیں کہ مسئلہ زبان کی تحقیق کے لئے ہمیں موجودہ اُمم وحشیہ یا جانوروں کی حالت پر غور کرنا چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جانور حرکتوں اور اشاروں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے مطلب کو خوب سمجھ لیتا ہے ایک مرغے کے سامنے جب دوسرا مرغا پر پھڑ پھڑ کر آتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ وہ لڑنا چاہتا ہے۔ ایک کتّا دوسرے کتے کی شکل دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہے کہ اوسکا کیا منشا ہے۔ پھر دیکھو کہ تعلیم و تربیت سے حیوان انسان کے کیسے کیسے اشارے سمجھنے لگتا ہے۔ دور نہ جاؤ۔ قریب کی مثال لو۔ بچوں کو دیکھو کہ کس طرح اولاً اشاروں سے پھر ادھورے لفظوں سے اپنا مطلب ظاہر کرتے ہیں۔ غرضکہ ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان ابتدا میں جب لفظ بولنا نہیں جانتا تھا تو جانوروں کی طرح اشاروں کے ذریعہ سے اپنا مطلب نکالتا تھا۔ لفظ نہ ملنے کی صورت میں اعضا بدنی کی حرکت سے اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا انسان کی وراثت میں ہے۔ نقل مشہور ہے کہ کسی وحشی آدمی کو گیارہ کا مفہوم ظاہر کرنا تھا۔ اوسنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھولدیں۔ دیکھا کہ ابھی کمی ہے تو فوراً منہ میں سے زبان نکالدی۔ تمنے اکثر دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات دوران گفتگو میں متکلم کوئی خاص لفظ کہنا چاہتا ہے مگر وہ لفظ یا تو یاد نہیں آتا یا زبان سے ادا نہیں ہوتا

اوسکے چہرہ پر ایسے آثار طاری ہو جاتے ہیں جس سے تم فوراً سمجھ لیتے ہو کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ جذبات مانند غصہ۔ خوشی۔ رنج اور تعجب وغیرہ بغیر الفاظ۔ محض چہرے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اسٹریلیا اور وسط امریکہ میں ایسے وحشی قبائل ہنوز پائے جاتے ہیں جنکے الفاظ مفہوم و معانی میں اشاروں اور حرکتوں کے محتاج ہیں۔ گویا کہ وہ الفاظ بجائے کان کے آنکھوں کے ذریعہ سے سمجھے جاتے ہیں یہ لوگ رات کے وقت تاریکی میں ایک دوسرے کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔

غرضکہ قائلین ارتقا کے نزدیک انسان ابتداً اشاروں سے اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتا تھا جب اوسنے اور ترقی کی تو اصوات سے جب اور ترقی کی تو الفاظ سے ادا کرنے لگا تاآنکہ انہیں الفاظ سے باقاعدہ زبان بن گئی۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اب ترقی کا سلسلہ بند ہوگیا زبانوں میں بھی ارتقا کی کاٹ چھانٹ برابر جاری ہے

پیدائش زبان کے لئے زمانہ حال کے ماہرین علم اللسان نے تین تھیوریاں قائم کی ہیں۔ (۱) باؤواؤ تھیوری (نظریہ عف عف) (۲) پوپو تھیوری (نظریہ اح اح) (۳) ڈنگ ڈانگ تھیوری

باؤواؤ کتے کی آواز کو کہتے ہیں۔ خیال کیا گیا ہے کہ جس طرح کتے یا دوسرے جانور ایک خاص صورت سے آواز نکالتے ہیں اسی طرح ابتداً انسان بھی آواز نکالتا تھا۔ چونکہ بہ نسبت اور جانوروں کے انسان کے آواز پیدا کرنے والے اعضا میں مختلف آواز نکالنے کی زیادہ صلاحیت تھی۔ اسلئے مختلف چیزوں کی مختلف اثرات ظاہر کرنے کے لئے انسان نے قسم قسم کی آوازیں نکالیں ان قسم قسم کی آوازوں نے مختلف مفہوموں کا کام دیکر مختلف الفاظ پیدا کر دیئے اسی تھیوری سے ملتی جلتی ایک اور تھیوری ہے جسے انومیٹو پوئٹک (نظریہ صوتیہ) کہتے ہیں۔ یعنی انسان نے بعض طبعی آوازوں کو نقل کرکے الفاظ تجویز کرلئے۔ مثلاً اردو میں کوّے کی آواز کو کائیں کائیں سے۔ فاختہ کی آواز کو کوکو سے کبوتر کی آواز کو غٹر غوں سے حکایت کرتے ہیں

(ان سائیکلو پیڈیا)

خرّانٹا۔ چیخ چیخم چیخم۔ دہم دہم۔ وغیرہ اردو کے الفاظ اسی ذیل سے ہیں۔ عربی میں جعجعۃ الرحے۔ ازّ القدر۔ صہیل الفرس۔ نعیق الغراب۔ بغام الظبیۃ۔ خشخشۃ السلاح۔ صلصلۃ الحدید وغیرہ الفاظ اسی قبیل سے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی قسم کی آواز کو ایک شخص ایک طرح سے نقل وحکایت کرتا ہے دوسرا دوسری طرح سے۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک ہی زبان میں ایک ہی مدلول کے لئے دو مختلف مگر متقارب التلفظ کلمات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ خرانٹوں کو عربی میں غطیط بھی کہتے ہیں اور خطیط بھی۔ قہقہہ۔ قرقرہ و کرکرہ ایک ہی ہم معنی لفظ ہیں

پو پو تھیوری سے یہ مراد ہے کہ انسان میں مختلف جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان مختلف جذبات کا اظہار طبعی طور پر مختلف آوازوں سے ہوتا ہے۔ اس تھیوری کے مطابق سب سے پہلے جذبات ظاہر کرنے والے الفاظ پیدا ہوئے اور پھر رفتہ رفتہ اونمیں اضافہ ہو کر زبان بن گئی غالبًا عربی زبان کے حروف علت کے مجموعہ یعنی لفظ وائے کو یہاں مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

تیسری تھیوری ڈنگ ڈانگ کا اصول یہ ہے کہ اگر ایک ہی چیز سے تم لوہے پیتل تانبے پتھر کاغذ وغیرہ پر علٰحدہ علٰحدہ چوٹ مارو گے تو ہر صورت میں ایک دوسرے سے مختلف آواز پیدا ہوگی بالفاظ دیگر یوں سمجھو کہ اگر ایک ہی چیز مختلف اشیاء کے تصادم میں آئے تو اوس سے گوناگوں آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس یہی حال دماغ انسانی کا ہے کہ اس پر مختلف بیرونی تاثرات کی مختلف کمیت وکیفیت کے ساتھ چوٹ پڑنے سے مختلف آوازیں یا گونجیں پیدا ہوئیں۔ جو رفتہ رفتہ الفاظ بنکر زبان کی شکل میں ہو گئیں۔

ان نظریات پر نظر ثانی

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان پچھلی تین تھیوریوں کا مفہوم اور لب لباب قریب قریب ایک ہی ہے یعنی زبان کی پیدائش اسباب طبعی کے ماتحت ہے۔ اوسمیں نہ الہام کو دخل ہے اور نہ انسان کی واضعیت کو ان نظریات میں حکایت صوتیہ

کا نظریہ بہت مقبول ہے ہم جہانتک خیال کرتے ہیں نشوزباں کی ذمہ داری صرف مذکورہ بالا اسباب فطری ہی پر تنہا عاید نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک زبان پر الہام ربانی اور واضعیت انسانی کا اوسی قدر احسان ہے جسقدر حکایت صوت کی استعداد کا۔

سید کرامت حسین مرحوم صاحب فقہ اللسان نظریہ صوتیہ کے بڑے حامی تھے۔ انہوں نے اس نظریہ کے تحت میں بیس ہزار سے زیادہ الفاظ عربی کی تحقیق کی ہے۔ اس نظریہ کی اسقدر اہم اور وسیع بنانے میں ہم اونکی چنداں تائید نہیں کرتے اسلئے کہ اکثر و بیشتر الفاظ کی تحقیق میں دور از کار تکلف یا بالفاظ دیگر شاعرانہ خیال سے کام لیا گیا ہے۔ کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ بہت سی باتیں خدا کی طرف سے انسان کے دل میں القا ہوتی ہیں۔ کیا زبان کے الفاظ اس ذیل میں نہیں آسکتے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی اجنبی اور نئی چیز کا خاص نام رکھدیتا ہے اور پھر وہ نام یا لفظ کس طرح مروج ہو جاتا ہے۔

اس عالم کون و فساد کو ذرا غور سے دیکھو۔ تم کو ہرگز کوئی ایسی چیز نظر نہ آئیگی جو موجودہ حالت کو یکدم پہونچ گئی ہو۔ درخت تناور ابتداءً ذرا سا پودہ ہوتا ہے۔ خود انسان مادر شکم سے کتنا چھوٹا پیدا ہوتا ہے اور اوس وقت اوسکی کیا حالت ہوتی ہے۔ کیا دنیا کی موجودہ علمی اجتماعی اور اقتصادی حالت ہمیشہ سے ایسی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ قانون قدرت۔ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ اسی طرح سمجھ لو کہ زبان یکدم مرتب نہیں ہوگئی ہے۔ اسکی نشو و نما کا تعلق ایک فرد انسانی کی زندگی منفردہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اسکی تاریخ نوع انسان کی نوعی زندگی سے وابستہ ہے۔ اولاً انسان جب وہ تمدن کی نہایت ابتدائی مرحلے طے کر رہا تھا اور وحشی جانوروں کی صحبت میں وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اشارے سے آپسمیں بات کرتا ہوگا۔ کچھ اپنی بولیاں بولتا ہوگا کچھ جانوروں کی آوازیں نقل کرتا ہوگا۔ رفتہ رفتہ خداداد استعداد کی بنا پر مختلف اصوات نکالنے کا ملکہ اوس میں پیدا ہوگیا ہوگا۔ پھر قسم قسم کی آوازیں نکالتے نکالتے اوسکی اصوات میں حروف کی تمیز قائم ہوگئی ہوگی۔ پھر کچھ

تو القاے ربانی سے اور کچھ ذاتی قابلیت سے۔ اوسکے منہ سے خود بخود الفاظ نکلنے لگے ہونگے
کچھ الفاظ خارجی آوازوں کی نقل کرنے میں پیدا ہوگئے ہونگے۔ اس طرح اوسکی زبان کا ذخیرہ
وسیع ہوتا گیا ہوگا۔ شروع شروع میں الفاظ اونہیں چیزوں کے متعلق بنے ہونگے۔ جس سے انسان
کو اوس ابتدائی وقت میں بھی سروکار تھا۔ پھر جوں جوں تمدن بڑہتا گیا اور اجتماعی حالت درست
ہوتی گئی۔ زبان ترقی کرتی گئی۔

السنہ سامیہ

جس طرح قوم عرب امم سامیہ میں داخل ہے۔ اسی طرح زبان عربی لغات سامیہ میں
شمار ہوتی ہے۔ امم سامیہ کی حقیقت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ وہی تقسیم زبانوں کی بھی ہے۔ چونکہ
یہاں نقطۂ خیال دوسرا ہے اسلئے اوسی تقسیم کو پھر بیان کرتے ہیں۔ ماہرین علم الالسنہ نے تمام
زبانوں کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔

(۱) لغات آریہ (یا ہند و یورپی شاخ) مثلاً سنسکرت۔ فارسی۔ افغانی۔ لاطینی۔ فرنچ
جرمنی۔ انگریزی وغیرہ

(۲) لغات تورانیہ (یا منغولیہ) مثلاً چینی۔ ترکی۔ وغیرہ

(۳) لغات سامیہ مثلاً آرامی۔ عبرانی۔ سریانی۔ عربی وغیرہ

چونکہ عربی زبان کو لغات سامیہ سے تعلق ہے۔ اسلئے اس شاخ کا ہم بیان ذرا بسط
سے کرینگے۔

سامی زبانوں سے اون قوموں کی زبانیں مراد ہیں جو ایشیا کے جنوبی غربی حصہ میں
آرمینیہ سے لیکر بحر عرب تک اور خلیج فارس سے لیکر بحر احمر تک آباد ہیں۔ یہ سب زبانیں حضرت
نوح کے بیٹے سام کی طرف منسوب ہیں۔ جسطرح کہ السنہ آریہ اون کے دوسرے بیٹے یافث
کی طرف۔ چونکہ سامی قومیں مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھیں اسلئے اونکے لب و لہجے باہم مختلف ہوگئے
اور قبیلہ و مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے سامی زبان کی کئی قسمیں ہوگئیں۔ اور اونکے مختلف نام

رکھے گئے مثلاً عرب میں جو لوگ ہیں اونکی زبان عربی- اور سوریا یعنی شام والوں کی زبان سریانی کہلائی بنی عابر کی زبان عبرانی- اور ارم کی اولاد کی زبان آرامی کے نام سے مشہور ہوئی-

جغرافی نقطۂ خیال سے السنۂ سامیہ کو اولاً دو قسموں میں منقسم کیا جاتا ہے شرقی اور غربی

شرقی میں دو زبانیں ہیں- بابلی اور اشوری

سامی غربی کی دو شاخیں ہیں شمالی اور جنوبی- شمالی کی پھر دو شاخیں ہیں- (۱) کنعانی- اس میں عبرانی و فینقی وغیرہ ہیں- (۲) آرامی- اسکی پھر دو قسمیں ہیں- آرامی غربی- یہ فلسطین کے متاخرین یہودیوں کی زبان ہے- دوسرے آرامی شرقی یہ بابل کے یہودیوں کی زبان ہے اسی میں سریانی بھی داخل ہے-

رہی سامی غربی کی جنوبی شاخ- اوسکے دو نوع ہیں- ایک عربی عدنانی یعنی عرب مستعربہ کی زبان- اور دوسرے عرب متعربہ کی زبان- اس شاخ میں سبائی- حمیری اور حبشی زبانیں داخل ہیں

ان سامی زبانوں کا باہمی رشتۂ تعلق مندرجۂ ذیل شجرہ سے واضح ہوگا-

شجرہ شاخہائے لغات سامیہ باعتبار جغرافیہ

زبان
- آریائی
  - ہندی: سنسکرت فارسی پشتو وغیرہ
  - فرنگی: لاطینی فرنچ جرمن انگریزی وغیرہ
- سامی
  - شرقی (بابلی- اشوری)
  - غربی
    - شمالی
      - کنعانی (عبرانی فینقی وغیرہ)
      - آرامی
        - غربی یعنی فلسطین کے متاخرین یہودیوں کی زبان
        - شرقی (سریانی وغیرہ)
    - جنوبی
      - عربی عدنانی
      - عربی قحطانی
        - سبائی
        - حمیری
        - حبشی
- تورانی یا منغولی (ترکی و چینی وغیرہ)
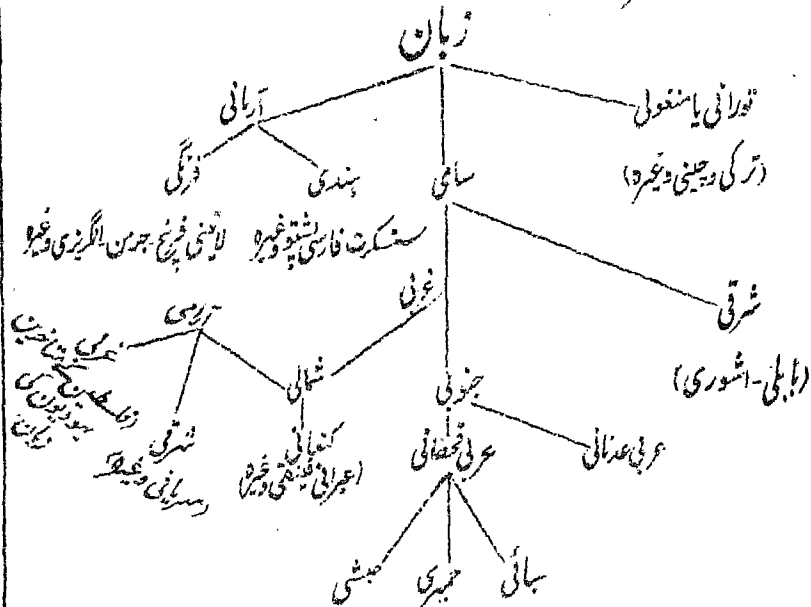
چونکہ السنہ سامیہ میں تین زبانیں آرامی - عبرانی اور عربی زیادہ اہم ہیں اسلئے اس خاندان کی اصولاً یہی تین شاخیں قرار دی جاتی ہیں -

ان تین سامی زبانوں کی جڑ

یہ بتانا کہ سامی زبانوں کی جڑ یا انکی ماں کیا ہے موجودہ معلومات کی بنا پر محال قطعی ہے - ممکن ہے کہ آیندہ اکتشافات اثریہ سے کچھ پتہ چل جائے اس وقت تو یہی سوال زیر بحث ہے کہ السنہ سامیہ میں سے - آرامی - عبرانی اور عربی کی اصل کیا ہے اسکے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ عربی انکی ماں ہے لیکن دوسری رائے جو محققین السنہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ عربی انکی ماں تو نہیں ہے مگر انکی سب سے بڑی بہن ضرور ہے - یعنی عربی ان زبانوں کی اصل سے قریب تر ہے - زبان بابلی قدیمہ کو انکی ماں قرار دیتے ہیں - دولت حمورابی کے متعلقہ اکتشافات اثریہ کے بدولت زبان بابلی قدیمہ کا کچھ ذخیرہ جمع ہو گیا ہے - اسکو جو دیگر زبانوں سے مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اسمیں اور عربی میں بہت مشابہت ہے بہت سے ایسے الفاظ ملے جو عربی میں جوں کے توں موجود ہیں - حالانکہ وہ عبرانی و سریانی زبانوں میں جاکر بگڑ بگڑا گئے ہیں مثلاً لفظ اَنفَ - عربی اور بابلی میں یکساں لیکن سریانی و عبرانی میں اَف رہگیا اور اسی طرح لفظ عنَب دونوں میں یکساں ہے اور سریانی و عبرانی میں عِنَب ہے قواعد کے لحاظ سے بھی عربی اور زبان بابلی میں بہت مشابہت ہے حرکات اعرابی دونوں زبانوں میں ایک ہیں - حالانکہ دوسری سامی زبانوں میں انکا وجود نہیں پایا جاتا ان اکتشافات اثریہ سے پہلے محققین السنہ کی یہ رائے تھی کہ عربی میں حرکات اعرابیہ کا وجود نسبتاً زمانۂ قریب سے ہے - اعراب کے علاوہ زبان بابلی میں تنوین بھی پائی گئی ہے اتنا فرق ضرور ہے کہ بابلی میں تنوین میم ہے اور عربی میں نون اور یہ کچھ فرق نہیں کیونکہ یہ دونوں حرف آپس میں بدلتے رہتے ہیں - علامت جمع واؤ اور نون دونوں میں ایک ہیں - سریانی میں انکے بجائے یا اور نون اور عبرانی میں یا اور میم ہے - علاوہ بریں افعال کے صیغے بمقابلہ دیگر سامی زبانوں کے عربی صیغوں سے قریب تر ہیں -

قدامت عربی زبان

سطور بالا کے پڑھنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ عربی کا شمار سامی زبانون میں ہے اور نیز یہ کہ عربی۔ موجودہ سامی زبانوں یعنی عبرانی۔ سریانی اور آرامی کی اگر ماں نہیں ہے تو اونکی بڑی بہن ضرور ہے۔ یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ عربی۔ بابلی زبان سے جو حمورابی کی زبان تھی بہت مشابہ ہے۔

حمورابی کی زبان بابلی عربی قدیمہ ہے

حمورابی کا مجملاً ذکر ہم پہلے عاد یعنی عرب سامیہ کے سلسلہ میں کر آئے ہیں۔ سامی عربوں نے حضرت مسیح سے دو ڈہائی ہزار برس پہلے بابل سے عیلامیوں کو نکالکر ایک بڑی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جسکا بادشاہ حمورابی تھا۔ چونکہ یہ لوگ عرب تھے انکی زبان بھی یقینی طور پر عربی تھی۔ محققین فرنگ دولت حمورابی کے کتبات کی زبان کو اوگا بابلی کہتے ہیں۔ اور پھر عربی کو اوس سے قریب تر قرار دیتے ہیں درحقیقت یہ اونکی غلطی ہے ورنہ وہ عربی قدیم ہے۔

زبان عربی کا اطلاق معین نہونے کی وجہ سے یہاں ذرا خلط مبحث ہو رہا ہے۔ عام طور پر عربی کا اطلاق اوس زبان پر ہوتا ہے جو سنہ ۵ء سے عرب میں بولی جارہی ہے۔ مگر اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہوگا کہ عربی کی عمر چھٹی صدی عیسوی سے قرار دیجاتی ہے اس سے پہلے عرب کونسی زبان بولتے تھے کیا وہ غیر عربی۔ بابلی یا عبرانی بولتے تھے؟ اہل عرب ہمیشہ ہمیشہ سے عربی ہی بولتے چلے آئے ہیں۔ جب ابتدا ؑ وہاں سامی قومیں (یعنی عاد۔ عمالیق۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس وغیرہ) رہا کرتی تھیں تب بھی اس ملک کی زبان عربی ہی تھی۔ جب عرب بائدہ کے بعد عرب متعربہ اس ملک میں آباد ہوسکے تو بھی انکی زبان عربی رہی اور جب حضرت اسمٰعیل حجاز میں تشریف لائے اوسوقت بھی وہاں عربی ہی مروج تھی۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل کو یہاں پہونچنے کے بعد عربی سیکھنی پڑی یہی عربی زبان اوسوقت بھی۔ جب اونکی اولاد میں عدنان پیدا ہوئے اور اون سے عدنانی سلسلہ شروع ہوا بولی جارہی تھی۔ غرضکہ عرب بائدہ عرب متعربہ اور عرب مستعربہ

کی زبان شروع ہی سے عربی رہی ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ان تینوں دور کی عربی ایک سی نہیں تھی اور یہ ہو بھی کیونکر سکتا ہے۔ زبان چار پانچ ہزار برس کے عرصہ میں ایک نہج پر ہرگز نہیں رہ سکتی اگر کسی زبان کی ابتدائی۔ درمیانی اور آخری شکل وصورت میں نمایاں فرق پیدا ہو جائے تو کیا تم انکو تین مختلف زبانیں کہوگے۔ قریب کی مثال لو۔ اردو کی تاریخ پر غور کرو اگرچہ عربی کے مقابل میں یہ کل کی بچی ہے۔ مگر تاہم اسکی تینوں دوروں کا آپس میں مقابلہ کرو۔ ابتدائی اور موجودہ اردو میں کس قدر فرق پاؤگے۔ سوں بجائے سیں اور ستی بجائے سے۔ کوں بجائے کو۔ ہمن کوں بجائے ہمکو۔ مجھ دل بجائے میرا دل۔ یوہ بجائے یہ۔ گوڑا بجائے گھوڑا تم اب اردو میں یقیناً استعمال نہ کروگے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اوّلاً جس اردو میں یہ الفاظ استعمال ہوتے تھے وہ اردو ہی نہ تھی۔ دوسری مثال لو۔ زبان فارسی کے تین دور نمایاں ہیں۔ فارسی قدیم جسکو دارا کے آبا و اجداد بولتے تھے۔ دوسری فارسی متوسط جسے پہلوی بھی کہتے ہیں اور جو دولت ساسانیہ کے عہد میں بولی جاتی تھی۔ تیسرے فارسی اسلامی۔ جسکا رواج اسلام کے بعد سے شروع ہوا۔ ان تینوں دور کی زبانیں باہم بہت مختلف ہیں۔ مگر تاہم انکے فارسی ہونے میں کسیکو کچھ شک نہیں

دفع اعتراض یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس لحاظ سے تو ہر ملک کی زبان موجودہ زبان قدیمی ہے۔ ہم اسکے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ بیشک زبان قدیمی ہے بشرطیکہ وہ ملک بیرونی حملوں سے محفوظ رہا ہو اور غیر قوموں نے اوسپر حکومت نہ کی ہو۔ کیونکہ اجنبیوں کے تسلط سے رفتہ رفتہ ایک زبان کی دوسری زبان جانشین ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کو دیکھو جب تک آریائی قوموں کی حکومت تھی یہاں زبان سنسکرت تھی۔ جب اجنبی قومیں آئیں تو اپنے ساتھ غیر زبانوں کا لاؤ لشکر ساتھ لائیں۔ جس طرح یہاں کی قوم مغلوب ہوئی اسی طرح یہاں کی زبان بھی مفتوح ہوئی۔ مصر کو دیکھو جس جس قوم کی وہاں حکومت ہوئی اوسکی زبان نے وہاں رواج پایا۔ عرب کو ہمیشہ سے یہ شرف حاصل رہا ہے کہ وہاں کبھی غیر قوموں کی حکومت نہیں ہوئی۔ اقوام بائدہ کون تھیں؟ عرب ہی تو۔ اور اسی طرح قحطانی عرب

خالص تھے پس چونکہ عرب ہمیشہ غیروں کی حکومت اور اجنبیوں کے تسلط سے محفوظ رہا ہے اسلئے اوسکی زبان بھی شروع ہی سے خالص عربی زبان رہی ہے۔ عرب کی قوموں نے غیروں کے محکوم ہونے کے بجائے غیروں پر حکومت ضرور کی ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سامی عربوں نے بیرون عرب بابل و مصر میں کیسی کیسی حکومتیں کیں۔ یہ جہاں گئے اپنے ساتھ اپنی زبان لے گئے۔ پس جب بابل میں حکومت کی تو وہاں بھی اونکی زبان عربی تھی۔ لہذا جس زبان کو بابلی کہا جاتا ہے وہ عربی قدیمہ سے غیر نہیں ہے۔ اگر موجودہ عربی اور بابلی زبان میں کچھ فرق ہے تو فرق مرور قرنہا قرن کے لحاظ سے لازمی ہے۔

السنہ سامیہ کی عمریں عام طور پر یہ بتائی جاتی ہیں۔

بابلی سنہ ۳۰۰۰ ق م سے سنہ ۵۰۰ ق م تک

عبرانی سنہ ۱۵۰۰ ق م سے

آرامی سنہ ۸۰۰ ق م سے (باعتبار کتباب)

جنوبی عربی سنہ ۸۰۰ ق م سے (باعتبار کتبات)

فینقی سنہ ۷۰۰ ق م سے (باعتبار کتبات)

حبشی سنہ ۳۵۰ ع (باعتبار کتبات)

عربی سنہ ۵۰۰ ع

ان تاریخوں سے معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ معمر زبان بابلی ہے جسکی بابت ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ وہ عربی قدیمہ یا اوسکی ایک شاخ ہے رہی دوسری زبانیں۔ انکی بابت یہ سمجھو کہ درحقیقت یہ بھی عربی کی شاخیں ہیں جو عربی سے پیدا ہو کر اسی طرح مختلف ہوئیں جس طرح سنسکرت سے پراکرت اور برج بھاشا۔

عربی کے لغات سامیہ کی ماں ہونے کی ایک اور قوی دلیل	امم سامیہ کے مسکن اولی کی بابت ماہرین علم اقوام و السنہ کے نزدیک چار نظریہ ہیں۔

اول یہ کہ انکا مسکن اولی افریقہ ہے دوم یہ کہ آرمینیہ و کردستان ہے سوم یہ کہ دریائے فرات کا حصہ زیریں تھا چہارم یہ کہ عرب تھا۔

انھیں سے صرف مؤخرالذکر نظریہ ہی صحیح ہے اور دلائل قویہ پر مبنی۔

فضلائے یورپ و امریکہ کی کثرت رائے اسی طرف ہے۔ جرمنی کا مشہور ترین مشرق شناس نولدیکی اسی رائے کا حامی و مؤید ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنی خالص رنگ میں باقی ہے اور اونکی زبان قریب تریں اصل زبان ہے پس جبکہ عرب ہی کو امم سابقہ کے مسکن اولی اور وطن نخستیں ہونے کا حق حاصل ہے تو عرب کی ہی زبان یعنی عربی ان قوموں کی اصل زبان ہوسکتی ہے جس سے باقی تمام سامی زبانیں متفرع ہوئیں۔ یعنی جب تک یہ لوگ عرب میں متوطن تھے عربی بولتے تھے پھر جہاں جہاں گئے اپنے ساتھ اپنی مادری زبان لے گئے جو وہاں کی مقامی اسباب کی وجہ سے رفتہ رفتہ بدلتی گئی یہاں تک کہ آگے چلکر وہ آرامی۔ عبرانی۔ سریانی وغیرہ ناموں سے مشہور ہوگئی

اس بحث کا دوسرا پہلو

یہ کہا جاسکتا ہے کہ بجائے اسکے کہ بابلی زبان کو عربی کی شاخ قرار دیں عربی اسکی شاخ کیوں نہ مان لیجائے۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ واقعات اس نظریہ کی تائید کریں۔

انگریزوں کی حکومت البتہ ہندوستان میں قائم ہوئی۔ مگر اہل ہند کا انگلینڈ پر کبھی قبضہ نہیں ہوا۔ اس بظاہر غیر متعلقہ مثال سے تم ہمارا مطلب سمجھ گئے ہونگے۔ بابل پر عرب سامیہ کی حکومت ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن اسکا برعکس کبھی ظہور پذیر نہیں ہوا۔ علاوہ بریں بابل پر ہندوستان کی طرح مختلف غیر قوموں نے حکومت کی۔ سامی عربوں سے پہلے وہاں اکادیوں اور سومریوں کی حکومت تھی۔ یہ قومیں تورانی النسل تھیں پھر عیلامیوں نے تسلط و غلبہ پایا۔ اسلئے بابل کی کوئی مخصوص زبان نہ تھی جس جس قوم کی حکومت ہوئی اوسکے دوران عہد میں اوسی کی زبان وہاں مروج ہوگئی۔ جب سامی عربوں نے عیلامیوں کو شکست دیکر ایک سلطنت

عظیمہ کی بنیاد ڈالی تو اونکی زبان وہاں کی سابقہ زبانوں پر غالب آئی۔ اتنا ہم ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عربی وہاں جانے کے بعد خالص نہ رہی سومری اکادی سابقہ زبانوں کے الفاظ بہت اسمیں داخل ہوگئے۔ دیکھو جب عرب کو ایرانیوں سے مخالطت و مقاربت ہوئی تو عربی میں بہت سے فارسی کے الفاظ داخل ہوگئے۔ رومیوں سے تعلق ہونے کی وجہ سے اونکے بھی چند الفاظ عربوں کے منہ سے نکلنے لگے۔ اندلس کی عربی ایسی خالص نہ تھی جیسے حجاز کی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو زبان فاتح۔ زبان مفتوح سے بے نیاز نہ رہ سکی کچاروڈ۔ پکا بلڈنگ وغیرہ کیا انگریزی نہیں بولتے۔ زبان جس قدر اپنے مرکز سے دور ہو جاتی ہے اوتنا ہی اسمیں فرق آجاتا ہے دکھنی اُردو کو دلی والوں کی زبان سے مقابلہ کرلو۔ اہل عرب جب ابتدائ سندھ میں آئے تو اونکی زبان عربی تھی۔ جب یہاں متوطن ہوگئے تو یہاں کی مقامی اور ارد گرد کی زبانوں کی آمیزش سے ایک نئی زبان بن گئی جو سندہی کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھو اب بھی اس زبان پر عربیت کسقدر غالب ہے۔ سماترا۔ جاوا اور دیگر جزائر ہند کے باشندے چونکہ عرب نژاد ہیں اور حضرموت سے وہاں منتقل ہوئے ہیں۔ دیکھ لو اونکی زبان موجودہ کا عربی سے کیا تعلق ہے ان دو زبانوں میں کسے اصل کہو گے اور کسے فرع۔ سندہی۔ سماترا وغیرہ زبانوں کی پیدائش کل کی بات ہے۔ یہ اسلامی عربی سے نکلے ہیں۔ انکے مقابلہ میں حبشی۔ حمیری۔ فینقی اور عبرانی زبانیں بہت پرانی ہیں جو قرنہا قرن پہلے عربی قدیمہ سے متفرع ہوئیں۔ اور پھر اسبات کو بھی پیش نظر رکھو کہ جملہ سامی امم کا مسکن اولی عرب ہی تھا۔

نتیجہ غرضکہ جو کچھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اوسکو بغور پڑھنے سے یہ نتیجہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اگر عربی دنیا کی تمام زبانوں کی ماخذ نہیں ہے تو کم ازکم سامی زبانوں کی ماں ضرور ہے۔ جو درجہ سنسکرت کو السنہ آریہ میں حاصل ہے اوس سے کہیں زیادہ اہم عربی کا ہے لغات سامیہ میں۔

اس سے محققین مغربی کے اختلاف کی وجہ یہاں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر محققین یورپ اور فضلاے مغرب باینہمہ شوق دریافت حقیقت اس نتیجہ تک کیوں نہیں پہونچے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بدقسمتی سے ان علمبرداران تحقیقات کو اسلام سے خاص تعصب ہے۔ حقیقت اون پر واضح ہو جاتی

ہے مگر تعصب انہیں گمراہ سے گمراہ تر کر دیتا ہے۔ یہ تعصب صرف مذہبی نہیں بلکہ اجتماعی و سیاسی علمی و تاریخی ہر قسم کا ہے۔

اکثر یورپ والے قوم عاد کو جسکا قران مجید میں کئی بار ذکر آیا ہے صرف ایک فرضی قصہ اور مذہبی روایت سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تحقیقات جدیدہ اور اکتشافات اثریہ نے اس قوم بائدہ کے کارناموں پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے مگر تاہم یہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ قومیں عاد نہ تھیں ام القری کی قدامت انہیں مشکل ہی سے باور ہوگی۔ حالانکہ کتاب زبور ۸۴-۶ میں وادی بکہ کا ذکر ہے۔ اس لفظ سے ہر بعید از عقل مفہوم لینے کے لئے تیار۔ لیکن مکہ ہرگز مراد نہیں لیں گے جسکے دوسرے نام بکہ سے یہ کسقدر مشابہ اور قریب ہے۔

ان مدعیان تحقیق حق کا تعصب مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ کس پیرایہ میں نیشتر زنی ہو رہی ہے۔ اسلام کی بدقسمتی انکے نزدیک اسی میں تھی کہ فرقہ معتزلہ کی ترقی اشعریہ عقاید نے مسدود کر دی۔ اس فرقہ کے ساتھ جو انہیں ہمدردی ہے وہ اسی وجہ سے تو ہے کہ فلسفہ و منطق کے رو میں یہ لوگ کہاں سے کہاں بہ گئے۔ انہیں سے کسی ایک کے اس قول کو بڑے شد و مد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ قران سے بہتر کتاب ہو سکتی ہے۔ عربی شاعروں میں سب سے بہتر انکے نزدیک ابوالعلا معری ہے جسنے اپنے ایک رسالہ کو قران شریف کے برابر قرار دیا تھا۔ عمر خیام کی یورپ میں اسی وجہ سے تو عزت و وقعت ہے کہ مذہب سے بالکل آزاد تھا۔ اوسکے خیالات بقول مولانا شبلی یورپ سے اسقدر ملتے جلتے ہیں کہ اگر آج موجود ہوتا شاید یورپین بنجاتا ہندوستان کا بہترین مسلمان بادشاہ اکبر سمجھا جاتا ہے۔ کیوں؟ اسی لئے تو کہ یہ لامذہب کر دین الہی کا موجد ہوا۔

ممکن ہے ہمارا یہ جواب ہماری تنگ نظری پر مبنی ہو۔ لیکن اسکا اور بھی جواب ہے۔

کتبات حمورابی کے بابلی زبان کو عربی یا عربی کی شاخ تسلیم کرنے میں غالباً محققین لسنہ کو یہ دشواری ہے کہ وہ بابلی اور عربی حال میں باوجود مشابہت عظیمہ کے فرق بھی کافی پاتے ہیں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ اول تو بابلی کی عربی خالص عربی نہ تھی۔ اسمیں سومری اور اکادی

زبانوں کے الفاظ داخل ہوگئے تھے۔ دوسرے۔ ہزاروں برس کی مدت مدیدہ میں عربی کا اسقدر بدلجانا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اگر عرب پر کبھی غیر قوموں کی حکومت ہوتی تو یہ فرق کہیں کا کہیں چلا جاتا۔ بلکہ ممکن تھا کہ عربی کی جگہ کوئی اور زبان قائم ہوجاتی۔ مگر یہ تو عرب کی شروع ہی سے خصوصیت رہی ہے اور اگر وہ اس خصوصیت پر فخر کرے تو بجا ہے کہ اسے کبھی غیر کی غلامی نہیں کرنی پڑی جن قوموں نے عرب پر حملہ کیا تاریخ قدیمہ کو اٹھا کر دیکھو کہ اونکا کیا حشر ہوا۔ دور نہ جاؤ قریب تر زمانہ کی مثال لو۔ حبشیوں نے اپنی سیاہ بختی سے عرب خاص کی طرف بڑہنا چاہا۔ دیکھ لو وہ کس طرح برباد ہوگئے سلسلہ کلام کہاں سے کہاں چلا گیا۔ ہم یہ کہہ رہے تھے کہ ہزاروں برس کی مدت میں عربی اگر بدلتے بدلتے موجودہ شکل و صورت کو پہونچ گئی تو تعجب کی بات نہیں۔ زبان اپنی خصوصیات ذاتیہ کے ساتھ عربیت کے لحاظ سے جوں کی توں موجود ہے جو کچھ تغیر و تبدل ہوا ہے وہ فصاحت وسلاست کے لحاظ سے۔ اسکی مثال بعینہ اردو کی سی سمجھو۔ شستگی و پاکیزگی کے لحاظ سے کسقدر اسمیں ترقی ہورہی ہے۔ عرب کے لوگ بادیہ نشیں۔ قدرتی مناظر کی سیر کرنے والے۔ آزاد منش اور لطیف مزاج تھے فصاحت انکا فطرتی حصہ تھا۔ زباں کے نقطۂ خیال سے جو استعداد اور قابلیت خزانۂ غیب سے انہیں ودیعت ہوئی تھی وہ کسی اور قوم کو نہیں ملی بھلا وہ کب گوارا کرسکتے تھے کہ اونکی زبان غیر فصیح محاورات اور ثقیل الفاظ سے پاک نہو۔ عربی میں سلسلہ تہذیب و ترقی برابر جاری رہا تا اینکہ چھٹی عیسوی صدی میں فصاحت و تانق کے لحاظ سے کمال کو پہونچ گئی۔ ساتویں صدی میں قران شریف اسی زبان میں نازل ہوا جسنے ہمیشہ کے لئے عربی فصاحت و بلاغت کا معیار قائم کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ پندرہ سو برس سے زیادہ ہوئے مگر فصیح عربی میں کچھ فرق نہیں آیا قبائل اور مختلف اطراف کے لب و لہجہ میں فرق ضرور پیدا ہوگیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ یہ فرق رہا ہے۔ ایام جاہلیت میں جبکہ فصیح زبان لطافت و نظافت میں منتہائے عروج کو پہونچی ہوئی تھی۔ قبائل کے لب و لہجہ میں بہت فرق تھا۔ جس کا

مفصل بیان آگے آئیگا۔

اوپر پڑہنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ عربی نے موجودہ شکل وصورت یکدم اختیار نہیں کی۔ عرب بائدہ کی عربی قدیمہ رفتہ رفتہ بمرور قرنہا قرن ترقی کرتے کرتے اور صاف وشستہ ہوتے ہوتے موجودہ شکل کو پہونچی ہے۔ اسکی ابتدا سنہ ۵۰۰ء سے قرار دیجاتی ہے۔ اس ابتدائی تعین سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سنہ ۵۰۰ء سے پہلے اور بعد کی عربی میں بہت فرق ہے۔ سلسلہ تدریجی میں کسی نقطہ کو اگلے اور پچھلے نقطہ سے زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ چار برس کا بچہ قریب قریب اتنا ہی بڑا معلوم ہوتا ہے جتنا تین یا پانچ برس کا۔ مگر ہاں دو برس کے اور پانچ برس کے بچوں میں بہت فرق ہوتا ہے یہ ابتدائی تعین اتفاقیہ ہے۔ چونکہ عربی کی سب سے پہلی نظم ونثر جو ہمیں ملی ہے وہ سنہ ۵۰۰ء کے بعد کی ہے اور اس سے پہلے کا کلام ہم تک نہیں پہونچا اسلئے عربی کی ابتدا خواہ مخواہ سنہ ۵۰۰ء سے قائم کرنی پڑی۔ چونکہ اہل عرب پر بدویت غالب تھی اور چونکہ وہ فن کتابت سے واقف نہیں تھے۔ اسلئے چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کا کلام محفوظ نہ رہ سکا۔ ایام جاہلیت کے آدم الشعرا یعنی مہلہل کا کلام پڑہ اوسکی لطافت وصفائی کو دیکھکر کیا یہ تم کہہ سکتے ہو کہ وہ زبان اوسی صدی کی ساختہ وپرداختہ ہے ہرگز نہیں۔ لیکن جب اوس سے پہلے کا کلام ہم تک نہیں پہونچا تو خواہ مخواہ مہلہل ہی کو عرب کا ابو الشعرا ماننا پڑیگا۔

مجانست مابین عربی وعبرانی وسریانی

لغات سامیہ میں سے آج کل صرف تین اصولی زبانیں باقی ہیں۔ حمیری زبان اسلام سے پہلے ختم ہو چکی تھی۔ علمائے آثار آٹھویں صدی قبل از عیسٰی تک کے کتبات حاصل کرکے خط مسند یعنی خط حمیری کے پڑہنے پر قادر ہوے۔ مشابہت مابین عربی اور بابلی جسے آشوری اور کلدانی قدیمہ بھی کہتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ رہی عبرانی۔ سریانی اور عربی زبانیں۔ ان میں بہت مشابہت ومجانست پائی جاتی ہے۔ وہ الفاظ طبعی جو تبدیل وطن اور حالت اجتماعی کے اختلافات سے متغیر نہیں ہوتے ہیں ان تینوں زبانوں میں بڑی حد تک ایک ہی ہیں مثال کے

طور پر چند عربی و عبرانی الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

عربی	عبرانی	عربی	عبرانی
راس	روش	ارض	ارص
عین	عائن	سماء	شمائم
اذن	اوذن	کوکب	کوخاب
ید	یاد	زیتون	زایت
رجل	رغل	اکل	اخال
اسبوع	شابوع	ذبح	ذاباح
ساعۃ	شاعا		

ضمائر بھی اونہیں الفاظ کے ذیل میں داخل ہیں جو تبدیل وطن یا اختلاف حالات اجتماعیہ سے نہیں بدلتے ذیل میں تینوں زبان کے ضمائر لکھے جاتے ہیں۔

عربی	عبرانی	سیریانی	عربی	عبرانی	سیریانی
انا	انی	انا	نحن	انخو	حنن
انت	اتہ	انت	انتم	اتم	انتون
انت	ات	انتی	انتن	اتن	انتین
ہو	ہوا	ہو	ہم	ھم	ھنون
ھی	ھیا	ھے	ھن	ھن	ھینن

مندرجہ بالا ضمائر پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ عربی دونوں زبانوں سے زیادہ شیریں۔اور فصیح ہے۔ درحقیقت عبرانی اور سریانی دونوں عربی قدیمہ کی شاخیں ہیں۔جسوقت یہ شاخیں عربی سے متفرع ہوئی ہونگی اوسوقت عربی قدیمہ میں وہی ضمائر استعمال ہوتے ہونگے جو اب تک ان دونوں شاخوں میں موجود ہیں چونکہ عبرانی زبان بہت پہلے مدون ہو چکی تھی اس لئے اوسمیں تغیر نہ آیا۔

عربی ابتداً غیر مدون تھی اسلئے الفاظ ثقیلہ و غیر فصیحہ کی قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا یہانتک کہ نہایت فصیح۔ شیریں اور پاکیزہ ہوگئی اور قرآن شریف کے نزول نے ہمیشہ کے لئے اسپر مقبولیت کی مہر لگادی۔

تاریخ زبان عربی پر اجمالی نظر

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ عربی قدیمہ کی تاریخ قوم عاد یعنی عرب سامیۂ اولی کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ انکی زبان آرامی تھی اور یہ زبان بقول نالڈیکی جرمنی محقق۔ تمام عرب میں بولی جاتی تھی پس اس دور کو زبان عربی کا آرامی دور سمجھو۔ بابل میں اس سلسلہ کی آخری حکومت دولت حمورابی کے نام سے مشہور ہے۔ جو حضرت مسیح سے دوڈھائی ہزار برس وجود میں آئی۔ اس دور کو زبان عربی کا بابلی دور خیال کرو۔ خاص عرب میں اہل معین قوم عاد ہی کی ایک شاخ تھی۔ جسکی حکومت کا شیرازہ دسویں صدی قبل از مسیح میں منتشر ہوا۔ اس قوم کا زبانی کارنامہ زبان عربی کی تاریخ کا معینی باب ہے اس حکومت کے بعد ہی یمن میں سبائی سلطنت قائم ہوگئی جسکا خاتمہ ۱۱۵ قم کے قریب ہوا۔ اس دور کو عربی کا سبائی دور خیال کرنا چاہئے۔ پھر دولت حمیری قائم ہوئی۔ اسکی زبان کو عربی کے سبائی دور کا تتمہ سمجھو۔ یہ تو جنوبی عرب کی زبان کا حال تھا شمال عرب کی طرف پھر چلو۔ عرب مستعربہ کی تاریخ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مکہ معظمہ میں تشریف لانے کے وقت سے یعنی حضرت مسیح سے قریبًا دو ہزار برس پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ عدنان جسکی طرف عدنانیہ سلسلہ منسوب ہوتا ہے چھٹی صدی قبل مسیح میں تھا۔ اس سے قریبًا دوسو برس پہلے عربی کے سبائی دور کا آغاز ہوچکا تھا۔ عدنانیوں کی زبان یا تو سبائی عربی ہوسکتی ہے یا حجازی عربی موخر الذکر احتمال زیادہ قوی ہے اور حق بجانب یہ حجازی مرکزی عربی۔ اطراف عرب کی زبان سے ایسی ہی مختلف ہوگی جس طرح دلّی کی زبان دکھنی اردو سے۔ اس عربی کا باوا آدم عام طور پر یعرب بن قحطان کو سمجھا جاتا ہے۔ مگر پیدائش زبان کو کسی ایک فرد سے منسوب کرنا محض ایک ادبی روایت ہے لایعنی و بے بنیاد۔ شاید لفظ یعرب نے یہ شاعرانہ خیال پیدا کردیا ہو۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں

کہ یعرب کا اصلی نام یارح بن قحطان ہے۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس روایت کی اصل کیا ہے۔

تہذیب زبانِ عربی

تہذیب زبان عربی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور حضرت اسمٰعیل کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور جب عدنانی قبائل متفرع و منتشر ہو جاتے ہیں تو وہ زمانۂ تہذیب ثانیہ کا آغاز ہے۔ قبائل کی کثرت اور اونکے باہمی منافست و مسابقت کی وجہ سے اس دور میں پہلے دور سے کہیں زیادہ عربی نے ترقی کی۔ تہذیب ثالثہ کا سہرہ قریش کے سر ہے۔ کعبۃ اللہ تمام عربوں کا بیت الحج تھا۔ اور سب قبائل ہر سال وہاں جمع ہوتے تھے اس طرح قریش کو جو مکہ معظمہ کے ارد گرد رہتے تھے۔ عرب کے تمام قبائل سے ملنے اور اونکی مختلف محاوروں سے آشنا ہونے کا پورا موقعہ ملتا تھا۔ جو کچھ انکی زبان میں بہتر اور فصیح تر دیکھتے تھے خود اختیار کر لیتے تھے اون کے اس انتخاب کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ منتخبہ الفاظ و محاورے تمام قبائل میں رواج پا جاتے تھے۔ غرضکہ قریش کی زبان تمام اہل عرب کی زبانوں میں ممتاز تھی۔ سب قبائل یہی چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح قریش کے لب و لہجہ کا اتباع کریں مگر یہ ناممکن تھا جسقدر قریشیوں سے بُعد مکانی ہوتا تھا اوسی قدر محاورے میں فرق آجانا لازمی تھا۔ الہ آباد۔ پٹنہ۔ لاہور اور دکن والے خواہ کتنی ہی کوشش کریں مگر لکھنؤ اور دلّی والوں کی زباں سے اونکی زبان تھوڑی بہت مختلف ضرور ہوگی۔ ہاں شعر و شاعری میں عموماً قریش کی زبان استعمال ہوتی تھی۔ اور اوسکی وجہ یہ ہے کہ عرب میں شعر خوانی کے مختلف مقامات مقرر تھے جہاں وقت مقررہ پر تمام اطراف کے شعرا جمع ہو کر اپنے اپنے قصائد پڑھا کرتے تھے ان شاعروں میں فصاحت و پاکیزگی زبان کا معیار قریب قریب ایک ہی ہوا کرتا تھا اور وہ یہ کہ قریش کی زبان کی پابندی کیجائے۔ ان مجمعوں کا اور نیز اختلافات زبان کا بیاں آگے آئیگا۔ انشاء اللہ

خصوصیات زبان عربی

عربی زبان کے خصائص و ممیّزات اسقدر ہیں کہ ہم یہاں اونکو پورے طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ علاوہ بریں حضرات عربی داں کے لئے اسکی ضرورت بھی نہیں۔ مگر جو لوگ اس

زبان سے نا بلد ہیں اونکے لئے مشتے از خروارے چند خصوصیات بیان کیجاتی ہیں

صرفی ونحوی خصوصیات

اولاً اسکی صرفی ونحوی خصوصیات سمجھو اسکا ہر لفظ مادہ رکھتا ہے جو عموماً سہ حرفی ہوتا ہے۔ اوس سے بیشمار مشتقات نکلتے ہیں۔ مثلاً ق ب ل ایک سہ حرفی مادہ ہے۔ دیکھو اس سے کسقدر الفاظ مشتق ہوتے ہیں۔

قَبْل بمعنی پیش۔ قَبَلہ بالفتح۔ نوعے از مہرہ۔ قِبلہ بالکسر ہرچہ کہ پیش روے گیرند۔ قُبل بالضم آہنگ۔ قُبُل بضمتین ضد دبر۔ قُبلہ۔ بالضم بوسہ۔ قَبَل بفتحتین۔ بلندی زمیں کہ پیش نماید۔ قَبَلَة۔ چرخہ ریسمان۔ قِبَل۔ اول کسرہ بعدہ فتح بمعنی نزد۔ قُبُل۔ بالضم بمعنی عیاں یہانتک تو خود مادہ ہے باختلاف حرکات مختلف معنی دیتا رہا ہے۔ اب حروف زائدہ کی زیادتی سے جو الفاظ پیدا ہو گئے ہیں اونہیں دیکھو۔ قبیل۔ قبیلہ۔ قبول۔ قبال (تسمہ کفش) قبالہ۔ قابل قابلہ (بمعنی دایہ)۔ مقبول۔ اقبال استقبال۔ مقابلہ۔ تقابل۔ تقبیل۔ اقتبال۔ تقبل اور پھر اونکے اسماے مشتقات کو دیکھو۔ یہاں یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ سب سامی زبانوں کی مشترکہ خاصیت بڑی حد تک سہ حرفی مادہ ہے۔

عربی میں تانیث کی تمیز۔ اسم ضمیر اور فعل سب میں ہوتی ہے۔ اسمیں تثنیہ کا بھی صیغہ ہوتا ہے جو بہت سی زبانوں میں نہیں ہوتا۔ اعراب اس زبان کی خاص نحوی خصوصیت ہے اوپر کہیں تمنے پڑھا ہو گا کہ بابلی زبان میں بھی اعراب پائے جاتے ہیں۔ گرچہ وہ زبان مردہ ہو چکی اعراب سے ہر لفظ کی آخری حرف کی حالت حرکتی مراد ہے۔ مثلاً لفظ زید کی دال پر کبھی پیش ہے تو کبھی زبر اور کبھی زیر۔ ان تینوں صورتوں میں مختلف معنی پیدا ہوتے ہیں۔

دوسری خصوصیت

دقت تعبیر ہے۔ یعنی جن جن مفہومات کا اظہار دوسری زبانوں میں مرکب الفاظ۔ فقرات اور جملات سے کیا جاتا ہے اونکے اظہار کے لئے عربی زبان میں مفرد الفاظ موجود ہیں۔ خواہ مفہوم کتنا ہی جزوی وفروعی کیوں نہو۔ اسکے لئے تمام عربی میں ایک خاص لفظ پاؤ گے۔ مثال کے طور پر انسان کے ہاتھ کو لو۔ اسکو بحیثیت مجموعی یَد یا کف کہتے

ہیں۔ پھر ہاتھ کے مختلف حصوں کے لئے مختلف نام تجویز کئے گئے۔ انگلی کو اصبع پھر پانچوں انگلیوں کے جداگانہ نام۔ ابہام انگوٹھا۔ سبابہ دوسری انگلی۔ وسطی تیسری۔ بنصر چوتھی خنصر پانچویں انگلیوں کے کنارہ کو بنان۔ اور فاصلہ مابین ابہام وسبابہ کو وترہ۔ باقی انگلیوں کے درمیانی خلا کو غلل۔ انگوٹھے اور خنصر کے درمیانی فاصلہ کو شبر۔ انگوٹھے اور سبابہ کے درمیانی فاصلہ کو فتر۔ فاصلہ درمیانی سبابہ و وسطی کو رطب۔ فاصلہ درمیان وسطہ اور بنصر کو عتب فاصلہ درمیان بنصر وخنصر کو ضیم۔ ناخن کو ظفر ناخن کا پختہ حصہ جو تراشا جاتا ہے۔ زنکیر۔ انگلیوں کے سرے کو انمل کہتے ہیں۔ انگلیوں کے جوڑوں کے درمیان جو ہڈی ہوتی ہے اسے سلامہ۔ انگلیوں کے جوڑوں کو سنغ پھر ہتیلی کو راحت ادہتیلی کے بطن کو دخیس اور خطوط کو اسرہ لحم کف کو بخص انگوٹھے کی جڑ کے گوشت کو الالیہ۔ ہاتھ کے زیرین حصہ کو (پیوند بنان انگشتان) کو شاجع۔ ہاتھ کی رگوں کو اسلیم کہتے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح بدن انسانی کے ہر چھوٹے چھوٹے حصہ کے لئے عربی میں نام موجود ہیں

تمہیں یہ سنکر تعجب ہوگا کہ دن کے ہر گھنٹہ کے لئے عربی میں خاص نام ہے یہ الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں بکور شروق اشراق راد ضحی متوع ہاجرہ اصیل عصر طفل حدور غروب اسی طرح عربی میں ہر چاندنی رات کا ایک خاص نام ہے۔ غرضکہ یہ مثالیں کہانتک بیان کیجائیں۔ ثعالبی کی کتاب فقہ اللغۃ اور ابن سیدہ کی کتاب مخصص ایسی مثالوں اور لفظوں سے بھری پڑی ہیں۔

تیسری خصوصیت عربی کا اعجاز وایجاز ہے۔ اسکی بہترین مثال قران مجید کا اسلوب بیان ہے۔ ہمارے رسول مقبول کا آفتاب کی طرح ہمیشہ چمکنے والا معجزہ اسی کلام کی فصاحت و بلاغت ہے۔ جسکی نظیر کسی اور زبان میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی

چوتھی خصوصیت الفاظ مترادفہ ومتضادہ کی کثرت ہے۔ ہر زبان میں ایسے الفاظ کم و بیش ضرور ہوتے ہیں۔ مگر عربی کو اسبارہ میں بھی سب پر فوقیت ہے۔ اس زبان میں نور

کے لئے ۲۱-تاریکی کے لئے ۵۲-آفتاب کے لئے ۲۹-ابر کے لئے ۵۰-بارش کے لئے ۶۴-
کنوئیں کے لئے ۸۸-پانی کے لئے ۱۷۰-دودھ کے لئے ۱۳-شہد کے لئے بھی اسیقدر
شراب کے لئے ۱۰۰-شیر کے لئے ۳۵۰-سانپ کے لئے ۱۰۰-اور اسی قدر اونٹ کے
لئے اونٹنی کے لئے ۲۵۵-اسی طرح دوسرے جانوروں کے نام ہیں۔صفات کے لئے
بے شمار الفاظ پاؤگے۔جنمیں سے طویل کے لئے ۹۱ اور قصیر کے لئے ۱۶۰ ہیں عربی
میں الفاظ متضادہ کی بھی کثرت ہے۔مثلاً قعود کے معنی بیٹھنے اور کھڑے ہونے
دونوں کے ہیں اسی طرح نُقَّح کے معنی تشنگی و سیرابی اور ذآب کے معنی روانی اور منجمد ہونے
کے ہیں۔بَیع کے معنی خریدنا اور بیچنا دونوں ہیں۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ بعض بعض لفظ کے کئی معنی ہیں دوسو سے کچھ زیادہ ایسے الفاظ
ہیں جنکے تین تین معنی ہیں۔سو سے کچھ زیادہ ایسے الفاظ ہیں جنکے چار چار معنی ہیں۔یہانتک کہ
بعض لفظوں کے معنی پچیس پچیس ہیں۔خَال کے معنی ستائیس۔عَین کے معنی پینتیس ہیں۔عجوز کے
معنی ساٹھ ہیں۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ مترادفہ کی وجہ سے عربی میں مقفّیٰ اور مسجّع عبارت لکھنا
بمقابلہ اور زبانوں کے بہت سہل ہے اس میں صنائع و بدائع جسقدر بآسانی ممکن ہیں کسی اور زبان
میں نہیں۔مقامات بدیعی و حریری کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلاحیت صرف زبان
عربی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ساتویں خصوصیت الفاظ و معانی کے باہمی مناسبت ہے۔سیبویہ کا قول ہے کہ جو مصادر
فعلان کے وزن پر آتے ہیں اون میں اضطراب و حرکت کا مفہوم ہوتا ہے۔مثلاً غلیان غثیان
ابن جنی نے کہا ہے کہ اکثر مضاعف رباعی مصادر کے معنوں میں تکرار اور حرکت کا مفہوم
ہوتا ہے جیسے قلقلہ۔صلصلہ۔قعقعہ۔قرقرہ وغیرہ وزن فعلیٰ سرعت کے لئے آتا ہے جیسے زلقیٰ
خرمائے تازہ کے کھانے کو خضم کہتے ہیں اور خرمائے خشک کے کھانے کو قضم کہتے ہیں حرف

خا تلفظاً نرم ہے اس لئے خرمائے تازہ کے لئے اختیار کیا گیا اور قاف ذرا سخت ہے اسلئے یابس کے لئے مستعمل ہوا۔ اسی طرح خلّت و غلّت

انین و انیت اور حنین و رنین میں فرق ہے یعنی پہلا دوسرے سے شدید تر ہے قبص بالصاد کے معنی انگلیوں سے پکڑنے کے ہیں۔ قبض بالضاد معجمہ کے معنی پورے طور پر ہاتھ سے پکڑنے کے ہیں

اصمعی کا قول ہے کہ شخیر۔ نخیر۔ کریر یہ تینوں الفاظ گھوڑے کے آوازوں کے نام ہیں شخیر وہ آواز جو منہ سے نکلے۔ دوسری وہ جو نتھنوں سے نکلے۔ تیسری وہ جو سینہ سے نکلے ہتل وہ بارش جو هطل سے کم ہو۔ اور یہی فرق مدّ اور مطّ میں ہے۔

ثعالبی نے اپنے فقہ اللغۃ میں لکھا ہے کہ دیوار کے نقش۔ کو نقش اور کاغذ پر کے نقش کو رقش اور ہاتھ کے نقش کو وشم کہتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرف کی زیادتی معنی کے زیادتی پر دلالت کرتی ہے علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ میں ایک روز دریا کے کنارہ پر گیا میں نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ اوسکے پاس دو چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں۔ میں نے اونکا نام پوچھا۔ چھوٹی کا نام شقدف بتایا اور بڑے کا نام شقداف کہا۔ غرضکہ عربی کی یہ ایک ممتاز خصوصیت ہے کہ محض لفظ کے حروف سے کچھ حد تک مدلول کا پتہ چل جاتا ہے اس خصوصیت پر سید کرامت حسین مرحوم نے اپنی کتاب فقہ اللسان میں بہت زور دیا ہے۔ اونہوں نے بیس ہزار سے زیادہ الفاظ کے تحقیق اس اصول کے مطابق کی ہے۔ اس خصوصیت کا دوسرا نام حکایت صوت بھی ہے

اختلاف لہجات قبائل

ہم اوپر کہیں بیان کر آئے ہیں کہ عدنانی سلسلہ کے اصولی قبائل مضر اور ربیعہ وغیرہ ہیں۔ مضری شاخ میں سب سے بڑا قبیلہ تمیم ہے جو قبل از اسلام شرقی و شمالی نجد میں آباد تھا۔ عبس ذبیان اور سلیم کے قبائل نجد [illegible] میں رہتے تھے۔ قبیلہ قریش جو سب میں زیادہ ترقی یافتہ تھا مکہ معظمہ میں رہا کرتا تھا۔ قبائل قحطانیہ میں سے طے نجد میں اور مذحج اطراف

حجاز میں تھا۔ رہیں ربیعہ کی شاخیں۔ ان میں سے بکر و تغلب عراق میں پھیلے ہوئے تھے۔

ان سب قبائل کی زبانیں ایک دوسرے سے کسیقدر مختلف تھیں۔ سب سے زیادہ اختلاف لغات حجازی و نجدی اور یمن کی زبانوں کے درمیان تھا۔ زبان حمیری کی بہترین مثال حمیری کتبات کی عبارت ہے جو خط مسند میں منقوش ہے۔ حجاز کی بہترین زبان۔ اشعار ایام جاہلیت اور قرآن شریف کی زبان ہے اور ان دونوں زبانوں میں بہت فرق ہے۔ عرب قدیم یمنیوں کی زبان کو مسند اور اہل حجاز و نجد کی زبان کو مبین کہتے ہیں۔ اسی زبان میں قرآن شریف نازل ہوا

چونکہ لسان مبین بھی بہت سے قبیلوں کی زبان تھی اسلئے اسمیں بھی مختلف لب و لہجے پیدا ہوگئے تھے۔ ان مختلف لب و لہجوں کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:۔

(الف) تبدیل حرکت (۱) تلتلہ۔ (لغت بہراء) حروف مضارعہ کو زیر دیدینا۔ مثلاً بجائے تَسمع بالفتح کے تِسمع بالکسر کہنا

(۲) وکما۔ (لغت کلب) کاف علیکم و بکم کو مکسور کردینا

(۳) وھما۔ " ہائے منھم و عنھم وغیرہ کو مکسور پڑھنا

(ب) تبدیل حرف (۱) عنعنہ (لغت تمیم و قیس) لفظ کے شروع میں جو ہمزہ ہو اوسے عین سے بدلدینا۔ مثلاً بجائے اراق الدم کے عراق الدم بولنا۔

(۲) فحفحہ (لغت ہذیل) حائے حطی کو عین سے بدل دینا۔ بجائے حتیٰ حین کے۔ عتے عین

(۳) استنطاء [لغت سعد۔ ہذیل ازد قیس] طا سے پہلے جو عین ساکن ہو اوسے نون سے بدلدینا۔ مثلاً اعطاہ کے بجائے انطاہ

(۴) تبادلہ بامیم (لغۃ مازن) مثلاً ابنی فی مکہ کے بجائے امنی فی مکہ

(۵) کسکسہ و کشکشہ (لغۃ ربیعہ و مضر) یعنی کاف مخاطب کو سین مہملہ یا شین معجمہ سے

بدل دینا۔ شلاً بجاے متک کے ینس یا نش
کہنا۔

(۶) شنشنہ (لغت یمن) کاف کو شین معجمہ سے بدل دینا۔ شلاً کلمنی کلاماً
کے بجاے شلمنی شلاماً

(۷) طمطمانیہ (لغت حمیر) لام تعریف کو میم سے بدل دینا۔ الشمس والقمر
کے بجاے امشمس وامقمر

(۸) وتما (لغت یمن) سین کو تا سے بدل دینا۔ شلاً بجاے الناس
کے النات

(۹) عجعجہ (لغت قضاعہ) یاے مشددہ یا مخففہ یا مفتوحہ کو جیم سے بدلدینا
شلاً۔ ابو علی کے بجاے ابو علج۔ عشی کے بجاے
عشج۔

انکے علاوہ اور کئی ایک صورتیں ہیں۔
شلاً بجاے رحب واستحیا کے۔ حب واستحی کہنا
بجاے ہوے وغوے کے ہوی وغوی بولنا (لغت عامہ نجد)
بجاے رَضِی وبقِی کے رضیٰ وبقیٰ استعمال کرنا (لغۃ طے)
بجاے کأس۔ بئر وشؤم بحذف ہمزہ۔ کاس۔ بیر وشوم جائز رکھنا (لغۃ تمیم)
بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ایک لغت میں اونکے کچھ معنی ہیں اور دوسرے لغت میں بالکل برعکس
شلاً وثب کے معنی لغت حمیر میں نشستن کے ہیں اور عربی خالص میں برجستن کے لطیفہ
ایک شخص حمیری بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے کہا ثب یعنی بیٹھ جا وہ اپنی
زبان کے مطابق سمجھکر کودا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کیا کرتے ہو۔ عرض کی کہ تعمیل حکم۔ کیونکہ زبان
عربی میں اسکے یہی معنی ہیں بادشاہ نے کہا کہ ہمارے یہاں عربی وربی کچھ نہیں۔ من دخل ظفار حمر

جو شخص ظفار میں آئے اسے حمیری زبان بولنی چاہئے (ظفار دولت حمیری کا پایہ تخت تھا) بادشاہ کا یہ قول عرب میں ضرب المثل ہے۔ اردو میں یوں سمجھو۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کے مختلف زبانوں میں مختلف نام ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول مقبول کے دست مبارک سے چھری گر گئی۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا ناولنی السکین یعنی یہ چھری مجھے اوٹھا دو۔ ابو ہریرہؓ نے دائیں بائیں نظر دوڑائی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر چھری کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے بولے آپکی مراد چھری سے ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ سکین کا لفظ میں نے آج ہی سنا ہے۔ (ابو ہریرہؓ قبیلہ اوس سے تھے) غالبًا یہ قصہ سورہ یوسف کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے

عرب ان اختلافات کو دور کرنے کے لئے مکہ معظمہ کے قرب وجوار میں بڑے بڑے بازار مثل عکاظ و ذی المجاز وغیرہ قائم کرتے تھے جنمیں تمام اطراف کے شعرا وخطبا شریک ہوکر اپنے اپنے شعر و خطبے پڑھتے تھے۔ ایک دوسرے قبیلہ کے محاورات والفاظ مختلفہ سے واقفیت حاصل کرتے جو لفظ یا محاورہ فصیح تر ہوتا اوسے سب اختیار کرتے چونکہ قریش خاص مکہ معظمہ اور اوسکے حوالی میں آباد تھے اسلئے انکو دوسرے قبائل پر پورا تقدم وتفوق حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ اونکی زبان فصیح ترین سمجھی جاتی تھی بعض مغربی مستشرقین کا خیال ہے کہ درحقیقت قریش کی زبان کو یہ مرتبہ حاصل نہ تھا مگر چونکہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب انکی زبان میں نازل ہوئی اسلئے یہ قریش کی زبان کو سب پر ترجیح دینے لگے۔ واقعات مذکورۂ بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا غور کرو کہ ان شرق شناسوں کا یہ قول کہانتک صحیح ہے ہم پہلے کہیں کہہ آئے ہیں کہ انکو اسلام سے خاص عناد وتعصب ہے۔ دیکھو واقعات کو الٹ پھیر کر اصلی شکل وصورت کو مسخ کرکے کسطرح اپنے تعصب کو نتیجہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

اصمعی عربی کا بڑا مشہور فلالاجسٹ (عالم لغت وادب) تھا۔ اس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ نے دریافت کیا کہ عرب میں کونسا قبیلہ فصیح ترین ہے۔ حاضرین میں سے ایک

شخص بولا۔ یا امیر المومنین وہ قوم جسمیں نہ بکر کا کسکسہ ہے نہ تغلب کا کشکشہ۔ نہ اوس میں قضاعہ کا عجعجہ پایا جاتا ہے اور نہ حمیر کا طمطمانیہ۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا آخر وہ کون قوم ہے۔ اوسنے جواب دیا کہ اے امیر المومنین تیری قوم۔ یعنی قوم قریش۔ حضرت معاویہ نے پھر دریافت کیا کہ تم خود کس قبیلہ سے ہو۔ بولا قبیلہ جرم سے۔ اصمعی کی رائے ہے کہ بنو جرم فصحائے عرب ہیں۔ سچ ہے ع قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

عربی میں غیر زبانوں کے الفاظ

عرب کے چاروں طرف غیر قومیں آباد تھیں۔ اور اون سے بڑی حد تک سیاسی و تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ایک طرف آل منا ذر عراق میں ایران کے ماتحت تھے تو دوسری طرف شام میں ملوک غسان روم کے زیر اثر۔ جنوب میں حبشیوں سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ پس اگر بہت سے غیر الفاظ اسلام سے بہت پہلے عربی میں داخل ہو گئے تھے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ عربی کی اس حیرت انگیز خصوصیت کو ذرا دیکھو کہ جس غیر لفظ کو اسنے اپنے دیوان میں جگہ دی اولاً اوسے اپنے قواعد کی صیقل سے ایسا سڈول کیا کہ خالص عربی لفظ معلوم ہونے لگا۔ اسکی ایک روشن مثال سراج ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ فارسی لفظ چراغ کا معرّب ہوگا۔ ایسے لفظ الفاظ دخیلہ یا معربہ کہلاتے ہیں۔ ہم یہاں ان الفاظ کی ایک چھوٹی سی فہرست دیتے ہیں۔

فارسی سے	ابریق۔ استبرق۔ بنفسج۔ بلور۔ تنور۔ جلنار۔ جرہ۔ خوان۔ خز۔ دیباج۔ دیوان۔ رسن۔ زندیق۔ سندس۔ سوسن۔ شطرنج۔ شہر۔ صندل۔ طبق۔ طشت۔ عنبر۔ فالوذج۔ قرنفل۔ کافور۔ مشک۔ نرجس۔ یاسمین۔ یاقوت۔ سمور۔ قاقم۔ فیروزج۔ سراج۔
زبان رومی یعنی یونانی ولاطینی سے	اسطرلاب۔ فردوس۔ قسطاس۔ قنطار۔ بطریق۔ تریاق۔ قنطرہ۔ صراط۔ سجنجل
زبان حبشی سے	مشہور تو علمائے عربیہ کے نزدیک یہی ہے کہ صرف تین الفاظ کفلین۔ مشکوٰۃ اور ہرج لئے گئے ہیں۔ لیکن مستشرقین یورپ کے نزدیک انکے علاوہ اور بہت سے الفاظ ہیں

جوزبان حبشی سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً منبر کو صاحب قاموس نے نبر سے نکالا ہے جسکے معنی ارتفاع کے ہیں لیکن حبشی میں منبر بمعنی کرسی کے ہے یہ اوسکا معرّب ہے۔ اسی طرح نفاق بھی حبشی الاصل ہے۔ لفظ حواری کو صاحب قاموس نے حار سے نکالا ہے لیکن حبشی میں یہ لفظ بمعنی رسول موجود ہے۔ برہان کا ماخذ صاحب قاموس نے برہن قرار دیا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ حبشی لفظ ہے لفظ برہ سے نکلا ہے جسکے معنی ظاہر وروشن ہونے کے ہیں

ہم اس بارہ میں مستشرقین کی اس تحقیق کے قائل نہیں۔ ہم پہلے ثابت کرآئے ہیں کہ زبان حبشی عربی کی ایک شاخ ہے حقیقۃً یہ سب الفاظ عربی الاصل ہیں ابتداءً عربی سے حبشی میں گئے اور پھر وہاں سے اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے۔ انگریزی لفظ ایڈمیرل کو دیکھو عربی لفظ امیرالبحر کا بگڑا ہوا ہے عرب سے یورپ کو اندلسیوں کی بدولت پہونچا۔ عربی حال میں اس لفظ نے المیرال کی شکل اختیار کرلی ہے۔ کیاتم یہ کہوگے کہ المیرال انگریزی لفظ ہے ہرگز نہیں بلکہ درحقیقت عربی نژاد ہے۔ کل شئی یرجع الی اصلہ

چونکہ مابین ہند وعرب بحری تجارت ہوا کرتی تھی اس لئے سنسکرت کے بھی دوتین الفاظ عربی میں داخل ہوگئے ہیں۔

تاریخ حروف ابجد یا کتابت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انسان نے جسقدر محیر العقول فنون وحیرت انگیز صنائع ایجاد کئے ہیں اُن سب میں فن نوشت وخواند کو جسقدر اہمیت حاصل ہے اورکسی صنعت کو نہیں۔ یہی فن انسان کی تمام ترقیوں کا راز ہے اور اسی پر تمام تہذیب وتمدن کا دار مدار ہے۔ اگر دنیا اس صنعت نفیسہ و نعمت لطیفہ سے محروم ہوتی تو قیاس میں نہیں آسکتا کہ آج بنی نوع آدم جاہلیت ووحشت کے کس مغاک تاریک وعمیق میں سرنگوں پڑے ہوتے۔ عرب کی حالت جاہلیہ پر غور کرو لکھنے پڑھنے کا اُن میں جسقدر کم رواج تھا اوسی قدر زیادہ وہ سرگشتۂ بادیۂ جہالت تھے۔ اب بھی جن ملکوں میں تعلیم کا رواج

نہیں وہاں کے باشندے وحشیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اب تو کتابت تمہارے لئے ایک معمولی بات ہو گئی ہے اس لئے تم اس کے فوائد و اہمیت کا زیادہ احساس نہیں کرتے جس چیز کی زیادہ اشاعت ہو جاتی ہے یا جو چیز بہت آسانی سے مل سکتی ہے (خواہ وہ کتنی ہی ضروری کیوں نہو) اوسکی قدر نہیں ہوتی۔ کھانے پینے کی چیزوں کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے مگر اُس سے کہیں زیادہ ضروری ہوا ہے جسکے بغیر انسان ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر چونکہ بے مشققت اور بلا حساب ملتی ہے اُسکی کچھ قدر نہیں۔ یہی حال خط کا ہے جو وحشی قومیں ہنوز اس نعمت سے محروم ہیں اُن کی حالتوں پر غور کرو۔ دیکھو جب وہ دیکھتی ہیں کہ انسان تحریر کے ذریعہ سے اپنا کام کیونکر نکال لیتا ہے تو اُنکے دماغ کی حالت کیا ہوتی ہے ہم یہاں دو واقعہ بیان کرتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

حال ہی میں چند کشتی شکستہ انگریز ٹونگا آئلینڈ میں جا پہنچے۔ جہاں اُنکو دوسرے جہاز کے انتظار میں کچھ مدت ٹھہرنا پڑا۔ اتفاق کی بات۔ اُن کے پاس لکھنے پڑہنے کا کوئی سامان نہ تھا آخر یارو دسے سیاہی بنائی اور اُس سے کسی چیز پر اُن میں سے ایک نے چند سطریں لکھکر دوسرے شخص کو دیں کہ وہ سمندر کے کنارہ بیٹھا دیکھتا رہے اگر کوئی جہاز اُدھر سے گذرے تو اُسکے کپتان کو وہ تحریر دیدے جزیرہ والے وحشی مطلق تھے۔ لکھنا پڑھنا تو جاننا کجا۔ اس کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ اُن کے سردار کو جب معلوم ہوا کہ ان نوواردوں نے اپنے آدمی کو کوئی چیز دیکر سمندر کے کنارہ بھیجا ہے تو فوراً اپنے آدمیوں کو بھیجکر اوس سے وہ تحریر منگوالی اور قاصد کو بہت دھمکایا اُس نے ہرچند صحیح صحیح مضمون تحریر سنایا مگر سردار کو مطلقاً یقین نہیں آیا وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ لکھنا پڑھنا بھی کچھ چیز ہے۔ کہنے لگا کہ اچھا میرا نام لکھو۔ انگریز نے نام لکھدیا تو سردار نے دوسرے انگریز کو طلب کرکے کہا کہ اسے پڑہو۔ اُس نے جب سردار کا نام پڑھ دیا تو وہ بہت حیران ہوا اور بولا کہ اس میں میری ٹانگیں کہاں ہیں اور میرا سر کہاں۔ آخر اُسے تحریر کی حقیقت سمجھائی گئی تو کہنے لگا کہ درحقیقت نہایت عجیب چیز ہے مگر ہمارے ملک کے لئے کارآمد نہیں۔ سازشیں وغیرہ زیادہ ہونے لگیں گی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کے متصل کسی جزیرہ میں ایک مشنری نے وہیں کے ایک باشندے

کے ہاتھ کچھ روٹیاں اپنے دوسرے ساتھی کے پاس کہیں بھیجیں اور اُسے ایک خط بھی دیا اس وحشی نے راستہ میں ایک روٹی کھالی۔ جب اُس شخص کے پاس پہونچا تو وہ ایک روٹی کم پاکر بولا کہ ایک روٹی کہاں گئی۔ یہ وحشی بہت حیران ہوا کہ ایک روٹی کی کمی اسے کس طرح معلوم ہوئی خیال کیا کہ خط نے اُسے روٹی کھاتے دیکھ لیا تھا۔ دوسرے موقعہ پر جب پھر وہ ایسے ہی کام پر بھیجا گیا تو اُسنے خط کو پتھر کے نیچے چھپا کر ایک روٹی کھالی۔

پیدائش زبان کی طرح خط کے نشو و نما کا قصہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ قبل اسکے کہ ہم اسکی تاریخ ارتقائی بیان کریں تحریر و تقریر کا فرق باہم ظاہر کر دینا چاہتے ہیں۔

تقریر کی صورت میں متکلم کا مطلب اُس کے الفاظ سننے سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی متکلم کی الفاظی آواز اور مخاطب کی سماعت تقریر کے لئے لازمی ہیں۔ تحریر کی صورت میں الفاظی آواز کے بجائے کسی شے مرئیہ کی ضرورت ہے جسے دوسرا شخص دیکھکر واضع کا مفہوم سمجھ جائے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سماعت الفاظ کی صورت میں متکلم و سامع کی معیت لازمی ہے کیونکہ بولنے اور سننے کے دونوں فعل قریب قریب ایک ساتھ وقوع میں آتے ہیں برخلاف اسکے تحریر کی صورت میں یہ قباحت ہرگز نہیں۔ ان امتیازات کو پیش نظر رکھکر سُنئے کہ خط کی ایجاد یکدم نہیں ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ حروف ابجد جن کو خط کے اجزاے لاتیجزے کہنا چاہیئے مشخص و معین ہوئے۔

پہلا تو وہ ابتدائی درجہ ہے جب انسان نے کسی چیز کی تعداد یاد رکھنے کے لئے کنکریوں یا دھاگے کی گرہوں کا استعمال اختیار کیا۔ مثلاً لفظ چار کو چار کنکریوں یا چار گرہوں سے ظاہر کرنا تحریر کی ابتدائی صورت ہے۔ اب بھی کسی بات کے یاد رکھنے کے لئے رومال یا قبا کے بند میں گرہ دے دیتے ہیں ناخواندہ لوگ ہنوز کنکریوں کا استعمال کرتے ہیں

شناخت کے لئے کسی چیز پر کچھ نشان بنا دینا بہت ابتدائی صورت ہے۔ جانوروں پر داغ لگانے کا دستور زمانہ قدیم سے قائم ہے۔ اگر کسی چیز پر نشان لگا دیا جائے تو وہ نشان کچھ حد تک تحریر ہی کا کام دیتا ہے کیونکہ اُسکے مفہوم سمجھنے میں نگاہ نہ کہ سامعہ درکار ہے۔ دیکھو اس تہذیب کے زمانہ میں

تجارتی مارکہ کی کسقدر اہمیت ہے۔ پھر انسان مختلف چیزوں کی تصویر بنانے لگا۔ تصویر کشی کی رسم بہت قدیم ہے۔ تصویر کو دیکھتے ہی اُس چیز کا جسکی یہ تصویر ہے سارا قصہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس زمانہ متمدن میں بھی تصویر کے ذریعہ سے بہت بڑا کام لیا جاتا ہے کارٹون وغیرہ اسی قبیل سے ہیں غرضکہ تصویر کشی ایجاد حروف ابجد کی طرف دوسرا قدم تھا۔

تیسرا درجہ وہ ہے جسے انگریزی میں آیڈوگرفیک کہتے ہیں یعنی تصویر سے کسی خاص مفہوم کو ظاہر کرنا۔ یہ درجہ پچھلے درجہ سے اس معنی کر بڑھا ہوا ہے کہ پچھلے درجہ میں تصویر سے وہی چیز سمجھ میں آتی ہے جسکی وہ تصویر ہے مثلاً تصویر انسان سے انسان اور تصویر شیر سے شیر۔ لیکن اس درجہ میں اتنی ترقی اور ہوئی کہ ایک خاص مفہوم کے لئے کوئی خاص تصویر مقرر کردیگئی۔ پس جبتک اُن اصطلاحوں سے واقفیت نہ ہو اس قسم کی تصویروں کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔

چوتھے درجہ کو انگریزی میں فونٹیک کہتے ہیں۔ یعنی تصویر سے کسی مفہوم کو نہیں بلکہ آواز کو ظاہر کرنا اور اسکی تین صورتیں ہیں (۱) تصویر قائم مقام تلفظ کلی (۲) تصویر قائم مقام جزو تلفظ (۳) تصویر قائم مقام حروف تلفظ۔

ان چاروں ارتقائی درجات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دوسرے درجہ میں تصویر سے وہ چیز سمجھ میں آتی ہے جسکی وہ تصویر ہے۔ تیسرے درجہ میں تصویر کسی چیز کے نام کو بتاتی ہے اور چوتھے درجہ میں تصویر آواز کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی آخری درجہ سے حروف ابجد کی اصلیت وابستہ ہے

مصریوں کا پہلا خط ہیروغلیفی ہے جو حضرت مسیح سے کئی ہزار برس پہلے ایجاد ہوگیا تھا مصر کی مشہور قدیمی کتاب کتاب الاموات اسی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب کی تاریخ تحریر کا پتہ نہیں خط ہیروغلیفی سے خط ہیراطیقی و دیموطیقی مشتق ہوئے ان سب کے بعد حروف ابجد وضع ہوئے اسکی صحیح تاریخ ابتدائی معلوم نہیں

قدیم محققین کے نزدیک حروف ابجد کے واضع فینقی ہیں۔ ان کے بابت کہا جاتا ہے کہ خود انکو اعتراف ہے کہ انھوں نے اہل مصر سے اخذ کیا تھا۔ فرانس کے ایک مشہور عالم نے دونوں

زبانوں کے قدیم ترین نمونوں کا مقابلہ کیا تو بہت کچھ مشابہت پائی - مگر جب ہم بابلی عروج کو مصر کے تمدن سے مقابلہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وادی فرات میں وادی نیل سے ہزار ڈیڑھ ہزار برس پہلے خط تیسری اور چوتھی منزل طے کر چکا تھا۔ اس لحاظ سے اہل بابل کو سب پر تفوق و تقدم حاصل ہے غرضکہ ایجاد حروف ابجد کی تاریخی ترتیب یوں ہے کہ اولاً اہل بابل یا اہل کنعان اون سے چار شاخیں ہوئیں ہلینک (یونانی) سبائی - حبشی - آرامی - موخرالذکر کے ذیل میں عبرانی - سُریانی وعربی داخل ہیں۔

اہل بابل کے بابت ہم پہلے کہیں لکھ آئے ہیں کہ وہ درحقیقت قوم عاد یعنی عرب کے ابتدائی باشندے تھے۔ اس لحاظ سے عرب ہی حروف ابجد کے موجد ہیں۔ سید کرامت حسین مرحوم نے اپنے فقہ اللسان میں یہ ثابت کیا ہے کہ حروف ابجد وضع کرنیکا شرف عرب ہی کو حاصل ہے - بہر حال اگر عرب کے واضع حروف ابجد ہونے میں شک ہوسکتا ہے تو یہ امر مسلم ہے کہ سمیطیقی نسل نے جس میں عرب بھی شامل ہیں حروف ابجد وضع کر کے تمام عالم پر ایسا احسان کیا ہے - جسکی اہمیت کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔

قوم عرب کا خط

عرب چونکہ امم سامیہ کا مسکن اولی ہے اسلئے اسکی تاریخ قدیم ترین تاریخ عالم ہے - اور اسکے اقوام کا تمدن - دیگر قوموں کے تمدن کا ماخذ ہے - حروف ابجد کے ایجاد کا فخر جیسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں - ایسی ریگستانی ملک کی قوم کو حاصل ہے - پس اس ملک کا خط بھی قدیم ترین خط ہے - مگر جس طرح اسکی زبان ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ناموں سے مشہور ہوئی - اسی طرح اسکا خط بھی مختلف شکل وصورت میں ظاہر ہوتا رہا - خط حمیری جسے مُسند کہتے ہیں یمن میں - خط نبطی ملک شام میں اور خط سطرنجیلی جو سریانی کی ایک شاخ ہے عراق میں رائج تھا - اہل حجاز پر چونکہ بدویت زیادہ غالب تھی اور انہیں لکھنے پڑھنے کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی - اسلئے اونکا کوئی خاص خط نہ تھا - وہ ضرورت کے وقت نبطی - حمیری وسریانی خطوں میں لکھتے تھے

امرؤ القیس بن عمرو کی قبر پر جو کتبہ ملا ہے اوسکی زبان تو عربی ہے لیکن خط نبطی ہے نبطی و سریانی خط اسلام کے بعد رائج نہ رہے۔ موجودہ خط عربی کی قدیم ترین شکلیں خط نسخی اور خط کوفی ہیں۔ جب عرب تجارت کے لئے شام کی طرف آنے گئے تو وہاں نبطیوں سے خط نسخی سیکھا خط کوفی خط سریانی کی طرح پھیلی شاخ سے نکلا اسلام سے کچھ پہلے رائج ہو گیا تھا اسی خط کوفی کا دوسرا نام خط حیری بھی ہے یعنی منسوب بہ حیرہ جو عراق عرب کا بڑا شہر تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حمیر و تبابعہ سے کتابت حیرہ پہونچی اور وہاں سے قریش نے سیکھی لیکن جب مسلمانوں نے اسکے قریب کوفہ آباد کیا تو اوسی خط کو اسکے طرف منسوب کر دیا۔ پس یہ دونوں خط۔ عربی خط کی اصل ہیں۔ اور اوس سلسلہ کی آخری کڑیاں ہیں جسکی پہلی کڑی خط بابلی و مصری قدیم ہے۔ دوسری کڑی خط فنیقی ہے جو خط مصری سے مشتق ہے تیسری کڑی خط آرامی ہے جو خط فنیقی سے ماخوذ ہے اور خط آرامی سے خط نبطی و سریانی نکلے۔

اسبات میں اختلاف ہے کہ یہ خط کوفی بلاد عرب میں کسطرح پہونچا۔ زیادہ معتبر قول یہ ہے کہ جب بشر بن عبد الملک کی جو دومۃ الجندل کے حاکم کیدر بن عبد الملک کا بھائی تھا سفیان بن امیہ کی خواہر سے شادی ہوئی تو اوسنے اہل مکہ کو یہ خط سکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام کے زمانہ میں خط کے جاننے والے زیادہ تر قریش ہی تھے۔

ظہور اسلام کے وقت صرف دس بارہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ قرآن شریف جب نازل ہونا شروع ہوا تو اسی خط میں لکھا جانے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کی اشاعت کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ بدر کے اسیران جنگ میں سے جو غریب نادار تھے اور لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو کتابت سکھاتے جاؤ اور آزاد ہوتے جاؤ۔ غرضکہ اس خط کی روز بروز اشاعت ہونے لگی ختم نزول قرآن تک رسول اللہ صلعم کے کاتبین کی تعداد چالیس کو پہونچ گئی تھی۔ ان میں چار بہت مشہور ہیں۔ زید بن ثابت۔ عبد اللہ بن الزبیر۔ سعد بن العاص اور عبد الرحمن بن الحارث یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے عثمانی مصاحف لکھے۔ جوں جوں فتوحات اسلامیہ زیادہ ہوتے گئے اور لکھنے کا کام بڑھتا گیا یہ خط زیادہ رواج پاتا گیا۔ خلافت راشدہ کے عہد تک اس خط میں

کوئی جدت پیدا نہیں ہوئی مسلمان جہاد میں مشغول تھے۔ انہیں اتنی فرصت کہاں تھی کہ اس طرف توجہ کرتے۔ البتہ عہد اموی میں لوگ اسکی تہذیب و اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو کچھ تھوڑی سی ہی مدت میں یہ چار طرح پر لکھا جانے لگا۔ قطبہ نامی ایک شخص اس دور کا مشہور کاتب تھا۔ عصر عباسی کے آغاز میں دو مشہور کاتب ہوئے ایک کا نام ضحاک بن عجلان تھا۔ دوسرے کا اسحاق بن حماد انکی کوششوں سے تھوڑی سی مدت میں خط کوفی کے طرزوں کا نمبر ۱۲ تک پہونچ گیا جنکے نام یہ ہیں۔ قلم الجلیل۔ یہ وہی خط ہے جو آجکل خط جلی کے نام سے مشہور ہے دروازوں۔ دیواروں اور محرابوں پر اسی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ قلم السجلات۔ قلم الدیباج۔ قلم اسطور بار الکبیر۔ قلم الثلاثین۔ قلم الزنبور۔ قلم المفتح۔ قلم الحرم۔ قلم المدامرات۔ قلم العہود۔ قلم القصص۔ قلم المزاج۔ ہارون رشید کے زمانہ میں اور ترقی ہوئی۔ تو قلم المرصع۔ قلم النساخ۔ قلم الریاسی۔ قلم الرقاع اور قلم غبار الحلیۃ۔ وغیرہ زیادہ ہوگئے۔ غرضکہ قلموں کی تعداد ۲۰ تک پہونچ گئی۔ رہا خط نسخی یہ عام کاروبار میں مستعمل ہوتا تھا۔ تاآنکہ ابن مقلہ المتوفی ۳۲۸ھ نے اس خط کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور اسے اس قابل بنا دیا کہ مصاحف اسمیں لکھے جانے لگے۔ اسکے بعد دوسرے کاتبوں نے اس خط نسخی میں بھی کئی طرزیں پیدا کر دیں۔ غرضکہ عربی میں خط کوفی و خط نسخی کی بہت شاخیں ہوگئیں۔ جنمیں سے ساتویں صدی ہجری میں صرف چھ۔ ثلث۔ نسخ۔ تعلیق۔ ریحانی۔ محقق اور رقاع مشہور رہگئے۔ بہت سے مشہور خوشنویس پیدا ہوئے جنھوں نے اسکے متعلق کتابیں اور رسالے لکھے۔ اور قلم و دوات کاغذ روشنائی بنانے اور قط وغیرہ لگانے کے طریقے بتائے۔ ابتک ان خطوں میں جدت ہوتی چلی آتی ہے۔ اور چلی جائیگی۔

آج کل کم وبیش مندرجہ ذیل سات طرح کے خطوط مروج ہیں۔

(۱) خط نسخی۔ خط کوفی کا استعمال بہت کم ہوگیا۔ اب عربی زیادہ تر اسی خط میں لکھی جاتی ہے۔

(۲) خط نستعلیق (فارسی) اس خط میں فارسی اور اردو کتابیں لکھی جاتی ہیں۔

(۳) خط مغربی ممالک مراکش تونس اور طرابلس میں عربی کے لئے یہ خط مستعمل ہے۔

(۴-۵) خط رقاع اور خط ثلث یہ دونوں ترکی خط ہیں۔

(۶) خط تعلیق یہ خط فارسی سے ملتا جلتا ایک خط ہے جو ترکی میں مستعمل ہے۔

(۷) خط دیوانی جس سے خط شکستہ مراد ہے۔

عربی حروف ہجا اور اونکی ترتیب

عربی میں دو ترتیبیں مروج ہیں۔ ایک ابجدی یعنی ابجد ہوز حطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ۔ اہل مغرب یعنی تونس و مراکش کے نزدیک آخری چار کلمات اسطرح پر ہیں سعفص قرست ثخذ ظغش دوسرے ابتثی یعنی ا ب ت ث ا لخ اس ترتیب میں حروف متشابہ کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

عربی حروف ابجد کی ترتیب وہی ہے جو عبرانی و آرامی میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے نبطیوں سے یہ حروف لئے ہیں۔ جو چھ حروف عربی کے ساتھ مخصوص ہیں یعنی ث خ ذ۔ ض ظ غ۔ وہ آخر میں اضافہ کردئے گئے ہیں۔ عبرانی و آرامی میں ۲۲ حروف ہیں اور عربی میں ۲۸۔ اہل مغرب کے نزدیک ترتیب ابتثی کچھ مختلف ہے یعنی الف سے ر۔ ز تک تو کچھ اختلاف نہیں اور پھر حروف کی ترتیب یوں ہے۔ ط ظ ک ل م ع غ ف ق س ش ہ و ی۔

بعضوں نے مخرج کے لحاظ سے حروف کی ترتیب قائم کی ہے خلیل جسنے سب سے پہلے عربی میں لغت کی کتاب لکھی۔ اپنی کتاب العین میں حروف حلقی سے شروع کرکے حروف شفوی پر ختم کرتا ہے اسکے مطابق حروف ہجا کی ترتیب یہ ہے۔ ع ح ہ خ غ ق ک ج ش ص ض س ز ط د ت ظ ذ ث ر ل ن ف ب م و ا ی یہی ترتیب ازہری نے تہذیب میں اور ابن سیدہ نے محکم میں اختیار کی ہے

عربی میں ابجد کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مداین کے چھ بادشاہوں نے اپنے ناموں پر یہ کلمات قائم کئے دوسری روایت کے مطابق یہ شیطان کے نام ہیں۔ تیسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہفتہ کے دنوں کے نام ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ترتیب ابتثی حضرت آدم علیہ السلام سے منقول ہے۔ جسے ابجد آدم بھی کہتے ہیں۔ پھر حضرت ادریس علیہ السلام نے انکو آٹھ بامعنی کلمات کی شکل میں مرتب کر دیا اور یہ ترتیب ابجد ادریسی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کلمات کے معنی اسطرح پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ابجد آغاز کرد۔ ہوز در پیوست۔ حطی واقف گشت۔ کلمن سخن گوشد۔ سعفص زود بیاموخت۔ قرشت

ترتیب کردہ۔ شخنہ در دل گرفت۔ ضلع تمام کرد۔ واللہ اعلم بالصواب

آخر میں ہم یہ بتاتے ہیں کہ وہ عربی خط جسے ابتداءً چند آدمی جانتے تھے اسلام کے بدولت اسقدر وسیع کثیر الاستعمال ہوگیا ہے کہ تقریبًا ۲۵ کروڑ آدمیوں کی مختلف زبانیں اس خط میں لکھی جاتی ہیں جنکی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ ترکی زبان بولنے والے	۴۰ ملین	(چینی و روسی ترک ۳۰ ملین۔ عثمانی ۱۰ ملین)	
۲۔ ہندوستانی زبان بولنے والے	۶۶ ملین	۵۔ کردستانی	۱½ ملین
۳۔ اہل ملایا	۳۰ ملین	۶۔ بلوچستان	۱ ملین
۴۔ فارسی بولنے والے	۹½ ملین	۷۔ افریقی	مابین ۳۰۔۴۰ ملین
۴۔ افغانی زبان بولنے والے	۵ ملین	۸۔ عربی	۶۰ ملین

کل ۲۴۳ ملین یعنی تقریبًا ۲۵ کروڑ

حرکات ابتداءً خط عربی میں نہ نقطے تھے اور نہ حرکات۔ اور اس سے عربوں کو تو کچھ بھی دقت نہیں ہوتی تھی۔ مگر عجمیوں کو بڑی مشکل تھی۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے اردو کا خط شکستہ مروجہ عدالت ہائے سرکاری جسمیں نقطے تو کہاں حرفوں کی صورتیں بھی ٹھیک نہیں ہوتیں ہم تو اسے بآسانی پڑھ سکتے ہیں۔ مگر غیر قوم کا آدمی لفظ لفظ پر ٹھوکر کھائیگا۔ نصف صدی ہجری تک قرآن شریف پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ زیر زبر۔ عرب صحیح پڑھتے تھے اور اونکی قراتوں میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ لیکن آگے چلکر جب عجمیوں کی آمیزش شروع ہوگئی تو اونکی غلط قراتوں کی وجہ سے حرکات کی ضرورت کا احساس ہوا۔ چنانچہ ابوالاسود دئلی المتوفی سنہ ۶۹ھ نے جو علم نحو کا بھی موجد تھا اولًا اسم و فعل و حرف میں تمیز کرنے والے نقطے مقرر کیے مگر ان سے حروف متشابہ میں تمیز نہیں ہوسکتی تھی۔ اسکے بعد یہ نقطے اعراب کی صورت میں تبدیل ہوگئے۔ جو ابتک مروج ہیں۔ پہلے پہل جب اوسنے انکو وضع کیا تو کاتب سے کہا کہ جب میں منہ کو کھولوں تو اوپر نقطہ لگاؤ (عربی میں فتح کے معنی کھولنے کے ہیں۔ پس زبر کے لئے بھی یہی لفظ مستعمل ہونے لگا) جب میں منہ بند کروں تو سامنے نقطہ لگاؤ (بند کرنے کے لئے عربی میں ضم استعمال

ہوتا ہے۔ یہیں سے اسکے معنی پیش کے بھی ہوگئے اور جب ہیں منہ کو نیچے دباؤں تو نیچے نقطہ دو (اوس نے نیچے دبانے کے لئے لفظ کسر استعمال کیا۔ پس یہی نقطہ زیر کے لئے مستعمل ہونے لگا) کچھ دنوں تک عرب ان نقطوں کو اسی طرح استعمال کرتے رہے۔ مزید تمیز کے لئے یہ نقطے دوسری روشنائی سے لکھے جاتے تھے اسکے بعد ان نقطوں نے موجودہ حرکات کی شکل اختیار کر لی۔

نقطے

ابتداً عربی خط میں نقطے بھی نہ تھے کیونکہ جن خطوں سے خط عربی ماخوذ ہے وہ بھی اس وقت تک نقطوں سے خالی تھے پس نقطوں کے موجد عرب ہیں چونکہ حرکتوں کے اختراع کے بعد بھی نقطے نہ ہونیکی وجہ سے غلطیاں ہوتی رہیں خصوصاً عجمیوں کو تو بڑی دقت پیش آتی تھی وہ ہمشکل حروف میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کے حکم سے نصر بن عاصم نے نقطے ایجاد کئے۔ پھر آگے جاکر جزم وضع ہوا۔ غرضکہ پہلی صدی کے وسط میں حرکات و نقاط سب ایجاد ہوگئے تھے۔ ابتداً حرکات اور نقاط کا زیادہ رواج نہیں ہوا۔ کیونکہ لوگ اسکے استعمال کو ناپسند کرتے تھے مگر رفتہ رفتہ عام رواج ہوگیا حرکات تو اب بھی کم استعمال ہوتے ہیں صرف قرآن شریف میں التزام کے ساتھ حرکات لگائے جاتے ہیں مگر معمولی خط و کتابت حتیٰ کہ طباعت میں بھی انکی پابندی نہیں کی جاتی۔ یورپ کے بعض مطبوعات میں حصہ نظم پر حرکات کا التزام ہے۔ رہے نقطے۔ انکی بہت زیادہ پابندی کی جاتی ہے قلمی تحریر میں ممکن ہے کہ چنداں احتیاط نہ کی جاسکے مگر طباعت میں نقطوں کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ نقطوں کی غلطی۔ طباعت کا بڑا نقص سمجھا جاتا ہے

دور جاہلیت

طول طویل مقدمہ کے بعد اب ہم اپنی تاریخ ادبیات کے دور نخستین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

جاہلیت اولیٰ

ظہور اسلام سے پہلے عرب کا زمانہ۔ دور جاہلیت کے نام سے مشہور ہے۔ اس عہد تاریک کو عموماً دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت ثانیہ۔ پہلا طبقہ زمانہ قبل از تاریخ سے شروع ہوکر پانچویں صدی عیسوی میں ختم ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی تاریخ

عرب مختصراً پہلے بیان کر آئے ہیں چونکہ اس دور کی عربی زبان مدون نہیں ہوئی اسلئے یہ ہمارے حد موضوع سے خارج ہے ممکن ہے کہ آیندہ اکتشافات اثریہ کی مدد سے اس عہد کی عربی پر کافی روشنی پڑسکے۔ امرالقیس بن عمرو المتوفی ۳۲۸ء کی قبر پر ایک کتبہ ملا ہے جسمیں پانچ سطریں بزبان عربی قدیم مگر نبطی خط میں منقوش ہیں۔ پہلی سطر یہ ہے

تی نفس مر القیس بن عمرو ملك العرب كله ذو اسر التاج

اس عبارت کو فصحی عربی میں یعنی اوس عربی میں جو ۵۰۰ء کے بعد سے عرب میں مروج ہے یوں سمجھو

هذا قبر امرئ القيس بن عمرو ملك العرب كلهم الذي تقلد التاج

دونوں عبارتوں کے باہمی مقابلہ سے معلوم ہوگا کہ صرف دو سو تین سو برس کی مدت میں زبان عربی میں کسقدر فرق آگیا تھا۔ اب اندازہ کرو جو عربی ڈھائی تین ہزار برس قبل از مسیح سے تیسری صدی عیسوی تک عرب میں بولی جارہی تھی اوسکا کیسا حال ہوگا۔ مگر بایں ہمہ تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ابتدائی عربی موجودہ عربی سے بالکل مختلف ہوگی۔ ہم کہیں پہلے لکھ آئے ہیں کہ عربی کی یہ ایک خاص خصوصیت ہے کہ باوجود مرورِ قرنہا قرن اپنی قدیمی شکل سے بہت مشابہ ہے۔ یہ خصوصیت کسی اور زبان کو حاصل نہیں۔ موجودہ فارسی کے مقابلہ میں قدیمی فارسی سنسکرت معلوم ہوتی ہے بہرحال جاہلیت اولی کی زبانی و ادبی کارناموں سے ہم بھی جاہل ہیں۔

جاہلیت ثانیہ

جاہلیت مظلمہ کا دوسرا دور ۵۰۰ء سے شروع ہوکر آفتاب اسلام کے طلوع ہونے پر ختم ہوجاتا ہے۔ مذہبی اور اخلاقی نقطۂ خیال سے یہ بدترین تاریکی کا دور ہے۔ لیکن عربی فصحی کا چشمہ حیات اسی دور کے ظلمات سے جاری ہوا۔ مکہ معظمہ میں قریش کا عمل دخل تھا یہ سب قبائل عرب میں ممتاز تھے۔ اونہیں کی زبان ٹکسالی سمجھی جاتی تھی۔

سیاسی نظام | عرب ہمیشہ سے غیر قوموں کی غلامی سے آزاد رہا ہے۔ اسپر اسی کے فرزندوں نے حکومت کی ہے۔ یہ حکومت دو طرح کی تھی۔ ایک تو باقاعدہ بادشاہوں کی جس طرح کہ سب

ملکوں میں ہوا کرتی ہے۔ اس قبیل کی سب سے زیادہ مشہور حکومتیں معینی ۔ سبائی اور حمیری ہیں اونکے بعد تابعی۔ غسانی و لخمی دول کا نمبر ہے۔ ان سب کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اسلام سے پہلے یہ قدیم سلطنتیں یا تو بالکل برباد ہو چکی تھیں یا انمیں سے ایک آدھ کی ہستی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ہاں آل منادر اور دولت غسانی کا آخری عہد عربیا کی تاریخ ادب میں کچھ کم مشہور نہیں۔

دوسری قسم رؤسائے قبائل کی حکومت تھی۔ ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار ہوا کرتا تھا جسے اپنے لوگوں پر اختیارات کاملہ حاصل تھے۔ عربیا میں باستثنائے عراق۔ شام و یمن۔ عموماً اس قسم کے ہی صنادید کی حکومتیں ہوا کرتی تھیں۔ ہم مکہ و حجاز کی امارت کا بیان پہلے کر آئے ہیں۔ اس عہد میں انکی عنان حکومت و امارت قبیلہ قریش اور اسمیں بھی ہاشمیوں کے قبضہ میں تھی۔

تہذیب و تمدن | تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عربیا کے مختلف حصوں کی مختلف حالتیں تھیں۔ یمن و معین اپنی اپنی حکومتوں کے زیر اثر منتہائے ترقی کو پہونچ چکے تھے۔ اسی طرح عربیا کے وہ حصے جو سلطنت ساسانی و دولت قیصری کے ماتحت تھے۔ یعنی عراق و شام کی ریاستیں تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھیں۔ لیکن عرب کی اصلی اور اندرونی مقامات بالکل غیر مہذب تھے۔ یہاں کے باشندوں پر بدویت غالب تھی یہ لوگ بادیہ نشین خانہ بدوش تھے۔ آب و گیاہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے۔ جہاں کہیں تھوڑا بہت ماء و کلا مل گیا وہیں خیمہ زن ہو گئے۔ جب یہ ختم ہو گیا وہاں سے پھر کہیں چلدیئے۔ اونٹوں کی کھال کے خیمہ بناتے تھے۔ اسی وجہ سے بادیہ نشین عرب کو اہل وبر کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ اعرابی اور بدو کہلاتے ہیں۔ کچھ لوگ چھوٹے چھوٹے گانوں میں بھی رہتے تھے جنہیں اہل مدر کہتے ہیں۔ عرب کا جغرافیہ ہم شروع میں دے چکے ہیں۔

بدوؤں کی تاریخ کی خصوصیت | ان بدوؤں کی تاریخ پر اگر تم غور کروگے تو بجز باہمی جدال و قتال غارتگری و خونریزی اور کچھ نہ پاؤگے۔ یہ لوگ باہمی طعن و تشنیع اور ہجوگوئی میں بھی کوئی دقیقہ باقی اٹھا نہ رکھتے تھے۔ جب موقع پاتے دشمنوں کے اونٹوں اور عورتوں کو چھین لیجاتے۔ کشت و خون کی نوبت اکثر و بیشتر پیش آجایا کرتی تھی لیکن باقاعدہ طور پر ایک جگہ جمکر نہیں لڑا کرتے

تھے۔ ایک شخص کے قتل ہونے پر قصاص کا سلسلہ قائم ہو جاتا تھا۔ اور عداوت و دشمنی اکثر کئی پشت تک باقی رہتی حتیٰ کہ خاندانوں کے خاندان آپس میں نیست و نابود ہو جاتے تھے اشعار میں فریق فاتح اپنے کارنامے ظاہر کرتا تھا۔ اور حریف شکست خوردہ اپنے مقتولین پر روتا اور اپنی قوم کی بے حمیتی و بزدلی پر اظہار افسوس و نفرت کر کے انتقام کے لئے جوش و ہمت دلاتا تھا۔ اس طرح ان کے تمام واقعات انہیں کے اشعار میں محفوظ چلے آ رہے ہیں۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب کوئی بدو اپنا تاریخی واقعہ بیان کرتا۔ تو شہادت کے طور پر اوس سے اشعار طلب کئے جاتے عربوں کی لڑائیاں ایام العرب کے نام سے مشہور ہیں۔ اگرچہ ان ایام العرب کے ذکر و بیان میں ایک حد تک قصہ کہانی کا رنگ آگیا ہے۔ مگر تاہم ان سے حقیقت کا بہت کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں ایک دو مشہور ترین لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین کو بدؤں کے اس طرز معاشرت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

جنگ بسوس پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں کلیب بن ربیعہ نامی ایک شخص بنی تغلب کا مشہور سردار گزرا ہے۔ اسکی شادی جلیلہ بنت مُرہ بکری سے ہوئی تھی۔ یہ اپنی چراگاہ جو حمی کلیب کے نام سے مشہور تھا رہا کرتا تھا۔ اس حمے میں سوائے کلیب اور مرہ کے بیٹوں کے اور کوئی اپنا جانور نہیں چرا سکتا تھا۔ قریب ہی کہیں کلیب کا سالا جساس رہا کرتا تھا جسکے ساتھ اوسکی خالہ بسوس رہتی تھی اسی اثنا میں بسوس کے یہاں ایک مہمان آیا جسکا نام سعد تھا۔ اور اسکے پاس ایک ناقہ تھی جسکا نام سراب تھا۔ ایک دفعہ کلیب کے چراگاہ میں ایک پرندہ نے گھونسلہ بنا کر انڈے دیئے۔ کلیب کی نظر کہیں اس گھونسلہ پر پڑ گئی۔ پرندہ سے مخاطب ہو کر بولا کہ تو یہاں بخوف رہ میں تجھے اپنی چراگاہ میں پناہ دیتا ہوں یہاں پر تیرے گھونسلہ کو کچھ اذیت نہیں پہونچ سکتی اتفاق سے سعد کی ناقہ چرتی چرتی اس حمے میں چلی گئی اور وہاں وہ انڈے اوسکے پانوں سے دبکر ٹوٹ گئے۔ جب کلیب کو یہ خبر پہونچی تو وہ نہایت غصے ہوا۔ اوسکے اور جساس کے درمیان کچھ سخت کلامی بھی ہوئی لیکن کلیب کی بیوی کے وجہ سے کچھ مدت کے لئے یہ قضیہ رفع دفع ہو گیا۔

دوسری دفعہ اونٹوں کو پانی پلاتے وقت اوسی سراب نامی ناقہ کی وجہ سے کوئی ایسی بات پیش آئی جسپر کلیب ضبط نہ کرسکا اور اوسنے فوراً اوسکے ایسا تیر مارا کہ تھنوں کو چھید کر نکل گیا۔ یہ ناقہ چلاتی ہوئی بھاگی اور بسوس کے خیمہ کے سامنے جا گری۔ بسوس نے اوسے خون آلودہ دیکھکر واویلا مچایا اور جساس سے فریاد کی۔ یہ کچھ دنوں تک اوسکے گھات میں رہا آخر ایک روز موقعہ پاکر اوسنے کلیب کو مار ڈالا اور اپنے قبیلہ والوں کے پاس چلا گیا۔ اوسکے باپ مُرہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اوسنے اپنے بیٹے کو جرم عظیم کا مرتکب پاکر زنجیروں میں باندہ دیا اور اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو جمع کرکے کہا کہ اُسنے ایسا کام کیا ہے جس سے بنی تغلب اور بنی بکر میں کبھی صلح نہوگی میں چاہتا ہوں کہ اسکو مقتول کے ورثہ کے سپرد کردوں۔ سعد بن مالک نے جواب دیا کہ نہیں ہرگز نہیں ہم اسکی طرف سے لڑینگے۔ اس طرح بنی تغلب اور مرہ کے قبیلہ شیبان میں جو بنی بکر کی ایک شاخ ہے لڑائی شروع ہوگئی۔ اولاً بنی بکر کے دوسرے کنبوں نے شیبان کو ناحق پر دیکھکر لڑائی میں شرکت نہیں کی۔ لیکن ایک واقعہ نے اونہیں بھی آخر کار شریک جنگ کردیا۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ کلیب کے بھائی مہلہل نے بنی بکر کے ایک مشہور سردار حارث بن عبادؑ کے بیٹے کو مار ڈالا اسپر حارث نے یہ کہلا بھیجا کہ اگر میرے بیٹے کو قتل کرکے تونے اپنے برادر مقتول کا بدلہ لے لیا تو میں بھی خوش ہوں مگر مہلہل نے یہ جواب دیا کہ تیرے بیٹے کے قتل سے تو ابھی میں نے کلیب کے جوتہ کے تسمہ کا بدلہ لیا ہے۔ اسپر حارث آگ بگولا ہوگیا اور اوسکی قوم بنی بکر لڑائی کے لئے آمادہ ہوگئی۔ چونکہ بنی تغلب کے مقابلہ میں اونکی تعداد بہت کم تھی اسلئے انہوں نے ایک عجیب تدبیر سے کام لیا۔ حارث کی صلاح کے موافق انہوں نے اپنی سب عورتوں کو ایک ایک مشکیزہ اور ایک ایک ڈنڈا دیا اور یہ ہدایت کردی کہ اگر بنی تغلب کے مجروحوں کے پاس سے گزرو تو ڈنڈے مار مار کر اونکا کام تمام کردینا اور اپنی قوم کے زخمیوں کو پانی پلانا۔ شناخت کے لئے تمام بنی بکر نے جنگ سے پہلے اپنے سر منڈوا دیئے تاکہ اونکی عورتیں سر منڈا ہوا دیکھکر پہچان لیں کہ یہ بکری ہیں۔ صرف ایک شخص جحدر بن ضبیعہ کی جو شامت آئی تو اوسنے اپنا سر نہیں منڈوایا

کیونکہ وہ پستہ قد اور کمرو تھا بال اتر جانے کی صورت میں اور زیادہ بھدا ہو جاتا۔ غرضکہ جب لڑائی شروع ہوئی تو بکری عورتوں نے بنی تغلب کے مجروحین کو خوب مارا جحدر بھی زخمی ہو کر گر گیا تھا جب اوسکے پاس سے گذریں تو چونکہ اوسکا سر منڈا ہوا نہیں تھا اسلیئے تغلبی خیال کر کے اوسے بھی ڈنڈوں سے مار ڈالا قصہ مختصر اس لڑائی میں بنی بکر کو فتح عظیم حاصل ہوئی اور بنی تغلب کی قوت ٹوٹ گئی۔ جنگ بسوس کا جو چالیس برس تک برابر جاری رہی یہ آخری بڑا معرکہ تھا۔ آخر کار حیرہ کے بادشاہ منذر سوم نے بیچ میں پڑ کر اس جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ بسوس اور سراب کا نام عربی میں ضرب المثل ہو گیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں اشام من البسوس اشام من سراب

جنگ داحس وغبراء

جنگ بسوس کے ختم ہو جانے کے چند برسوں بعد وسط عرب میں ایک اور مشہور لڑائی شروع ہوئی جو جنگ داحس وغبراء کے نام سے مشہور رہے۔ اس کا قصہ یہ ہے۔ کہ قیس کے پاس جو قبیلہ عبس کا سردار تھا ایک داحس نامی گھوڑا تھا۔ اور حذیفہ کے پاس جو قبیلہ ذبیان کا رئیس تھا غبراء نامی گھوڑی تھی۔ ان دونوں میں یہ شرط ہوئی کہ جسکا جانور آگے نکل جاوے اوسے سو اونٹ ملیں گے جب گھوڑ دوڑ شروع ہوئی تو اولاً غبراء آگے رہی لیکن جب ریتیلی زمین آئی تو اسکی رفتار کم ہونے لگی تا اینکہ داحس اوس سے آگے نکل گیا اور جب وہ حد مقررہ تک پہونچنے ہی والا تھا تو ذبیانیوں نے ایک کمین گاہ سے نکلکر جو وہاں پہلے ہی سے پوشیدہ تھے داحس کو اوسکے راستہ سے ہٹا دیا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ غبراء نے بازی جیت لی جب قیس کو یہ معلوم ہوا تو اسنے سو اونٹوں کا مطالبہ کیا ذبیانی بھلا کیوں دینے لگے تھے غرضکہ گفتگو بڑھتے بڑھتے جدال و قتال کی نوبت آپہونچی۔ یہ لڑائی بھی چالیس برس تک جاری رہی اور حارث بن عوف اور حرم بن سنان کے فیاضانہ مداخلت سے ختم ہوئی۔

ایام جاہلیت میں ناموس قومی کا مفہوم

زمانہ جاہلیت کے عربوں کے پاس نہ کوئی اخلاقی دستور العمل تھا نہ مذہبی و قانونی احکام تھے۔ اس پر تو محض قومی ناموس کا فتوی چلتا تھا۔ اسکے برقرار رکھنے میں وہ ہر ممکن الوقوع کوشش کرتے تھے۔ گویا کہ اسکی پابندی اون پر فرض

عین تھی۔ اونکے نزدیک قومی ناموس سے مندرجہ ذیل فضائل مراد تھے۔ جنکو بالفاظ دیگر عربوں کی قومی اخلاق کہہ سکتے ہیں۔

شجاعت | یہ لوگ بڑے بہادر اور شجاع ہوتے تھے۔ انکی شجاعت وبہادری دنیا کی اقوام میں ضرب المثل تھی۔ ذراسی بات پر جان دیدینا یا لے لینا انکے نزدیک کچھ نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی بہادری کا بڑی فخر کے ساتھ اشعار میں ذکر کرتے تھے انکی شجاعت تہور کے درجہ تک پہونچ گئی تھی۔ بلاسوچے سمجھے لڑائی کی آگ میں کو دپڑتے تھے۔ میدان کارزار میں لڑکر مرنا اونکے نزدیک باعث شرف تھا۔ بستر پر مرنے کو ذلت ورسوائی سمجھتے تھے۔ اسی وصف کا یہ اقتضا تھا کہ مظلوم کی استعانت وحمایت کے لئے فوراً کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور اسبات کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔

۲۔ وفاے عہد | عہد وپیاں کی پابندی کا عربوں کو بڑا خیال تھا۔ جان ومال اور اولاد قربان کردینا گوارا تھا مگر عہد شکنی ناممکن تھی۔ سموال بن عادیا کا ہم پہلے کہیں قصہ لکھ آئے ہیں اسنے اپنے بیٹے کی ہلاکت گوارا کرلی لیکن یہ کسی طرح قبول نہ کیا کہ امراء القیس نے جو اسلحہ اسکے پاس امانت رکھدیئے تھے وہ اونکو غیر حقدار کے سپرد کردے۔ اسکی وفاداری عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

اوفی من السموال   یا وفاء کو فار السموال

۳۔ سخاوت ومہمان نوازی | عربوں کے اخلاق میں یہ وصف خاص طور پر نمایاں ہے۔ ایک عرب مفلس عرب جس کے پاس صرف ایک ہی اونٹنی ہوتی تھی اور اوسی اونٹنی پر اوسکے اہل وعیال کا گذر چلتا تھا۔ جب اوسکے یہاں کوئی مہمان آجاتا تھا تو اوسکے لئے بلا پس وپیش اوسی ناقہ کو نہایت خوشی کے ساتھ ذبحہ کرڈالتا تھا۔ عرب اندھیری راتوں میں اپنے خیموں کے سامنے آگ جلایا کرتے تھے تاکہ راستہ بھولا بھٹکا۔ بھوکا پیاسا مسافر اون تک پہونچ جاے پھر وہ اوسکی مہمانی میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہ رکھتے تھے۔ امراء و رؤسا ایک سوال پر اونٹوں کے گلے کے گلے بخشدیتے تھے۔ جس طرح وفاء عہد میں سموال بن عادیا ضرب المثل ہے۔ اسی طرح عرب حاتم طائی کو مجسم سخاوت خیال کرتے ہیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس نامور سخی کا قصہ جیسا کہ

عربوں میں مشہور ہے ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

قصہ حاتم طائی

روایت ہے کہ جب حاتم کی ماں حاملہ تھی تو اوس سے خواب میں دریافت کیا گیا کہ آیا تو ایک سخی لڑکا حاتم نام پسند کرتی ہے یا دس لڑکے شجاع و بہادر مضبوط و قوی۔ اُسنے جواب دیا کہ میں حاتم ہی کو پسند کرتی ہوں۔ غرضکہ جب حاتم بڑا ہوا تو اوسکا یہ حال تھا کہ جب تک کھانے میں کوئی اور شخص اوسکے شریک نہوتا تھا وہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ بلکہ اوسے پھینکدیتا تھا۔ جب اسکا باپ اس بات سے تنگ آگیا تو اوس نے ایک کنیزک اور ایک گھوڑی دیکر کہا کہ بس اب تم ان اونٹوں کو چراؤ جب وہ اونکو لیکر چراگاہ میں پہونچا تو کھانے میں شریک کرنے کیلئے اسنے ادہر اودہر آدمیوں کو ڈہونڈا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ تلاش کرتے کرتے آخر اوسے تین سوار نظر آئے یہ اونکے پاس گیا۔ اونہوں نے کہا کہ میاں لڑکے کیا تم ہمیں کچھ کھلا سکتے ہو۔ حاتم نے کہا کہ اتنے اونٹ میرے پاس ہیں اور تم یہ سوال کرتے ہو۔ اوسنے فوراً تین اونٹوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ تین سوار عبید بن الابرص بشر بن خازم اور نابغہ ذبیانی تھے جو نعمان کے پاس جا رہے تھے۔ اونہوں نے کہا کہ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ نہ یادہ ایک اونٹ کافی تھا۔ حاتم نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ تم تین آدمی ہو اور ایک ہی جگہ کے رہنے والے نہیں ہو۔ جب تم اپنے اپنے وطن جاؤ گے تو آخر کچھ تو وہاں جاکر بیان کروگے اسپر تینوں نے اوسکی شان میں چند اشعار کہے جنکو سنکر حاتم بولا کہ تمہارا کرم میری مہمان نوازی سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔ اب یا تو ان تمام اونٹوں کو تم باہم تقسیم کرلو ورنہ میں انکی کونچیں کاٹ ڈالونگا تینوں نے مجبور ہوکر وہ اونٹ آپس میں بانٹ لئے ہر ایک کے حصہ میں ننانوے ننانوے (۹۹) آئے۔ قصہ مختصر وہ اونٹوں کو اس طرح تقسیم کرکے واپس گھر لوٹا۔ باپ نے دریافت کیا کہ اونٹوں کا کیا ہوا۔ اوسنے جواب دیا کہ اے باپ تیرے اونٹوں کے بدلہ میں میں نے تیرے لئے ہمیشہ برقرار رہنے والی شہرت و عزت خریدی ہے۔ یکلخت اوسنے وہ اشعار مدحیہ جو اون تین شخصوں نے اوسکی شان میں کہے تھے سنائے۔ اسپر اوسکے باپ نے جواب دیا کہ اب میں تیرے ساتھ ہرگز نہیں رہونگا۔ میں تیری سخاوت اور اس شہرت سے باز آیا۔

۴۔ دشمنوں کے ساتھ سلوک

ان عربوں میں یہ خاص بات تھی کہ اگر وہ ایک طرف دوستوں کے سچے اور پکے دوست ہوا کرتے تھے تو دوسرے طرف دشمنوں سے سخت دشمنی و عداوت رکھتے تھے۔ وہ دشمن کو بخشنا جانتے ہی نہیں تھے بلکہ اسے اپنی کمزوری و بزدلی خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خون کے بدلے خون کرتے تھے اور انتقام لینے سے ہرگز ہرگز باز نہ آتے تھے حرب بسوس کی حقیقت پر غور کرو کہ صرف کلیب کا قتل جنگ چہل سالہ کا باعث ہوا۔

۵۔ دختر کشی و شراب نوشی و قمار بازی

عرب اولاد نرینہ کی پیدائش پر بہت خوشیاں مناتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مردوں کی جسقدر تعداد زیادہ ہوگی اوسی قدر دشمنوں کے مقابلہ میں اونہیں زیادہ غلبہ ہوگا۔ بیٹے سے انہیں یہ بھی ایسد ہوتی تھی کہ شاید وہ شاعر ہوجائے اور شعرگوئی اونہیں بڑا قابل قدر وصف مانا جاتا تھا۔ اس سے قوم کو بڑا فروغ ہوتا تھا۔ اسلئے کہ ایک شاعر کا کلام دشمن کے حق میں زہر ہلاہل اور دوستوں کے حق میں آب حیات کا کام دیتا تھا۔ جب کوئی جوان پہلی بار شعر پڑہتا تو یہ لوگ جشن مناتے اور اقربا و احبہ مبارک باد دینے آتے۔ مگر بیٹی کی پیدائش کو بہت برا سمجھتے تھے اور اکثر اوسے مار ڈالتے تھے۔ اسکی وجہ کچھ تو مفلسی و ناداری ہوتی تھی۔ اور زیادہ تر یہ خیال ہوتا تھا ایسا نہو کہ دوران جنگ میں کہیں اونکی عورتیں دشمنوں کے قبضہ میں آجائیں اور اونکی بے عزتی و عصمت دری ہو۔ بعض لوگ داماد کی عار سے لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ بہرحال دختر کشی کی قبیح رسم اونمیں موجود تھی۔ یہ لوگ بڑے قمار باز اور شراب خوار ہوتے تھے اور ان دونوں باتوں پر بڑا فخر کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان سب باتونکو حرام قرار دیا۔

ان تمام اخلاق و اوصاف کو موروثی خیال کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ کریم النفس سخی اور بہادر باپ کا بیٹا بھی ایسا ہی ہوگا یہی وجہ تھی کہ اپنے باپ و دادا کے کارنامے یاد رکھتے تھے اور فخر کے وقت کہتے تھے کہ ہمارے بزرگوں نے ایسے ایسے کام کئے ہیں اس سے مراد اونکی یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے نامور آباو اجداد کی اولاد صالحہ ہیں۔

ذکاوت وجودت طبع

اگرچہ یہ لوگ اُمی محض تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑہنا لیکن خداوند

تعالیٰ نے انہیں عجب تیز اور ذکی طبیعتیں دی تھیں۔ انکے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیرک عقلمند۔ معاملہ فہم اور فطرت انسانی کے جاننے والے ہوتے تھے۔ انکے کلام میں اکثر حکیمانہ نکات پائے جاتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت انکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ جس سے انکی عالی دماغی۔ سلیم المذاقی و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

جاہلیت کی عرب عورتیں

اگرچہ عرب انکی پیدایش کو بُرا سمجھتے تھے۔ مگر یہ بھی بہادری وغیرہ میں مردوں سے کم نہیں ہوتی تھیں تمنے پیچھے پڑھا ہوگا کہ جنگ بسوس میں عورتوں نے مردوں کی کسقدر مدد کی۔ یہ اپنے شوہروں اور بیٹوں کو خود آگے کھڑے ہوکر لڑاتی تھیں۔ عرب میں تین عورتیں المنجبات کے لقب سے مشہور ہیں جنکے کارنامے فراموش و نظر انداز نہیں کئے جاسکتے۔ بہت عورتیں شاعرہ بھی تھیں۔ جنمیں خنسا۔ خرنق اور لیلے بہت مشہور ہوئیں

ادیان عرب جاہلیت

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی تلقین سے ابتداً اہل عرب نے دین ابراہیمی جسے دین حنیفی بھی کہتے ہیں اختیار کرلیا تھا وہ خدائے واحد و یکتا کی پرستش کرتے تھے خانہ کعبہ کو مقدس و محترم سمجھتے اور اوس کا طواف کرتے تھے لیکن جب بنو عدنان مکہ کو چھوڑکر مختلف اطراف میں چلے گئے تو تیمناً کعبہ کا ایک ایک پتھر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے اور اوسکی تعظیم کرنے لگے۔ یہ طریقہ آگے چلکر بت پرستی کا پیش خیمہ بن گیا اور اس طرح شرک کا رواج پڑگیا

عمرو بن لحی خزاعی جو مکہ کا متولی تھا جب ملک شام کی طرف گیا تو اوسنے وہاں سے اپنے ساتھ چند بُت لاکر خانہ کعبہ میں رکھدیئے اب عرب انکی پرستش کرنے لگے اور رفتہ رفتہ عرب میں بیشمار بت ہوگئے۔ انمیں سے چند مشہور بتوں کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں

سواع مقام ینبع کے قریب بنی ہذیل کا بت تھا۔

یمن میں یغوث۔ یعوق و نسر کی پرستش ہوتی تھی

مقام عُذرہ میں وُد نامی ایک بہت بڑا قوی ہیکل بت تھا۔

مناۃ مابین مکہ و مدینہ قدید میں سمندر کے کنارہ پر تھا

طائف میں لات کی پرستش ہوتی تھی۔ مکہ اور عراق کے بابیں ایک بت خانہ تھا جس میں قریش کا سب سے محترم بت عزّیٰ تھا خانہ کعبہ میں بے شمار بت تھے سب میں بڑا ہبل تھا جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا قریش لڑائیوں میں اُسکی جے پکارتے تھے۔ کفار عرب ان بتوں کی مختلف شکل و صورت سے پرستش کیا کرتے اور مختلف قسم کی نذریں چڑھایا کرتے تھے۔

عرب میں ان بت پرستوں کے علاوہ یہودی۔ و نصاریٰ بھی تھے۔ مگر خال خال مذہب یہودی زیادہ تر یمن میں پھیلا۔ مدینہ میں بھی کچھ انکی جمعیت تھی۔ رہا مذہب عیسائی۔ وہ نجران سے شروع ہو کر حیرہ پہونچا۔ شام کی طرف غسانی بھی عیسائی تھے۔ قبائل طے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ انکے علاوہ چند لوگ موحّد یا حنیفی بھی تھے جنمیں ورقہ بن نوفل کا نام زیادہ مشہور ہے

مجالس و اسواق

جاہلیت کے عرب صلاح و مشورہ کی خوبیوں اور مجالس و محافل کے فوائد سے ناآشنا اور بے خبر نہ تھے۔ جس طرح آجکل ہر بنگلہ اور کوٹھی میں ڈرائنگ روم ہوتا ہے اسی طرح اونکی مکانوں میں بڑے بڑے صحن ہوا کرتے تھے جہاں کئی ایک آدمی جمع ہو کر باتیں وغیرہ کیا کرتے تھے۔ شعر خوانی بھی ہوتی تھی۔ خیموں کے زندگی میں بھی اسکا لحاظ رکھا جاتا تھا یہی مجلسیں جب اعلیٰ پیمانہ پر باقاعدہ منعقد ہوتی تھیں تو اونکو نادیہ کہتے تھے اس قسم کے مجمعوں اور مجلسوں میں نادی قریش اور دارالندوہ بہت مشہور رہیں۔ تم پہلے کہیں پڑھ آئے ہو گے کہ قصی نے اس دارالندوہ کی بنیاد ڈالی تھی جہاں شعر خوانی وغیرہ کے علاوہ۔ قومی قضایا طے ہوتے۔ نکاح خوانی کی رسم ادا ہوتی۔ اہم معاملہ میں غور و خوض ہو کر رائے قائم کیجاتی تھی۔

اس قسم کی مجالس کے علاوہ عرب میں بازاروں کا بھی بڑا رواج تھا۔ ان بازاروں کی حقیقت ایسی ہی سمجھو جس طرح یہاں ہندوستان میں مختلف مقامات پر مختلف وقتوں میں میلے اور نمائشیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ اجمیر اور پیران کلیر کے عرسی ہنگامے۔ ہردوار کا میلہ۔ گنگا کے نہان یہاں کون نہیں جانتا اسی صوبہ میں علیگڈہ کی نمائش اور بیسر ٹھہ کی نوچندی کچھ کم مشہور نہیں عرب میں بھی اسیطرح

سے مختلف میلے ہوتے تھے کوئی ماہواری کوئی سالانہ۔ خرید و فروخت کرنے والے جب ایک میلہ سے فارغ ہوتے تو دوسرے میں جاتے۔ پہلا بازار دومۃ الجندل میں ہوتا تھا۔ پھر ہجر۔ عمان۔ حضرموت اور صنعا یمن میں یکے بعد دیگرے ہوتے تھے۔

ذیقعدہ میں سب سے بڑا اور مشہور بازار عکاظ میں لگتا۔ جو مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہلی تاریخ سے ۲۰ تاریخ تک بڑا ہنگامہ رہتا تھا۔ یہ اجتماع سوق عکاظ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے بعد آخر ذیقعدہ میں بمقام مجنہ اور پھر آٹھ ذوالحجہ تک ذو مجاز میں جو عرفہ کے قریب ہے اجتماع ہوتا تھا۔ نویں تاریخ کو میدان عرفات میں حج کے لئے جمع ہوتے تھے۔ ان سب بازاروں میں سوق عکاظ بہت مشہور تھا۔ یہاں تمام قبائل کے لوگ آتے تھے۔ تمام دنیاوی مذہبی اور تجارتی قضایا یہیں طے ہوتے تھے۔ بڑے پیمانہ پر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ شاعروں اور خطیبوں کو اپنا اپنا کمال دکھلانے کا یہیں موقعہ ہوتا تھا یہیں انکی قابلیت پرکھی جاتی یہیں سے انہیں مقبولیت کی ڈگری ملتی تھی۔ نابغہ ذبیانی جب سوق عکاظ میں آتا تو اوس کا خیمہ سُرخ ہوتا بڑے بڑے شعرا اوسکے سامنے اپنا کلام پڑھتے وہی فیصلہ کیا کرتا کہ کس کا کلام بہتر ہے اور کس کا ردی۔

اس قسم کے مجمعوں سے اور فائدوں کے علاوہ۔ زبان کا بہت بڑا فائدہ ہوتا تھا بہت سی غلطیاں نکل جاتی تھیں۔ اور زبان صاف ہوجاتی تھی۔ قریش چونکہ حرم کے متولی تھے اسلئے اونکا سوق عکاظ میں بڑا اثر ہوتا تھا۔ یہ تمام قبائل کی گفتگو سنتے۔ اس میں سے جو پسند کرتے اوس کو اپنی زبان میں داخل کرلیتے اور جو نقص اپنی زبان میں پاتے اوسے دور کردیتے اسطرح اونکی زبان نقائص و اغلاط سے پاک اور نہایت صاف و شستہ ہوگئی۔

معلومات متعلقہ جاہلیت کا ماخذ

چونکہ قبل از اسلام عرب امی محض ہوتے تھے نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا اسلئے اس دور میں کوئی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ ظہور اسلام کے بہت دنوں بعد کہیں جاکر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس صورت میں اس دور کے متعلق ہمارا

علم براہ راست اور بلا واسطہ کیونکر ہوسکتا تھا۔ جو کچھ اس زمانۂ تاریک کی بابت معلوم ہوا ہے اوسکے یہ تین ماخذ ہیں۔

۱۔ اشعار جاہلیت۔ جو بعد اسلام مدوّن ہوئے۔ اس ماخذ کی اہمیت اس مشہور قول سے ظاہر ہے کہ الشعر دیوان العرب

۲۔ امثال۔ ایام جاہلیت سے بہت سی ضرب المثلیں سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔ ہر ایک مثل میں ایک نہ ایک تلمیح ضرور ہے۔ ان تلمیحات سے حالات جاہلیت پر بڑی حد تک روشنی پڑتی ہے۔ مفضل الضبی اور میدانی کی تالیفیں نہایت مفید اور قابل قدر ہیں

۳۔ قومی افسانے اور روائتیں جو نثر میں سینہ بسینہ ایام جاہلیت سے چلے آئے تا اینکہ دور عباسی میں ابو الفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ؁ نے ان سبکو اپنی کتاب الاغانی میں مدّون کیا جو بیس بائیس جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔ یہ تصنیف اس فن میں لاجواب و بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ ابن خلدون کا قول ہے کہ کتاب الاغانی عرب کا دیوان ہے۔ اس کتاب میں رطب و یابس سب قسم کی روائتیں ہیں۔

علوم جاہلیت

چونکہ جاہلیت کی عربوں پر عموماً بدویت غالب تھی اور وہ تمدن و تانق سے بہت دور تھے اسلئے اونکے علوم بھی مختصر اور قلیل تھے۔ علوم کا نشو و نما تہذیب و تمدن پر منحصر ہے۔ دیکھو اس زمانہ میں جب مغربی تمدن نہایت ترقی پر ہے تو علوم بھی بے شمار ہیں۔

غرضکہ اسلام سے پہلے جو علوم عرب میں شائع تھے وہ اوسقدر تھے جسقدر کی اونکی سادہ زندگی مقتضی ہوسکتی تھی۔ یہ لوگ بادیہ نشین صحرا نورد خانہ بدوش تھے آب و گیاہ کی تلاش میں صحرا بصحرا مارے پھرتے تھے۔ انکو ریگستانی لق و دق صحراؤں میں راستوں اور منزلوں کے پہچاننے کے لئے ستاروں کا تھوڑا بہت علم ضروری تھا۔ بارش کی انکو سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اسلئے علم الانواء بھی اونکے کام کا تھا۔ چونکہ جدال و قتال عربوں کی قومی خصوصیت تھی اسلئے اونکو اپنا اپنا قبیلہ اور اپنا اپنا

گروہ مجتمع رکھنے کے لئے علم انساب کی احتیاج تھی۔ سفر اور لڑائی کے لئے یہ لوگ گھوڑوں اور اونٹوں کے محتاج تھے۔ اسلئے جہاں انہیں ایک طرف طب انسانی کی ضرورت تھی تو دوسری طرف وہ طب حیوانی کی بھی ضرورتمند تھے۔ قدرتی مناظر کی سیر و تفریح اور صفائی ذہن وجودت طبع کا لازمی نتیجہ تھا کہ فن شعر میں وہ تمام ہمجنسوں سے سبقت لیجائیں۔

جاہلیت چونکہ تمام توہم پرستوں کی جڑ ہے اسلئے اہل عرب بھی اپنی جاہلیت کے زمانہ میں ان باتوں سے محفوظ نہ رہ سکے یہی وجہ ہے کہ اس دور میں کہانت و عرافت زجر و رمل کا بڑا زور شور تھا

اب ہم دور جاہلیت کے علوم کو بغرض سہولیت چار قسموں میں منقسم کرتے ہیں۔ علوم عربیہ علوم طبیعہ۔ علوم ریاضیہ۔ علوم ماوراء الطبیعہ۔

۱۔ علوم عربیہ کے ذیل میں۔ لغت۔ امثال۔ اخبار۔ نسب۔ خطابت اور شعر شامل ہیں

۲۔ علوم طبیعہ کے ماتحت۔ طب۔ بیطاری اور ہواؤں کے علوم ہیں۔

۳۔ علوم ریاضیہ کی مد میں۔ علم نجوم۔ علم الاصنام وغیرہ آتے ہیں

۴۔ علوم ماوراء الطبیعہ سے مراد۔ کہانت و عرافت۔ عیافہ و قیافہ۔ تعبیر رویا۔ زجر و رمل وغیرہ ہیں

چونکہ ہمارے نقطۂ خیال سے اس زمانہ جاہلیت کے علوم میں سے صرف علوم عربیہ زیادہ اہم ہیں اور انمیں بھی شعر کو جو رتبہ حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ اسلئے انکو آخر میں تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ شروع ہم علوم ماوراء الطبیعہ وغیرہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اہم نہیں ہیں۔ سرسری طور پر بیان کر دینا کافی ہوگا۔

علوم ماوراء الطبیعہ

علم کہانت و علم عرافت یہ دونوں علم غیب کی باتیں جاننے کے متعلق ہیں۔ زمانہ آیندہ کے حالات دریافت کرنے کا تعلق کہانت سے تھا اور پچھلی باتوں کا علم۔ عرافت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا تھا۔ کبھی کہانت و عرافت سے ایک ہی قسم کا علم مراد تھا اور اسمیں کچھ فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ بہرحال یہ دونوں علم۔ جاہلیت کی عربوں میں نمایاں وقعت رکھتے

تھے۔ اور کاہنوں کی بڑی تعظیم و تکریم کیجاتی تھی۔ جو عرب بت پرست تھے اونکا اعتقاد تہا کہ بتوں کے اندر روحیں حلول کر جاتی ہیں اور وہی روحیں کاہنوں کو تمام غیب کی باتیں بتا دیتی ہیں موحد عربونکا عقیدہ تھا کہ ملائکہ آسمان سے اتر کر انہیں تمام پوشیدہ خبریں کہہ جاتے ہیں۔ روحوں سے مراد اونکی جن ہوا کرتی تھی۔ اور جو فرشتہ یا جن کہ کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اوسکو ہاتف کہتے تھے غرضکہ عربوں میں کاہن کا بڑا رتبہ تھا۔ اسی کو عالم۔ فلسفی۔ طبیب۔ حاکم اور مذہبی پیشوا سب کچھ خیال کرتے تھے۔ جو کام وہ کرتا تھا وہ اوسکی غیب دانی پر محمول کیا جاتا تھا۔ یہ بیماروں کا علاج منتر جنتر سے کرتا۔ اگر کسی مشکل میں کوئی اس سے مشورہ لیتا تو وہ خط رمل کھینچکر یا گرہ لگا کر اوسپر کوئی منتر پھونک پھانک کر رائے دیتا غرضکہ اپنے معتقدین کو دھوکہ دینے کے لئے کاہنوں نے مختلف ڈھکوسلے نکال رکھے تھے اکثر جواب دینے میں فقرات مسجع استعمال کرتے۔ کہیں کہیں ذو معنی فقرے بولتے تاکہ دونوں میں سے کوئی نہ کوئی بات تو صحیح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کاہنین عرب کی ایک خاص زبان ہوگئی تھی جو بہ نسبت دوسروں کی زبان کے بہت ممتاز تھی۔ ہم یہاں مثال کے طور پر شق انمار اور سطیح بن مازن کے قول پیش کرتے ہیں ربیعہ بن نصر اللخمی نے جو یمن کے بادشاہوں میں سے تھا۔ ایک خواب دیکھا تو سطیح نے کہا۔

احلف بما بین الحرتین من حنش لیھبطن ارضکم الحبش ویملکن ما بین ابین الی جرش

شق انمار نے کہا

احلف بما بین الحرتین من انسان۔ لینزلن ارضکم السودان ولیغلبن علی کل طفلة البنان۔ لیملکن الی ما بین ابین ونجران

عرب اپنے کاہنوں پر بہت فخر کرتے تھے۔ چنانچہ انکا یہ قول بہت مشہور ہے کہ احبار یہود میں۔ رہبان نصاریٰ میں اور کاہن عرب میں ہوتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ عربوں میں یہ علم کہاں سے آیا۔ ممکن ہے کہ یہی اسکے بانی مبانی ہوں

لیکن عام خیال یہ ہے کہ عربوں نے جہاں نجوم کلدانیوں سے سیکھا تھا وہیں علم کہانت بھی انہیں لوگوں سے حاصل کیا۔ کلدانیوں میں اسکا بڑا رواج تھا۔ مگر کلدانی جنکو بابلی بھی کہتے ہیں غیر عرب نہ تھے قوم عاد کی وہ جماعت جو بابل میں حکمراں ہوئی۔ کلدانی یا اہل بابل کے نام سے مشہور ہوئی۔

مشہور کاہن بلاد عرب میں بہت سے کاہن مرد اور عورت مشہور ہوئے۔ سب سے زیادہ شق انماری و سطیح الذہبی مشہور ہیں انکی بابت بے شمار لغو اور بے بنیاد حکائتیں مروی ہیں۔ شق انماری کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کا آدھا دھڑ تھا۔ اور سطیح صرف گوشت ہی گوشت تھا اسکے تمام جسم میں سوائے کاسہ سر کے اور کوئی ہڈی نہ تھی۔ اسکا چہرہ سینہ پر تھا۔ اسلام سے کچھ پیشتر خنافر بن توام اور سواد بن قارب مشہور کاہن گزرے۔ کاہن عورتوں میں ظریفہ بہن بہت مشہور ہوئی جیسا کہ اوپر کہیں بیان کر آئے ہیں سد مارب کے برباد ہونے کی پیشین گوئی اسی نے کی تھی۔ اسکے علاوہ۔ کاہنہ زبرار، سلمی ہمدانی اور عفیرا حمیری وغیرہ بہت مشہور ہوئیں۔

عرّافوں میں۔ عراف نجد یعنی ابلق الاسدی اور عراف یمامہ یعنی ریاح بن عجلہ مشہور ہوئے۔ اسلام نے آکر جہاں اور کفر و شرک۔ جہالت و ضلالت کی باتوں کی بیخکنی کی وہیں کہانت و عرافت کو بھی مٹا دیا۔

علم قیافہ یہ دو طرح کا تھا۔ ایک تو قیافۃ الاثر یعنی جانیوالے کا پتہ نقش قدم سے لگانا۔ اسی کو عیافہ کہتے ہیں۔ دوسرا قیافۃ البشر یعنی کسی شخص کے اعضا کی ظاہری صورتوں سے یہ پتا دینا کہ وہ کس قبیلہ کا ہے اور کس کی اولاد میں ہے ان دونوں علموں میں عربوں کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ یہ لوگ عورت اور مرد۔ جوان و پیر۔ بینا و نابینا۔ احمق و عقلمند کے نشان قدم میں فرق کر سکتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کسی غیر قبیلہ سے منسوب کر دیتا تھا تو محض اوسکی صورت سے حقیقت معلوم کر لیا کرتے تھے۔ علم قیافہ میں بنو مدلج

اور بنو لہب مشہور تھے۔

علم فراست | یہ علم بھی علم قیافہ سے ملتا جلتا ہے یعنی انسان کی شکل و وضع دیکھکر اوسکے اخلاق و عادات سے واقف ہو جانے کو فراست کہتے ہیں۔ عرب اس فن میں بھی بڑا کمال رکھتے تھے۔

تعبیر رویا | خواب کی تعبیر اگرچہ کہانت کا ایک جزو تھا۔ لیکن بجائے خود یہ ایک مستقل علم بھی تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسمیں پوری دسترس تھی

زجر | جانوروں کی آواز اور اونکی حرکات سے غیب کی باتوں کے معلوم کرنے کا نام زجر ہے۔ جہالت و توہم پرستی کی وجہ سے عربوں میں زجر کا بھی بہت رواج تھا۔ بنو لہب ابو ذویب الہذلی اور مرۃ الاسدی اس فن میں مشہور تھے۔ عربوں میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو ان خرافات کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ کسی شاعر جاہلی کا شعر ہے ؎

لعمرك ما تدري الطوارق بالحصى ولا زاجرات الطير ما الله صانع

علوم ریاضیہ جاہلیت

علم نجوم | چونکہ عرب خانہ بدوش تھے اور صحرا بصحرا مارے پھرتے تھے۔ اسلئے اپنے راستے اور مقامات دریافت کرنے کے لئے اگر ایک طرف انہیں تاروں کی دیکھ بھال کی ضرورت پڑی تو دوسری طرف حوادث آسمانی مثلاً قحط وغیرہ سے بچنے کے لئے انکو بارش کی علامتیں اور موسمی ہوا کے دریافت کرنے کی حاجت ہوئی

ان سب باتوں میں ترقی کرنے سے انکا علم نجوم ترقی کرتا گیا۔ یہانتک کہ ایک خاص حد کو پہونچ گیا۔ کچھ تو اونکا ذاتی تھا کچھ کلدانیوں سے سیکھا تھا اور کچھ ہندیوں سے لیا تھا۔ مگر زیادہ طور پر عرب علم نجوم میں کلدانیوں کے مقروض ہیں جسکی تفصیل یہ ہے کہ کلدانی علوم نجوم میں دنیا بھر کے استاد خیال کئے جاتے ہیں۔ پانچویں صدی ق م میں جب اہل فارس نے کلدانیوں کے ملک کو فتح کر لیا تو بہت سے لوگ قرب وجوار کے ملکوں میں چلے گئے۔ ان

تار کان وطن میں ایک جماعت کاہنوں اور نجومیوں کی تھی۔ یہ لوگ عرب میں جاکر آباد ہوئے۔ اور صابئین کا نام پایا۔ عربوں نے انہیں سے احکام نجوم۔ سیاروں کے نام۔ مناظر بروج اور شمس و قمر کی منزلیں معلوم کیں۔

نیچے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ عربی و کلدانی دونوں زبانوں میں برجوں کے نام کسقدر متشابہ ہیں۔

اسماے عربی	اسمار کلدانی	اسماے عربی	اسماے کلدانی
حمل	امرار	میزان	ماسانا
ثور	ثورا	عقرب	عقربا
جوزا یا توامین	تامی	قوس	قشتانا
سرطان	سرطان	جدی	کدیا
اسد	اریا	دلو	دولا
سنبلہ	شبلتا	حوت یا سمکہ	نونا

منازل شمس و قمر کے متعلق قواعد و اصطلاحات عرب کے نزدیک بڑی حد تک وہی ہیں جو کلدانیوں کے یہاں تھیں۔ مگر کلدانی قوم امم سامیہ میں داخل ہے اور جیساکہ ہم اوپر کہیں لکھ آے ہیں قوم عاد کی ایک شاخ ہے اور اوسکی زبان۔ لغت آرامی ہے۔ پس عربوں نے نجوم غیر قوم سے نہیں سیکھا بلکہ اپنی ایک شاخ سے جو بابل جاکر آباد ہوئی اونسے حاصل کیا اسکی مثال بعینہ ایسی ہے۔ جیسے انگریز۔ اہل امریکہ سے کوئی خاص علم سیکھیں اہل امریکہ نسلاً اور نیز لساناً انگریزوں سے غیر نہیں۔ اہل امریکہ کو انگریزوں سے جدا ہوے زیادہ عرصہ نہیں گذرا اسلئے اان دونوں کی زبانوں میں بہت کم فرق آیا ہے گر لب و لہجہ برابر بدلتا جاتا ہے بابلی عاد عربوں سے سیکڑوں برس پہلے جدا ہوگئے تھے اسلئے اونکی زبان اور عربی میں بہت کچھ فرق آگیا۔ ستاروں کے نام عربی میں بہت قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں اسلئے

معلوم ہوتا ہے کہ عرب قدیم زمانہ سے اونکو پہچانتے ہیں اونمیں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ بنات نعش کبرے وصغرے۔ سہا۔ ظلبا۔ ربع۔ رابض۔ عوائذ۔ ذئبین۔ نثرہ۔ فرقد۔ قدر۔ راعی۔ کلب الراعی۔ اغنام۔ رامح۔ سماک۔ عصا۔ ضباع۔ اولاد الضباع۔ سماک رامح حارس السماء۔ اظفار۔ فوارس۔ کف الخضیب۔ عیوق۔ عنز۔ جدیین وغیرہ۔ عربوں نے دورۂ قمری کو ۲۸ منزلوں میں اس حساب سے تقسیم کیا تھا کہ ایک رات میں وہ ایک منزل طے کرتا ہے۔ جب اوسکے پورے تیرہ دور ختم ہو جاتے تھے تو وہی سال شمسی شمار کیا جاتا تھا۔ بنو ماریہ بن کلب اور بنو مرہ ابن ہمام علم نجوم میں ماہر گذرے ہیں۔

توقیت یعنی حساب ماہ و سال عربوں میں کوئی خاص سنہ مروج نہیں تھا۔ جو سال کسی اہم واقعہ کی وجہ سے مشہور ہو جاتا تھا۔ عرب اوسی سے تاریخ شمار کرتے تھے چنانچہ جس سال اصحاب الفیل کا واقعہ ہوا۔ اوس سال سے بھی انکا سنہ شروع ہوتا تھا۔ قریش ہشام بن المغیرہ المخزومی کی موت سے تاریخ کا حساب لگاتے تھے۔

عربوں کے یہاں ۱۲ مہینے ہوتے تھے اور شمسی و قمری حساب کو برابر رکھنے کے لئے لوند کا مہینا ہر تیسرے سال زیادہ کر لیتے تھے۔ عربی میں اس زیادتی کو کبس اور نسی کہتے ہیں۔ حجۃ الوداع سے پہلے تک لوند کا رواج عرب میں برابر جاری رہا لیکن جب قران شریف کی آیت انما النسی زیادۃ فی الکفر الخ نازل ہوئی تو یہ دستور ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

زمانہ جاہلیت میں مہینوں کے یہ بھی نام تھے۔ موتمر۔ ناجر۔ اخوان۔ صوان۔ حنتم۔ زبار۔ اصم۔ عادل۔ نافق۔ واغل۔ ہواع۔ برک۔ اسی طرح دن کے نام بھی مختلف تھے۔ اول۔ اھون۔ جبار۔ دبار۔ مونس۔ عروبہ۔ شبار۔

علم الاصنام

عربوں نے بھی یونانیوں کی طرح کچھ حد تک اجرام فلکیہ کو اپنا دیوتا بنا لیا تھا او

وہ اونکی پرستش کرتے تھے۔ اور اونکے متعلق بہت سے لغو اور بیہودہ روایتیں مشہور کر رکھی تھیں۔ اونکا خیال تھا کہ کواکب ہیں بھی آدمیوں کی طرح لڑائیاں اور شادی بیاہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے علم کو علم الاصنام کہتے ہیں جسمیں آسمانی دیوتاؤں کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ اہل عرب۔ علم نجوم ہی کے ساتھہ اس علم کو بھی شریک کرتے تھے۔

علوم طبیعہ

علم طب طب اون علوم میں سے ہے جنکے بانی مبانی ہونے کا فخر محققین یورپ کے نزدیک کلدانیوں کو حاصل ہے ان سے پھر دوسری قوموں نے سیکھا۔ جب یہ علم یونان پہونچا تو انہوں نے اس طرف پوری توجہ مبذول کرکے بڑی ترقی کی۔ اہل یونان سے رومیوں اور فارسیوں نے یہ علم حاصل کیا۔ عرب ان سب قوموں کے ہمعصر تھے اسلئے انہوں نے سب سے تھوڑا بہت اخذ کیا اور پھر اسپر اپنے ملکی تجربات اور معلومات بڑھالئے تا اینکہ جاہلیت کے علم طب کی ایک خاص نمایاں حالت ہوگئی تھی۔ عربوں میں علاج کے دو طریقے مروج تھے۔ ایک تو یہی باقاعدہ دوا دارو کا دوسرا جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کا آخر الذکر طریقہ کاہنوں کے ہاتھہ میں تھا۔ پرانی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی کاہن کسی مریض کا علاج کرنے جاتا تھا تو اوسکے ہمراہ دو نوکر ہوتے تھے۔ ایک کے ہاتھہ میں جنتر منتر اور تعویذ گنڈوں کا بقچہ ہوتا تھا تو دوسرے کے پاس دواؤں کا صندوقچہ۔ وہ دونوں طریقوں سے علاج کرتا تھا۔

انکا طبی علاج بعینہ ویسا ہی ہوتا تھا جیسا کہ مصری وغیرہ قدیمی اقوام میں مروج تھا۔ یہ لوگ مفرد دوائیاں اور شربت اور خصوصًا شہد بہت استعمال کرتے تھے۔ امراض کے علاج میں زیادہ تر وہ پچھنے اور داغ سے کام لیتے تھے اونکا مقولہ تھا کہ اخر الدواء الکی یعنی آخری علاج داغ دینا ہے

جاہلیت کے مشہور طبیبوں میں سے حارث بن کلدہ ثقفی اور ابن حزیم ہیں۔
مقدم الذکر طائف کا باشندہ تھا اور علم طب میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ بلاد عرب میں یہ بہت مشہور تھا آخر عمر میں مشرف باسلام بھی ہوا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بیمار مسلمانوں کو اوسکے پاس معالجہ کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ انکا انتقال ۱۳ھ میں ہوا

علم بیطاری | چونکہ اونٹ اور گھوڑے عربوں کی خاص ضرورت کے جانور تھے جنکے بغیر انکی زندگی عرب جیسے ملک میں محال ہوتی۔ اسلئے انکو ان جانوروں کے علاج معالجہ کی طرف بھی پوری توجہ تھی۔ اور وہ اس فن میں بھی ماہر ہوتے تھے۔ اونٹ گھوڑوں کی طب کو آجکل علم بیطاری کہتے ہیں۔ اس علم میں عاص ابن وائل بہت مشہور تھا

نچھتر اور موسمی ہوا کا علم | نچھتر اور موسمی ہوا کے علم سے مراد وہ علم ہے جسکا تعلق بارش اور موسمی ہواؤں کے ساتھ ہے عرب ان باتوں کو بعض کواکب کے طلوع اور غروب کا اثر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علم الانواء علم نجوم کی ایک شاخ ہے ستارہ کے طلوع کو نوء اور اوسکی تاثیر کو بارح کہتے ہیں۔

عرب نزول باراں کو اوس ستارے کی تاثیر کی طرف منسوب کرتے تھے جو اوس وقت طالع ہوتا تھا اور اوسکے نام کے ساتھ نچھتر کو منسوب کرتے تھے اٹھائیسوں نچھتر یا ستارے اونکے اعتقاد میں بارش ہوا گرمی اور سردی کے اسباب تھے۔ ان کی اشعار میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمانی حوادث اور سال کی فصلوں کی تبدیلی کو مختلف کواکب کے طلوع و غروب کے ساتھ متعلق کرتے تھے مثلاً

اذا ما قارن القمر الثریا لثالثۃ فقد ذہب الشتاء

یعنی جب قمر اور ثریا دونوں تیسرے ستارے کے مقارن ہوں تو سمجھو کہ جاڑا گیا

چونکہ عربوں کو اپنے سفر میں راستہ کی شناخت کے لئے ہوا کی سمت دریافت کرنے کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ اسلئے اونکو ہواؤں کے رُخ کا بھی پورا پورا علم حاصل تھا۔

علوم عربیہ جاہلیت

علم لغت ہم اپنے مقدمہ میں زبان عربی کے متعلق مفصل بیان کر آئے ہیں۔ اوسکے پڑھنے سے عربی کی حقیقت تم پر خوب واضح ہو گئی ہوگی۔ یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ عربی کا سامی زبانوں میں شمار ہے اور اہل عرب ہمیشہ سے اسی زبان کو بولتے چلے آئے ہیں اس دور میں قبائل عرب کی مختلف لب ولہجہ تھے مگر قریش کی زبان سب سے زیادہ صاف وشستہ اور نہایت فصیح سمجھی جاتی تھی۔ پس عربی سے عموماً قریش ہی کی زبان مراد ہے۔ اسے علم لغت کہتے ہیں۔

مگر وہ اس دور میں مدوّن نہیں ہوا تھا۔ اسکی تدوین بعد اسلام ہوئی تفصیل دوسرے دور کے ذکر میں آئیگی۔ مدوّنہ علم لغت کا ماخذ زمانہ جاہلیت ہی کی نظم ونثر ہے۔ لغویوں نے انہیں کے کلام سے استناد واستشہاد کرکے لغت کو علم کی شکل میں مدوّن کیا اور پھر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ جاہلیت کے عرب نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ اسلیے اس دور میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی مگر ان لوگوں کا حافظہ بلا کا تھا۔ شعرا اپنے قصائد زبانی پڑھتے تھے اور سننے والے بعض ایک دفعہ سنکر ہمیشہ کے لئے یاد کر لیتے تھے۔ ان لوگوں کے سینوں کو اگر ایک طرف اشعار کا دیوان اور خطبات کا مجموعہ سمجھو تو دوسری طرف لغت کی قاموس اور ڈکشنریاں خیال کرو۔

اسلام سے پہلے عربی۔ جزیرہ نمائے عرب کے چار حدود میں محصور تھی۔ مگر جہاں اسلام نے ایک طرف اپنی روحانی تعلیم سے اوسکے تمدن وتانق کو تمام اقوام متمدنہ کی تہذیب وتعلیم کا سرچشمہ بنادیا۔ وہاں دوسری طرف اسکے زبان کو دنیا کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک مروج کر دیا۔ عرب۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ طرابلس۔ تونس۔ جزائر۔ مراکش۔ سوڈان۔ وسط افریقہ۔ ان سب ممالک کی زبان آج بھی عربی ہے۔ مزید براں جو مسلمان ان ملکوں کے علاوہ اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ بھی دینی غرض

و مذہبی خیال سے اس زبان کو سیکھتے سکھاتے ہیں۔ اگر ایک طرف جزائر فلپین میں مسلمانوں کو علوم عربیہ کا شائق و قدردان پاؤگے تو دوسرے طرف امریکہ میں بھی تمہیں ایسے مسلمان ملیں گے جنکو عربی سے خاص تعلق ہے۔ ترکی۔ فارسی۔ اردو۔ ہندوستانی اور افریقی زبانوں کو دیکھو اپنی ہستی ہیں۔ عربی کے کس قدر گراں بار احسان ہیں۔

امثال

عربی لٹریچر میں امثال کا وجود خاص طور پر نمایاں ہے۔ جسقدر اسکا ذخیرہ یہاں موجود ہے اور کسی زبان میں نہیں۔ اور نہ ایسے وہاں اسقدر اہمیت۔ کہا جاتا ہے کہ عربی میں ڈراما نہیں بیشک نہیں۔ مگر امثال نے اسکی کمی بڑی حد تک پوری کردی۔ چونکہ اختصار و ایجاز عربی کی خاص خصوصیت ہے اور فصاحت و بلاغت اسکی خانہ زاد کنیزک۔ اسلئے متقدمین کے بے شمار اقوال نظم و نثر دونوں سامعین پر اثر پیدا کرنے میں ایسے مقبول ہوئے ہیں کہ اونکے تحریر و تقریر میں لانے سے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی خوبی پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کا سننے اور پڑھنے والے پر ایکٹر کے ایکٹ سے کہیں زیادہ اثر ہوتا ہے۔

یہ عربی مثلیں ایک طرف حکمت کے نکتۂ سربستہ ہیں تو دوسری طرف واقعات عرب کے تاریخی ماخذ۔ ہم دونوں قسم کی چند مثالیں یہاں بیان کرتے ہیں۔

امثال حکمیہ | ان البغاث بارضنا یستنسر۔ رب رمیۃ من غیر رام انت تئق وانا مئق فمتی نتفق۔ الجار قبل الدار۔ الحرب خدعۃ۔ الخطاء زاد العجول العتاب قبل العقاب۔ جوع کلبک یتبعک۔ الحدیث ذو شجون۔ سبق السیف العذل۔ مصارع الرجال تحت بروق الطمع۔ اول الحزم المشورۃ۔ من عز بز

۱-۲ امثال تاریخیہ | اشأم من البسوس۔ لا افعلہ حتی یئوب المنخل وافق شن طبقۃ۔ لامر ما جدع قصیر انفہ۔ ما یوم حلیمۃ۔ تفرقوا ایدی سبا وغیرہ۔

کتب الامثال سب سے پہلے عبید بن شریہ نے اس فن میں کتاب تالیف کی مگر یہ ضائع ہو گئی۔ اسکے بعد مندرجہ ذیل مولفین کے نام قابل ذکر ہیں۔ یونس نحوی المتوفی ۱۸۲ھ ابو عبیدہ المتوفی ۲۱۱ھ۔ ثعلب المتوفی ۲۹۱ھ۔ ابو عبید القاسم بن سلام المتوفی ۲۲۳ھ المفضل الضبی و ابو ہلال العسکری و محمد بن حبیب البغدادی و حمزہ الاصفہانی وغیرہ

ان کتابوں کی بہت سے لوگوں نے شرحیں لکھیں جسمیں سے زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ کی کتاب المستقصی۔ اور میدانی المتوفی ۵۱۸ھ کی مجمع الامثال زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ لغت اور ادب کی دوسری کتابوں میں بے شمار مثلیں ملتی ہیں۔

الانساب

جاہلیت کے عربونکو اپنے نسب کا بڑا خیال تھا اونکا اعتقاد تھا کہ اخلاق موروثی ہوتے ہیں۔ اسلئے اپنی ذاتی تعریف کی غرض سے اپنے باپ دادا کے کارنامے اور اون کا سلسلۂ نسب سب من و عن زبانی یاد رکھتے تھے۔ جہاں فخر کا موقعہ آتا فوراً اپنا سارا نسب نامہ سنا ڈالدیتے اسکے علاوہ قبائل کی مختلف شاخوں میں باہمی تعلق و قرابت قائم رکھنے کے لئے اونکو سلسلۂ نسب کے محفوظ رکھنے کی بڑی ضرورت تھی۔ لڑائیوں کے موقع پر محض قرابت ہی کی بنا پر ایک قبیلہ دوسرے کی مدد کرتا تھا۔ بدیں وجوہ عرب کو نسب کی طرف خاص توجہ تھی یوں تو کم و بیش تمام عربوں کو نسب تھوڑا بہت معلوم تھا۔ مگر اونمیں ایک گروہ محض نسب نامے یاد رکھنے کا کام کیا کرتا تھا۔ یہ جماعت اسی فن میں نہایت ماہر ہوا کرتی تھی۔ ہر قبیلہ اس جماعت میں سے ایک دو نفر کو ملازم رکھ لیتا تھا تاکہ وہ اوسکی طرف سے اوسکے نسب کو محفوظ رکھے۔ ہندوستان میں اس گروہ کی مثال بعینہ میراثیوں کی سی ہے۔ آباد اجداد پر فخر کرنا جاہلیت کی خصوصیت ہے۔ جوں جوں علم کی روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسکا بازار سرد ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں میراثیوں کا اب وہ زور نہیں رہا جو پہلے تھا۔ دغفل بن حنظلہ الشیبانی۔ زید بن الکیس۔ عمیرہ۔ ابن لسان وغیرہ عرب کے مشہور نساب تھے۔

عرب کے نسب کے متعلق ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یہ لوگ بنو قحطان اور بنو عدنان ہیں۔ عرب اپنے نسبوں کو چھ طبقوں میں منقسم کرتے ہیں۔ مورث اعلیٰ کو شعب کہتے ہیں۔ مثلاً عدنانیوں کا شعب عدنان ہے۔ شعب کے حصوں کو قبائل کہتے ہیں۔ مثلاً قبیلہ مضر، قبیلہ ربیعہ۔ قبیلہ کی شاخوں کو عمارہ کہتے ہیں مثلاً قریش وکنانہ عمارہ ہیں۔ عمارہ کی شاخوں کو بطن کہتے ہیں مثلاً بنی عبد مناف و بنی مخزوم بطن ہیں فخذ بطن کا حصہ ہے جیسے بنی ہاشم و بنی امیہ اور فصیلہ فخذ کی شاخ ہے جیسے بنی ابی طالب۔ بنی عباس۔ مسلمانوں نے ابتدائے اسلام میں اس علم کو مدون کیا جسکی تفصیل آگے اپنی جگہ پر بیان ہو گی

علم اخبار

جاہلیت کے عربوں کو علم تاریخ صحیح معنوں میں حاصل نہ تھا۔ اسکی بنیاد تو مسلمانوں ہی نے ڈالی اور انہیں نے اسے کمال کو پہونچا کر چھوڑا۔ عرب اپنے اسلاف کے چند مشہور کارنامے اور قصے ضرور جانتے تھے۔ چنانچہ اونکے اشعار میں بے شمار تلمیحات پائی جاتی ہیں انہیں ثمود و عاد وغیرہ اقوام بائدہ کے نام معلوم تھے اور اونکی تباہی کے اسباب بھی جانتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل کا مکہ معظمہ آنا۔ کعبۃ اللہ کا بنانا زمزم کا قصہ۔ جرہم کی حکایت۔ قصی کے کارنامے۔ حلف الفضول کی حقیقت۔ بنیاد کعبہ کی تجدید۔ زمزم کا دوبارہ برآمد ہونا۔ یہ سب باتیں انکے علم میں تھیں۔ عرب کے مشہور لڑائیوں مثل جنگہائے داحس۔ بسوس۔ وذی قار و فجار وغیرہ کے حالات انہیں معلوم تھے یمن کے بعض بعض بادشاہوں کے حالات سلیمان وبلقیس کا قصہ۔ سد مارب کی حکایت۔ اصحاب الاخدود کا واقعہ۔ یمن پر حبشیوں کا تصرف اصحاب الفیل کا حملہ اور اونکی بربادی۔ ان سب باتوں سے یہ بے خبر نہ تھے۔

ہمنے جو کچھ جاہلیت کے عربوں کی معلومات تاریخیہ کی بابت کہا ہے اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ جو کچھ اونکو معلوم تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ نہیں۔ بعض واقعات کا تو اونکو صحیح علم

تھا۔ اور بعض کا غلط۔ بعض ایسے حالات معلوم تھے کہ اونکا کچھ حصہ صحیح تھا تو کچھ حصہ غلط۔ وہ واقعات جو قریب تر زمانہ کے متعلق تھے اونکے حالات اونکو صحیح طور پر معلوم تھے۔ اصحاب الفیل کا قصہ چونکہ بہت آخری واقعہ ہے۔ اس لئے اسی ذیل سے ہے۔

خطابت

خطابت اور شاعری عرب کی خاص خصوصیات میں سے ہیں۔ یہ دونوں کمال اونکی فطرت میں داخل تھے ہر قبیلہ کا جس طرح ایک ایک شاعر ہوتا تھا اسی طرح ایک ایک خطیب بھی ہوتا تھا۔ عرب اگرچہ اُمّی تھے نہ لکھے نہ پڑھے لیکن اونکی نظم و نثر کی فصاحت و بلاغت کا کیا ٹھکانا اگرچہ خطابت خداداد ملکہ ہے لیکن تاہم زمانہ طفولیت سے ہونہار جوانوں کو اسکے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ شاعروں کی طرح خطیبوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی مگر زمانہ جاہلیت کے جو خطبے ہم تک پہونچے ہیں وہ اشعار کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت کے اشعار و خطبات اوسی زمانہ میں تو مدوّن ہو نہ سکے ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے اپنے حافظہ کی مدد سے جو کچھ سینہ بسینہ چلا آرہا تھا جمع کیا۔ نظم خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہو۔ آسانی سے یاد رہ سکتی ہے نثر اوسکے مقابلہ میں تھوڑی بھی مشکل سے ذہن میں محفوظ رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ خطبوں کا اکثر و بیشتر حصہ ضائع ہو گیا صرف چند خطبات کے چند فقرے جو مسجع اور مقفیٰ ہونے کی وجہ سے شعر کے ہم پلہ تھے راویوں کو یاد رہ سکے اور پھر مدوّن ہوکر ہم تک پہونچ سکے

اسباب خطابت غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں بوجوہ مندرجۂ ذیل خطابت کا زیادہ زور شور تھا۔

۱۔ چونکہ عرب ناخواندہ تھے اسلئے لازمی طور پر بجاے تحریر کے تقریر اون کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد تھی۔

۲۔ چونکہ اونکو فصاحت و بلاغت پر قدرت حاصل تھی اور شاعری و خطابت اونکی فطرت

میں داخل تھیں اسلئے جہاں انکو ذرا کوئی دشواری پیش آتی تھی وہ زبان سے کام لینے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ تمنے اکثر دیکھا ہوگا کہ جسمیں تقریر کا زیادہ مادہ ہوتا ہے وہ ہر موقعہ پر طول طویل بحث کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

۳۔ چونکہ عرب چھوٹے چھوٹے قبیلوں اور جماعتوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے اس لئے تقریر کے موقعہ پر وہ آسانی سے ایک جگہ جمع ہوجایا کرتے تھے۔

۴۔ عرب میں چونکہ نہ تو ڈاک وغیرہ کا سلسلہ تھا نہ آسانی سے سفر ہوسکتا تھا۔ اسلئے اگر مقامات بعیدہ پر پیغام بھیجنا ہوتا تھا تو سوائے اسکے کہ ایک وفد بھیجدیا جائے اور کوئی صورت ممکن نہ تھی اس وفد کا فصیح و بلیغ ہونا اور برجستہ تقریر کرنے پر قدرت رکھنا نہایت ضروری ہوتا تھا

۵۔ عربوں میں جدال و قتال اور کشت خوں کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا پس جوش و ہمت دلانے کے لئے تقریر سے بڑھکر اور کون چیز ہوسکتی تھی۔

اب ہم خطابت کے اغراض اور اونکے موقعے بتاتے ہیں۔

۱۔ لڑنے اور بدلہ لینے کے لئے جوش دلانے کا۔ خطابت سے بڑھکر بہتر کوئی اور طریقہ نہ تھا

۲۔ جب فریقین لڑتے لڑتے عاجز آجاتے تھے تو باہمی صلح بھی اسی کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔

۳۔ فخریہ خطبوں کے ذریعہ سے ایک طرف دشمنوں کو مرعوب و خوف زدہ کیاجاتا تھا۔ تو دوسری طرف دوستوں کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

۴۔ قبائل کے سرداروں اور قرب و جوار کے بادشاہوں کے پاس جب سُفرا جاتے تھے تو اونکو وہاں بڑی بڑی اسپیچیں دینی ہوتی تھیں۔ اس طرح کے سفرا۔ وفد کہلاتے تھے۔ یہ طریقہ عرب میں عام تھا۔ اہل عرب خود اپنے امرا کے پاس بھی وفد بھیجا کرتے تھے جیسے حضرت حسان ابن ثابت حیرہ میں نعمان کے پاس گئے۔ اور دوسرے ملک کے بادشاہوں کے پاس بھی بھیجا کرتے تھے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلعم کے پاس بھی تمام قبائل عرب کے وفد آتے رہتے تھے۔

۵۔ معاملۂ نکاح طے کرنے کے لئے خطبہ ہی کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔

۱۔ مرنے والا خطبہ ہی کے ذریعہ سے مرنے کے وقت وصیت کے طور پر اپنے پس ماندگان کو نصیحت و ہدایت کیا کرتا تھا۔

عربوں میں خطیبوں کی تعداد شعرا سے کم نہ تھی۔ مگر ہم تک بہت تھوڑے خطبے پہونچے ہیں کیونکہ نثر بمقابلہ نظم کے مشکل سے یاد رہتی ہے۔ خطبے بڑے اور چھوٹے دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ عام طور پر مختصر اور چھوٹے خطبوں کو پسند کیا جاتا تھا۔ کیونکہ انکے یاد رکھنے میں آسانی ہوتی تھی۔

خطیب سوائے نکاح کے موقع کے۔ یا تو کھڑے ہوکر ورنہ کسی اونچی جگہ یا اونٹ پر چڑھکر خطبہ دیتا تھا۔ بہادر۔ بلند آواز۔ فصیح زباں۔ قوی الحجّت۔ خوش لباس۔ کریم الاصل ناصح اعمل ہونا خطیب کے اوصاف سمجھے جاتے تھے۔

عرب کے خطباے متقدمین میں کعب بن لوی۔ حرثان بن محرث اور سحبان بن وائل تھے حرثان بن محرث کو ذوالاصبع عدوانی بھی کہتے ہیں۔ سحبان کی فصاحت نہ صرف عرب میں بلکہ تمام دنیا میں مشہور رہی ہے۔ یہ نہ کبھی کوئی لفظ دوہراتا تھا اور نہ بیچ میں ٹھہرتا تھا۔

انکے علاوہ قیس بن خارجہ (خطیب جنگ داحس وغبرا)۔ خویلد بن عمرو (خطیب یوم الفجار) قس بن ساعدۃ الایادی (خطیب عکاظ) اور اکثم بن صیفی (ملک الخطباء نعمانیہ) بہت مشہور ہوئے ہیں۔ اگرچہ رسول مقبول صلعم کا قس بن ساعدۃ کو سوق عکاظ میں سرخ اونٹ پر سوار ہوکر خطبہ دیتے ہوئے دیکھنا مروی ہے لیکن یہ روایت غلط ہے۔

اب ہم یہاں چند خطبے نمونہ کے طور پر درج کرتے ہیں۔

ہانی بن قبیصہ نے جنگ ذی قار میں یہ خطبہ دیا تھا۔

یا معشر بکر۔ هالك معذور خیر من ناج فرور إن الحذر لا ینجی من القدر وان الصبر من اسباب الظفر المنیه ولا الدنیه۔ استقبال الموت خیر من استدبارہ۔ الطعن فی ثغر النحور اکرم منه فی الاعجاز والظهور۔ یا آل بکر۔ قاتلوا فما للمنایا من بدٍّ

جب رسول اللہ صلعم کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح ہوا تو ابو طالب نے یہ خطبہ دیا تھا۔

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراہیم۔ وزرع اسمٰعیل۔ وجعل لنا بلداً حراماً وبیتاً محجوجاً وجعلنا الحکام علی الناس ثم ان محمد بن عبد اللہ ابن اخی من لا یوازن به فتی من قریش الا رجح علیه براً وفضلاً وکرماً وعقلاً ومجداً ونبلاً وان کان فی المال قل فانما المال ظل زائل وعاریة مسترجعة وله فی خدیجة بنت خویلد رغبة ولها فیه مثل ذلك وما أحببتم من الصداق فعلیّ

قس بن ساعدہ کا جو سوق عکاظ کا مشہور خطیب تھا۔ یہ خطبہ مروی ہے۔

ایها الناس۔ اسمعوا وعوا۔ من عاش مات ومن مات فات وکلُّ ما هو آتٍ آتٍ لیلٌ داج ونهارٌ ساج وسماءٌ ذات أبراج ونجوم تزهر وبحار تزخر وجبال مرساة وأرض مُدحاة وأنهار مُجراة۔ ان فی السماء لخبرا وإن فی الأرض لعبرا ما بال الناس یذهبون ولا یرجعون أرضوا فأقاموا؟ أم تُرِکوا فناموا یقسم قسٌّ باللہ قسماً لا إثم فیه۔ ان للہ دیناً هو أرضی لکم وأفضل من دینکم الذی انتم علیه۔ إنکم لتأتون من الأمر منکراً اس کے بعد قس نے یہ اشعار پڑھے۔

فی الذاهبین الاولین من القرون لنا بصائر

لما رایت مواردا للموت لیس لها مصادر

ورأیت قومی نحوها تمضی الأکابر والاصاغر

لا یرجع الماضی الیّ ولا من الباقین غابر

أیقنت أنی لا محا لة حیث صار القوم صائر

اس خطبہ کی نسبت شرق شناسان یورپ کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ نے (نعوذ باللہ) اپنے قران میں اسی خطبہ کے طرز کی تقلید کی در حقیقت یہ خطبہ قس بن ساعدہ کا نہیں ہے۔ اسلام کے بعد کہا گیا ہے اور غلطی سے قس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ کتب معتبرہ میں اسکا کہیں وجود

نہیں پایا جاتا۔ مگر ہمارے کرمفرما مستشرقین کا تو یہ عام طریقہ ہے کہ جہاں کہیں بے بنیاد و غلط سلط روایت اپنے مطلب کے موافق دیکھتے ہیں فوراً اوس سے استشہاد کرکے ایک دعویٰ لایعنی قائم کردیتے ہیں۔

اکثم بن صیفی کا یہ خطبہ مشہور ہے۔

ان افضل الاشیاء أعالیها وأعلى الرجال ملوکهم وافضل الملوك أعمّها نفعاً وخیر الازمنة أخصبها وافضل الخطباء اصدقها الصدق منجاة والكذب مهواة والشرّ لجاجه والحزم مرکب صعب والعجز مرکب وطئ۔ آفة الرأي الهوى والعجز مفتاح الفقر وخیر الامور الصبر حسن الظن وَرطة وسوء الظن عِصمة اصلاحُ فساد الرعیّة خیر من اصلاح فساد الراعی من فسدت بطانته کان کالغاصّ بالماء شر البلاد بلاد لا امیر بها۔ شر الملوك من خافه البرئ۔ المرء یعجز لا المحالة افضل الاولاد البررة خیر الاعوان من لم یُراء بالنصیحة احق الجنود بالنصر من حَسُنت سریرته۔ یکفیك من الزاد ما بلغك المحل حسبُك من شر سماعه الصّمتُ حُکمٌ وقلیل فاعله البلاغة الإیجاز من شدّ دنفّر ومن تراخی تألف

زمانہ جاہلیت میں شاعر کی عزت بہ نسبت خطیب کے بہت زیادہ تھی لیکن جب اسلام آیا تو خطیب کی وقعت بڑھ گئی۔ کیونکہ مسلمانوں کو دعوت اسلام دینے اور جمعیت مجتمع کرنے کے لئے خطیبوں کی بیحد ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عہد اسلام میں خطبہ نے نہایت ترقی کی۔

شعر جاہلیت

تمہید | علوم جاہلیت میں سے شعر کو جو اہمیت اور فوقیت حاصل ہے وہ کسی اور علم کو نہیں۔ اسی شعر جاہلیت کی بابت کہا گیا ہے کہ الشعر دیوان الجاہلیت اور اسی شعر جاہلیت میں قران مجید کے الفاظ کی تشریح و تفسیر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ان من الشعر لحکمة۔ فاذا الیس علیکم شئ من القران فالتمسوه فی الشعر

ہم یہاں شعر کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاہتے نہ ہمکو اسکی مختلف منطقی تعریفوں سے سروکار ہے

شعر سے ہر شخص واقف ہے۔ پس جو کچھ وہ اس لفظ سے مراد لیتا ہے وہی ہماری مراد ہے اور وہی درحقیقت شعر ہے۔ شعر سے نہ کوئی زبان خالی ہے اور نہ کوئی قوم۔ ہاں کمیت وکیفیت کا فرق ضرور ہے (ہم جس قوم کی شاعری سے اسوقت بحث کر رہے ہیں اسکو اس فن میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ انکی شاعری۔ فصاحت و بلاغت میں اور نیز جذبات انسانی کی صحیح طور پر تصویر کھینچنے میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ یہ لوگ فطرةً شاعر پیدا ہوئے تھے۔ اور نہایت تیز حس ذکی الطبع اور زود فہم تھے ملک کے اسباب طبیعہ نے انہیں استقلال۔ حریت شجاعت کے بیش بہا جوہر بخشے تھے پھر زبان عربی کی فصاحت و بلاغت وسعت و موزونیت کا لحاظ کرو۔ جس نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اگر عرب فطرةً شاعری کا مادہ رکھتے تھے تو اونکی زبان شاعری کے لئے بہترین صلاحیت رکھتی تھی گویا کہ یوں سمجھو کہ شاعری کے لئے عربی زبان ہی مناسب ہے۔ عربی شعر و شاعری کا مبحث بجائے خود نہایت مہتم بالشان ہے ہمارا اس موضوع پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب کے ختم ہونے پر اوسے شروع کرینگے۔ مگر چونکہ کسی قوم کی تاریخ ادبی اوس کے شعر و شاعری کے ذکر و بیان بغیر مکمل نہیں ہوسکتی اسلئے ہم اپنی اس کتاب میں بھی اجمالی اور سرسری طور پر عربی شاعری کا ذکر کرتے ہیں

آغاز عربی شاعری یہ تو تمکو معلوم ہے کہ عربوں پر انتہا درجہ کی بدویت غالب تھی۔ یہ لوگ خانہ بدوش وصحرا نورد تھے ہمیشہ آب و گیاہ کی تلاش میں اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ اونٹوں کے پاؤں سے جو موزوں آواز یا حرکت پیدا ہوتی تھی اوس سے انکی طبیعت یہانتک مانوس ہوگئی تھی کہ اپنے خیالات وجذبات کو بھی ایسے لفظوں میں ادا کرتے جو اونٹوں کی پاؤں کے آواز سے زیر و بم میں ملجاتے تھے۔ اسکی بعینہ ایسی مثال سمجھو جس طرح امیر خسرو نے آدھی رات کی نوبت کے تال میں یہ الفاظ ملا دیئے تھے۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ نان کہ خوردی خانہ برو خانہ برو

خانہ برد الخ۔ یانداف کی روئی دُھنکنے کے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے اوسکو امیر نے یوں ادا کیا۔

در پئے جاناں جاں ہم رفت ۔ جاں ہم رفت جاں ہم رفت۔ رفت جاں ہم رفت
ایں ہم رفت وآں ہم رفت ۔ آنہم رفت آنہم رفت۔ اینہم آنہم اینہم آنہم آن ہم رفت
رفتن رفتن رفتن دہ دہ دہ رفتن دہ رف رف رفتن دہ رفتن دہ

غرضکہ صدیوں پہلے صحرا نورد شتر بانوں کو اونٹوں کے پاؤں کی تالدار آواز نے قدرتی طور پر موزونیت سکھادی تھی۔ یہ آواز انکے حق میں بمنزلہ تال تھی۔ جب مناظر قدرتی کی تفریح وسیر سے اونکے دل میں محبت وعشق بازی۔ عداوت وشجاعت کے جذبات پیدا ہوتے تو وہ اونٹوں کی آواز پا کی مدد سے موزوں الفاظ میں اونکی زبان سے نکلنے لگتے۔ اس طرح سے رفتہ رفتہ مسجع اور موزوں فقرے جنہیں رجز کہتے ہیں بولنے کی قدرت پیدا ہوگئی۔ اور یہی رجز ابتداً حُدی کا کام دیتے تھے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھو کہ حدی خوانی شاعری کی پہلی منزل تھی۔ اونٹوں کی آواز پا سے موزونیت کا پیدا ہونا بظاہر تعجب خیز ضرور ہے لیکن ہم جب یہاں ہندوستان کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جاکر کنوئیں سے کھیتوں کو پانی پلانے کا منظر دیکھتے ہیں تو ہمارا تعجب جاتا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چرس کا کنوئیں میں پانی تک پہونچنا۔ اور پھر اوسکا پانی سے بھر جانا پھر بیلوں کا اوسے کھینچنا یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اونکی حرکت وآواز سے خود بخود چرس کھینچنے والے میں گانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

قصہ مختصر رجز میں شاعر اپنے جذبات نفسانی کو بیان کرتا اپنے مُردوں پر مرثئے کہتا اور اپنے دشمنوں کی ہجو کرتا۔ جب دو حریف مقابلہ کے لئے بڑھتے تھے تو جوش میں رجز پڑھتے۔ یہ دو چار شعر سے زیادہ نہیں ہوتے تھے مگر نقارۂ جنگ کا کام دیتے تھے۔ جب کوئی عزیز یا دوست مرجاتا تھا تو رجز میں اسکی لاش پر نوحہ کرتے تھے۔ اسی کو مرثیہ کہتے ہیں۔ اسکے بعد قصیدہ شروع ہوا۔ غرضکہ رفتہ رفتہ رجز سے شعر کے مختلف وزن انہیں معلوم ہوگئے

اور وہ باقاعدہ مختلف قسم کے شعر کہنے لگے۔ اور اس میں بھی آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی۔ تا اینکہ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں عرب کی شاعری اوس معیار کو پہونچ گئی جو آجتک قائم ہے

عربی شاعری کا باوا آدم

عربی شاعری کی اس تدریجی نشو و نما میں کسی شخص کو آدم الشعرا کہنا محض بے معنی ہے اور یہ بھی قرین قیاس نہیں کہ عربی شاعری کی ابتدا ۵۰۰ء سے ہے۔ کیا اس سے پہلے کی شاعری اس کے بعد کی شاعری سے بہت مختلف تھی۔ جو اس شاعری کو اوس شاعری سے ممتاز کیا جاتا ہے یہ واضح رہے کہ ارتقائے تدریجی میں کوئی درجہ اپنے قریب کی فوقی و تحتی درجہ سے ممتاز نہیں ہوتا۔ ۵۰۰ء کی عربی شاعری کو دیکھو وہ اسقدر کمال کو پہونچی ہوئی تھی کہ یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ اُسی صدی کی ساختہ و پرداختہ تھی۔

بات یہ ہے جیساکہ ہم نے پہلے کہیں بیان کیا ہے کہ چونکہ اہل عرب امی و ناخواندہ تھے اسلئے وہ اپنے کلام کو مدون نہ کرسکے۔ اونکا کلام صرف چند پشتوں تک سینہ بسینہ چلتا رہتا تھا اور پھر امتداد زمانہ کے ساتھ نسیًا منسیًا ہو جاتا تھا۔ جن مسلمانوں نے اسکی تدوین کی طرف توجہ کی اونکے زمانہ تک زیادہ سے زیادہ دو سو برس پہلے کا کلام راویوں کے سینوں میں محفوظ رہسکتا تھا۔ اشعار جاہلیہ کی تدوین باقاعدہ طور پر آٹھویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اُسوقت صرف دو سو ڈھائی سو برس پہلے یعنی ۵۰۰ء کے بعد کا کلام راویوں کو یاد تھا۔ اس معنی کر عربی لٹریچر کی ابتدا ۵۰۰ء سے قائم کیجاتی ہے۔ اس صورت میں مہلہل کو عربی شاعری کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے کیونکہ اوس سے پہلے کسی شاعر کا کلام ہم تک نہیں پہونچا۔ اوسکے بعد اسکے بھانجے امرالقیس نے شاعری کو زمین سے آسمان تک پہونچا دیا۔ اور تمام عربوں پر ہمیشہ کے لئے اپنا سکہ بٹھا دیا

عربوں میں شعر گوئی کی کثرت

ہم تک عرب جاہلیہ کا کلام صرف ڈیڑھ سو دو سو برس کا پہونچا ہے اسکا ذخیرہ دیکھو کہ کس قدر بڑا ہے۔ اتنا تو کسی ترقی یافتہ قوم نے صدیوں میں بھی جمع نہیں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو تمام۔ مولف حماسہ کو زمانہ جاہلیت

کی چودہ ہزار نظمیں زبانی یاد تھیں حماد کو ہر ایک حرف تہجی کے قافیہ کے ایک ایک ہزار قصیدے یعنی کل ستائیس ہزار قصائد یاد تھے۔ اصمعی سولہ ہزار نظموں کا حافظ تھا ابوضمضم نے ایک مرتبہ ایسے سو شاعروں کے اشعار نقل کئے جنمیں سے ہر ایک کا نام عمرو تھا۔ ان روایتوں میں ممکن ہے کہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو۔ مگر تاہم اس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ عربوں کے اشعار کا مجموعہ بہت ہی بڑا تھا۔ اسمیں سے ہم تک عشر عشیر بھی نہیں پہونچا باقی حصہ سب ضائع ہو گیا۔

شعر جاہلی کی خصوصیات

تکلف و تصنع سے خالی ہونا

اہل عرب پر بدویت غالب تھی اور تمدن و تانق۔ تہذیب و تعمق سے اونکو کچھ علاقہ نہ تھا۔ وہ اپنے خیموں میں سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ نہ اون میں تکلف تھا نہ تصنع۔ جو بات منہ سے نکالتے تھے وہی ہوتی تھی جسکا اونکو احساس ہوتا تھا۔ نہ اوسمیں مبالغہ نہ مضمون آفرینی یہی حال اونکے اشعار کا تھا کہ بالکل نیچرل اور طبعی ہوتے تھے اونکے نزدیک شعر وہی ہوتا تھا جسکو سنکر سامع بول اٹھے کہ واقعی سچ ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں زہیر بن ابی سلمیٰ کا یہ قول بہت مشہور رہے۔

وانّ اشعر بیت انت قائلہ   بیت یقال اذا انشدتہ صدقا

اگر عشقیہ مضامین شعر میں لاتے تو یہ ایسے سچّے جذبات ہوتے کہ تکلف و مبالغہ کو اسمیں کچھ دخل ہی نہیں ہوتا تھا اگر اپنے مُردوں پر مرثئے کہتے تو محض اپنے سچے رنج وحزن کا اظہار کرتے یہ نہیں کہ زمین اور آسمان کے قلّابے ملا ڈالتے۔ اگر کسی کی ہجو کرتے تو صداقت کی معیار سے دور نہ ہوتے۔ اور کلام فحش و بیہودہ سے احتراز کرتے۔ انکی مدح سچی مدح ہوا کرتی تھی اور واقعات کے مطابق۔ چنانچہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر جو اُنہوں نے آل جفنہ کی مدح میں کہا تھا نہایت بہترین خیال کیا جاتا ہے۔

یغشون حتی ما تھر کلابھم   لا یسئلون عن السواد المقبل

یعنی ممدوح اسقدر مہمان نواز اور فیاض ہیں کہ چونکہ راتوں کو اونکے یہاں ہمیشہ مہمان آتے رہتے ہیں اسلئے اونکے کُتے اجنبیوں پر نہیں بھونکتے ہیں اور نہ وہ خود کسی آنے والے سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ اونکے کلام میں نہ دور از کار استعارے ہوا کرتے تھے اور نہ پیچیدہ تشبیہات غریبہ۔

۲۔ **بلاغت کلام** | عرب جاہلیہ کا کلام نہایت بلیغ ہوا کرتا تھا۔ اور اونکا ایجاز سہل ممتنع کی حد کو پہونچا ہوا تھا۔ کلام جاہلیت ہمیں الفاظ متعلقہ کے لحاظ سے بظاہر مشکل اور غیر فصیح معلوم ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ عربیت پر ہم کو پورا عبور نہیں۔ اور الفاظ مترادفہ کے باریک فرق کو ہم سمجھ نہیں سکتے اسلئے ہمیں اونکے اشعار میں غرابت اور خشونت معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اہل زبان کے لئے اونکے اشعار جاہلیہ نہایت بلیغ ہیں[1]

۳۔ **اسلوب** | شعرا جاہلیہ کا خاص اسلوب تھا۔ وہ اپنے قصیدوں کو منزلوں اور ٹیلوں کی یاد سے شروع کرتے تھے اور پھر اوس سے گریز کرکے اصل مطلب کی طرف رجوع ہوتے۔ اکثر دو دوستوں کو خطاب کرکے معشوقہ کے پرانے کھنڈروں پر رونے کے لئے کہتے تھے۔ چنانچہ امرا القیس کا مشہور قصیدہ اس مصرعہ سے شروع ہوتا ہے ع

قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل

(ترجمہ) یعنی اے میرے دو دوستو۔ ٹھہرو ہم تم معشوق اور اوسکے فرودگاہ کی یاد میں روئیں

کبھی وہ مطلع میں کسی خاص عورت کا نام لاکر اوس سے تغزل و تشبیب کرتے۔ کعب بن زبیر نے اپنے اوس قصیدہ میں جو رسول مقبول صلعم کی شان میں کہا تھا سعاد سے تشبیب کی۔ یہ قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے جو اس قصیدہ کی ابتدائی دو لفظ ہیں۔ اسکا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　　متیم اثرها لم یفد مکبول

(ترجمہ) چونکہ سعاد نے مفارقت اختیار کرلی ہے اسلئے میرا دل زار و نزار۔ پارہ پارہ اور ایسا گرفتار رنج و حزن ہوگیا ہے کہ اوسکے رہائی کی امید ہی نہیں

[1] [illegible] ۱۳۲

۴- **ابواب شعر** | اصناف شعر بلحاظ مضمون اب تو دس سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ لیکن جاہلیت میں۔ فخر۔ حماسہ۔ مدح۔ مرثیہ۔ ہجو۔ وصف اور ادب یعنی حکمت و مثل صرف چھ سات تھے۔

ہم یہاں مثال کے طور پر ہر ایک قسم کی ایک ایک نظم درج کرتے ہیں۔

(الف) **فخریہ** عمرو بن کلثوم کا قصیدہ

أبا هند فلا تعجل علينا ۔۔۔ وانظرنا نخبرك اليقينا

بأنا نورد الرايات بيضاً ۔۔۔ ونصدرهن حمراً قد روينا

وأيام لنا غر طوال ۔۔۔ عصينا الملك فيها أن ندينا

وسيد معشر قد توجوه ۔۔۔ بتاج الملك يحمي المحجرينا

تركنا الخيل عاكفة عليه ۔۔۔ مقلدة أعنتها صفونا

(ب) **حماسہ** قطری بن الفجاءہ کے مندرجہ ذیل اشعار۔

أقول لها وقد طارت شعاعاً ۔۔۔ من الأبطال ويحك لا تراعي

فإنك لو سألت بقاء يومٍ ۔۔۔ على الأجل الذي لك لم تطاعي

فصبراً في مجال الموت صبراً ۔۔۔ فما نيل الخلود بمستطاع

ولا ثوب البقاء بثوب عزٍ ۔۔۔ فيطوى عن أخي الخنع اليراع

سبيل الموت غاية كل حي ۔۔۔ فداعيه لأهل الأرض داع

ومن لا يغتبط يسأم ويهرم ۔۔۔ وتسلمه المنون إلى انقطاع

وما للمرء خير من حياة ۔۔۔ إذا ما عدّ من سقط المتاع

(ج) **مدح**۔ زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے۔

وفيهم مقامات حسان وجوههم ۔۔۔ وأندية ينتابها القول والفعل

وإن جئتهم ألفيت حول بيوتهم ۔۔۔ مجالس قد يُشفى بأحلامها الجهل

على مكثريهم رزق من يعتريهم ۔۔۔ وعند المقلين السماحةُ والبذل

سعی بعدھم قوم لکی یدرکوھم　　فلم یفعلوا ولم یلیموا ولم یالوا

فما کان من خیر اتوہ فانما　　توارثہ آباء آبائھم قبلُ

وھل یُنبتُ الخطّیَّ الا وشیجہ　　وتغرس الا فی منابتھا النخل

(د) مرثیہ۔ یہ شعر مہلہل بن ربیعہ نے اپنے بھائی کلیب کے مرثیہ کے طور پر کہے تھے

نبئت ان النار بعدک اوقدت　　واستبّ بعدک یا کلیب المجلس

وتکلموا فی امر کل عظیمۃ　　لو کنت شاھدھم بھا لم ینبسوا

ایک اعرابی عورت نے اپنے بیٹے کا مرثیہ کس قدر دلسوز کہا

من شاء بعدک فلیمت　　فعلیک کنتُ احاذرُ

کنت السواد لناظری　　فعمی علیک الناظرُ

لیت المنازل والدیار　　حفائر ومقابرُ

انی وغیری لا محا　　لۃ حیث صرت لصائرُ

(ہ) ہجو۔ قریط ابن انیست اپنی قوم کی ہجو کرتا ہے۔

لو کنت من مازن لم تستبح ابلی　　بنو اللقیطۃ من ذھل بن شیبانا

لکن قومی وان کانوا ذوی عددٍ　　لیسوا من الشر فی شئ وان ھانا

یجزون من ظلم اھل الظلم مغفرۃً　　ومن اساءۃ اھل السوء احسانا

کان ربک لم یخلق لخشیتہ　　سواھم من جمیع الناس انسانا

فلیت لی بھم قوماً اذا رکبوا　　شدّوا الاغارۃ فرسانا ورکبانا

شاعر کہتا ہے: کہ اگر میں بنی مازن سے ہوتا تو بنی شیبان میرے اونٹ آسانی سے نہ لوٹ لیجاتے۔ افسوس۔ میں تو ایسے بزدل قوم کا ہوں کہ اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں لیکن ایک چھوٹے سے معرکہ کی بھی ان میں ہمت نہیں۔ وہ ظلم کا بدلہ معافی اور برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ گو یا کہ ان سے بڑھکر کوئی خدا ترس نہیں۔

دیکھو خداترسی و عفو اسلام کے نقطۂ خیال سے کسقدر محمود اوصاف ہیں۔ مگر عرب کا خود دار بہادر اسے کب گوارا کرسکتا ہے کہ وہ برائی کا بدلہ نیکی سے دے۔ اوسکے نزدیک شرافت و شجاعت کا یہی جوہر ہے کہ دشمن کو انتقام لئے بغیر نہ چھوڑا جائے۔

(و) وصف۔ امرؤالقیس اپنے گھوڑے کی صفت بیان کرتا ہے۔

وقد اغتدی والطیر فی وکناتها ۔۔۔ بمنجردٍ قیدِ الاوابد هیکلِ
مکرٍّ مفرٍّ مقبلٍ مدبرٍ معًا ۔۔۔ کجلمودِ صخرٍ حطّه السیل من علِ

طرفہ اوس سفینہ کی صفت بیان کرتا ہے جس سے اوسنے معشوق کی محملوں کو تشبیہ دی۔

کأنّ حدوج المالکیة غدوةً ۔۔۔ خلایا سفین بالنواصف من دد
عدولیة او من سفین ابن یامن ۔۔۔ یجور بها الملاح طوراً و یهتدی
یشق حباب الماء حیزومها بها ۔۔۔ کما قسم الترب المفایل بالید

(ز) ادب یعنی حکمت و امثال۔ زہیر بن ابی سلمی کے یہ اشعار اسی ذیل کے ہیں۔

واعلمُ ما فی الیوم والأمس قبله ۔۔۔ ولکنّنی عن علم ما فی غدٍ عمِ
رایت المنایا خبط عشواءٍ من تصب ۔۔۔ تمته ومن تُخطئ یعمر فیهرمِ
ومن لا یصانع فی امور کثیرة ۔۔۔ یضرس بانیابٍ ویوطأ بمنسمِ
ومن یجعل المعروف من دون عرضه ۔۔۔ یفره ومن لا یتّقِ الشتم یشتمِ
ومن یك ذا فضل فیبخل بفضله ۔۔۔ علی قومه یُستغنَ عنه ویذممِ
ومن هاب اسباب المنایا ینلنه ۔۔۔ وان یرق اسبابَ السماء بسلّمِ
ومن یجعل المعروف فی غیر اهله ۔۔۔ یکن حمده ذمًا علیه ویندمِ
ومن یعص اطراف الزجاج فانه ۔۔۔ یطیع العوالی رُکّبت کل لهذمِ
لسان الفتی نصف ونصف فؤاده ۔۔۔ فلم یبق الا صورة اللحم والدمِ
وان سفاه الشیخ لا حلم بعده ۔۔۔ وانّ الفتی بعد السفاهة یحلمُ

۵- ان الشعر دیوان العرب یعنی جاہلی شاعری عرب کی تاریخ ہے

شاعری جاہلیت کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ملک کا تمدن معاشرت۔ خانگی حالات۔ طریق بود و باند۔ خوراک و لباس۔ اسباب خانہ داری۔ اخلاق و اطوار۔ رسوم و اوضاع۔ ملک کی طبعی و جغرافی حالات۔ وہاں کی پیداوار اور حیوانات کی تفصیل۔ اس قسم کی جملہ باتیں اسقدر مفصل معلوم ہوسکتی ہیں کہ تاریخ بھی نہیں بتا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ شعر جاہلی کو عرب کا رجسٹر کہا گیا ہے ہمکو عرب کے زمانہ جاہلیت کی جسقدر حالات وعادات۔ علوم و اخلاق کا پتہ لگا ہے اون سب کا ماخذ اونکی شاعری ہے۔ بہت سے لوگوں نے صرف شعر جاہلیہ ہی سے مختلف قسم کا مواد لیکر مختلف کتابیں لکھی ہیں۔ اس قسم کی تالیفات میں - ابن قتیبہ کی کتاب الشعر و الشعرا۔ ابن جاحظ کی کتاب الحیوان ابو حنیفہ دینوری کی کتاب النبات اور سجستانی کی کتاب المعمرین وغیرہ وغیرہ دنیائے علمی کے بیش بہا کارنامے ہیں۔

۶- مفاخرت و مقابلت

عرب جاہلیہ میں مفاخرت و منافست کا مادہ زیادہ تھا۔ جب وہ لوگ ہر صنف میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے تو تمہیں اندازہ کرو کہ شعر گوئی کی رقابت کا تو کیا حال ہوگا اردو کی بزم شاعری میں سودا و انشا کی ہاتا پائی۔ انشا و مصحفی کی گالی گلوج۔ آتش و ناسخ کی نوک جھونک اور ذوق و غالب کی باہمی چشمک سے کون واقف نہیں۔ مگر عرب کے شعرا جاہلیہ اس بات میں بھی اردو کے شاعروں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔

۷- فضائل شجاعت و سخاوت

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ جاہلیت کی شاعری میں شجاعت و سخاوت جانبازی و مہمان نوازی۔ اباء نفس۔ و اقتحام حرب۔ آزادی و بیباکی عفت و عصمت وغیرہ کے مضامین جس کثرت سے پائے جاتے ہیں اوسقدر کسی اور شاعری میں نہیں ملتے۔

۸- صلہ کے لئے شعر

آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ روپیہ پیسہ کے لالچ سے شعر نہیں

نہیں کہتے تھے کہتے تھے۔ بلکہ یا تو اپنی عزت و شرافت۔ اعتبار و وقار قائم رکھنے کے لئے فخریہ طور پر شعر کہتے تھے یا کسی کی موت و جدائی سے متاثر ہو کر نوحہ خوانی کرتے تھے۔ اگر وہ کسی کی تعریف کرتے تو اسلئے نہیں کہ اوس سے صلہ ملے گا بلکہ اسلئے کہ وہ درحقیقت تعریف کے لائق ہے۔ غرضکہ جاہلیت کی شاعری کا دامن ابتدا سے لیکر مدت دراز تک طلب بخشش و صلہ کے لوث سے پاک صاف رہا ہے۔ وہ کسی کی جھوٹی تعریف کرنا ہی نہیں جانتے۔ نہ اونمیں شاعری کے ذریعہ سے کمائی کرنے کا دستور تھا۔ آخری دور میں البتہ حریص شاعر پیدا ہو گئے تھے ان سب میں زیادہ بدنام کنندہ نیکو نامے چند۔ اعشیٰ تھا جس نے شاعری کو باقاعدہ ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔ یہ نہایت فصیح قادر الکلام مشہور شاعر تھا۔ اکثر لوگ مشہور ہونے کے لئے اس سے اپنی شان میں اشعار کہلواتے تھے۔ جھوٹی سچی جسکی یہ تعریف کر دیتا تھا وہ مشہور ہو جایا کرتا تھا۔ نابغہ ذبیانی ربیع بن زیاد۔ منخل۔ حطیئہ وغیرہ چند شعراء جاہلیہ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے مدح گوئی سے کما کر ناموس شاعری کو بٹہ لگایا ہے۔ نابغہ مدح کے بدولت اسقدر دولتمند ہو گیا تھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتا تھا لیکن عرب میں اوسکی کچھ عزت باقی نہیں رہی تھی۔

۹۔ جاہلیت میں شعر و شاعری کی عظمت عرب میں جب کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا تو بڑی خوشی منائی جاتی تھی۔ جشن ہوتے تھے۔ ہر طرف سے یار و احباب۔ اعزہ و اقربا مبارکباد دینے آتے تھے۔ قبیلہ کی عزت و شان دفعۃً بلند ہو جاتی تھی۔ ایک ایک شعر ایک قبیلہ یا ایک شخص کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیتا تھا۔ جب شماخ بن ضرار نے عرابہ اوسی کے شان میں یہ شعر کہا

اذا ما رایۃ رفعت لمجد　　　تلقاھا عرابۃ بالیمین

یعنی جب عظمت و بزرگی کا جھنڈا کہیں بلند کیا جاتا ہے تو عرابہ اوسکو داہنے ہاتھ سے تھام لیتا ہے تو عرابہ کا نام تمام عرب میں مشہور ہو گیا اور آج تک یہ مصرع ضرب المثل ہے۔

محلق عرب میں ایک گمنام غریب شخص تھا اسکی تین بیٹیاں تھیں جنکو شوہر نہیں ملتا تھا

اتفاق سے اعشیٰ کہیں اس طرف آنکلا محلق کی بیوی کو جو اوسکی خبر پہونچی تو شوہر سے کہا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جسکی مدح کر دیتا ہے وہ تمام ملک میں مشہور ہو جاتا ہے محلق نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر فوراً اوسکی دعوت کردی اور خوب کھانا کھلایا شراب پلائی۔ اعشیٰ نے محلق کی اولاد کا حال دریافت کیا محلق نے کہا کہ تین لڑکیاں جوان ہوگئیں ہیں مگر بر نصیب نہیں ہوتا۔ اعشیٰ نے کہ اچھا ہم اسکی کچھ فکر کرینگے تم اطمینان رکھو۔ جب سوق عکاظ کا وقت آیا تو اعشیٰ نے مجمع عام میں ایک قصیدہ محلق کے مدح میں پڑھا جسکا مطلع یہ تھا۔

ارقت وما ھذا السھاد المورق وما بی من سقم وما بی معشق

قصیدہ ختم ہونے نہیں پایا تھا کہ محلق کے اردگرد لوگ جمع ہوگئے۔ اور اوسکی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ شرفاے عرب نے آکر لڑکیوں سے شادی کے پیغام دیئے اور وہ جلد معزز خاندانوں میں بیاہی گئیں

عرب میں جب سیاہ اوڑھنیوں کا رواج سٹ چلا تو مسکین دارمی نے جس کے پاس انکا ایک بہت بڑا ذخیرہ فروخت کرنے کے لئے تھا۔ دو شعروں میں ایک حسینہ کی تعریف کی جو سیاہ اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی۔ ان شعروں کو سنکر فوراً لوگوں میں کالی اوڑھنیوں کا شوق تازہ ہوگیا اور اوس کا تمام مال بہت جلد فروخت ہوگیا۔

نمیر ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ انکو اپنے حسب و نسب پر بڑا غرور تھا۔ اتفاق سے کہیں جریر شاعر کو اس قبیلہ کے کسی آدمی سے رنج پہونچا تو گھر آکر نمیر کی مذمت میں شعر کہنے بیٹھ گیا جب یہ شعر زبان سے نکلا۔

فغض الطرف انک من نمیر فلا کعبا بلغت ولا کلابا

تو وہ بہت خوش ہوا اور بولا کہ خدا کی قسم میں نے اسکو ابد تک کے لئے رسوا کر دیا۔ یہ شعر تمام عرب میں مشہور ہوگیا اور یہ حالت ہوگئی کہ اس قبیلہ کے کسی آدمی سے لوگ قبیلہ کا نام دریافت کرتے تو نمیر کا نام چھوڑکر اوپر کی پشتوں کا نام بتاتا تھا

ہر ایک قبیلہ میں کئی ایک شاعر ہوا کرتے تھے اون میں سے نامی شاعر۔ شاعر قبیلہ کے لقب سے مشہور ہوتا تھا۔ جب کسی قبیلہ کی دوسرے قبیلہ کا شاعر مدح کر دیتا تھا تو وہ قبیلہ تمام قبائل پر فخر کیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ تمیم کے شاعر۔ قبیلہ قیس کی مدح کیا کرتے تھے اسلئے قیس کو بڑا فخر تھا۔ اور تمیم والے اونکے سامنے شرم کے مارے سر اوٹھا نہیں سکتے تھے۔ لیکن جب قیس کی ایک دو شاعروں نے تمیم کی مدح کی تو یہ بھی سرخرو ہوگئے۔

ایک دفعہ اعشی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھکر آنحضرت کی طرف روانہ ہوا۔ کہیں حضرت ابوسفیان کو جو اوسوقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے اسکی خبر لگی تو اُنہوں نے قریش کو جمع کرکے کہا کہ یاد رکھو اگر اعشی محمد کے پاس پہونچ گیا اور اسلام لے آیا تو اپنے شعروں کے ذریعہ سے عرب میں آگ لگا دیگا۔ اسپر سب نے خوف زدہ ہو کر سو اونٹ جمع کر دیئے جنکو حضرت ابوسفیان نے اعشی کے پاس بھجوا دیئے اور اس طرح وہ اپنے ارادہ سے باز رکھا گیا غرضکہ شاعروں کا عرب میں بڑا اثر تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جن آکر انہیں مضامین بتا جاتے ہیں یا شیطان انکے استاد ہیں۔ انکو ساحر بھی سمجھا جاتا تھا۔ اونکی ہجو سے عرب بہت ڈرتے تھے اور شعرا کو کچھ دے دلا کر اون سے عہد لیلیتے تھے کہ اونکی ہجو نہ کریں جب ہجو کرنے والے شاعر اونکے قبضہ میں آجاتا تو اوسکے منہ میں لگام لگا دیتے تھے۔ عبد یغوث کو جس وقت بنی تیم نے قید کیا تو اوسنے ایک قصیدہ پڑھا جس کا یہ مطلع ہے۔

الا لا تلوماني كفى اللوم ما بيا فما لكما في اللوم نفع ولا ليا

آگے چلکر کہتا ہے

اقول وقد شدوا لساني بنسعة امعشر تيم اطلقوا من لسانيا

اول تو نظم قدرۃً آسانی سے یاد ہو جاتی ہے دوسرے عربوں کا حافظہ بلا کا تھا۔ جہاں شاعر نے قصیدہ۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہو پڑھا سننے والوں نے فوراً اذبر کر لیا۔ اور اب وہ ہر جگہ پڑھا جانے لگا۔ اگر کسی قطعہ یا شعر میں کوئی خاص مضمون ہوتا تھا پھر تو اوسکی شہرت کی کوئی حد نہیں

ہوتی تھی۔ خود شاعروں کو اونکے کسی شعر کے مضمون کے مناسبت سے کوئی خاص لقب ملجایا کرتا تھا۔ جو اسقدر مشہور ہوجاتا تھا کہ لوگ اصلی نام کو ترک کردیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ نابغہ ذبیانی کے اصلی نام زیاد بن عمر سے کون واقف ہے محض اوسکے اس مصرعہ سے ع

فقد نبغت لنا منهم شئون۔ نابغہ لقب ہوگیا۔

اس شعر نے

انا مسکین لمن أبصرنی ولمن حاورنی جد نطق

ربیعہ کو ہمیشہ کے لئے مسکین کا لقب دیدیا۔ اسی طرح ممزق۔ تابط شرا۔ اعصر۔ طرفہ ذی الرمہ۔ عجاج۔ وغیرہ وغیرہ لقب ہیں۔ نہ کہ نام۔

روایت شعر عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کسی شاعر کا ظہور ہوتا تھا تو ایک شخص ہمیشہ اوسکے ساتھ رہنے لگتا تھا اس شخص کا یہ کام ہوتا تھا کہ وہ اپنے شاعر کے کلام کو یاد رکھکر اوروں تک پہونچائے اور خود اوسکو دوسروں کے اشعار سنائے۔ ایسے شخص کو راوی کہتے تھے اسکی حیثیت قریب قریب شاگرد کی سی ہوتی تھی۔ یہ اپنے استاد کو دوسروں پر ترجیح دیتا۔ اوسکی طرف سے لڑتا جھگڑتا اور ہر جگہ اوسکی تعریف وتشہیر کرتا تھا۔

عربی شاعری اور آب وہوا یہ امر ظاہر ہے کہ آب وہوا کا انسان کے اخلاق واطوار۔ ذہانت وذکاوت پر اثر پڑتا ہے شہریوں کے مقابلہ میں اہل بادیہ زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔ سرد ملکوں کے باشندے گرم مقامات کے رہنے والوں سے زیادہ چست وچالاک پائے جاتے ہیں۔ پھر ایک ہی ملک میں دیکھو کہ سطح مرتفعہ اور پہاڑی حصہ کے رہنے والوں کے ذہن نسبتاً زیادہ صاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ چونکہ نجد پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں کی آب وہوا مقابلتاً زیادہ فرحت بخش ہے۔ چنانچہ قیس کا یہ شعر اسکے تعریف میں مشہور ہے۔

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیة من عرار

اس لئے یہاں کے لوگ تیز طبیعت ہوتے ہیں۔ عرب میں مشہور ہے کہ افصح العرب اہل السروات

- سروات۔ تین پہاڑی سلسلوں کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نجد کو شاعری میں بقیہ سرزمین عرب کے رہنے والوں پر تفوق حاصل ہے

خیال کیا جاتا ہے کہ ۴۰ فیصدی شعراے جاہلیہ نجد میں ہوئے۔ اور ۲۰ فیصدی حجاز۔ اور اسیقدر یمن میں اور باقی عراق بحرین وغیرہ میں۔ اگر اہل نجد بلاغت میں مشہور تھے تو اہل حجاز فصاحت و رقت کلام میں ممتاز

شاعری اور مختلف قبائل

عرب کے قبائل اپنی شاعری کے اعتبار سے متفاوت درجے رکھتے تھے قبیلہ ربیعہ سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اسمیں حارث بن حلزہ متلمس و اعشی وغیرہ جیسے بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے

ربیعہ کے بعد نمبر قیس کا تھا۔ اور یہ مضر کی ایک شاخ ہے۔ اسمیں سے دونوں نابغہ۔ زہیر بن ابی سلمی۔ لبید اور حطیہ جیسے شعراے فحول پیدا ہوئے۔

تمیم تیسرے درجہ پر تھا یہ بھی مضر کی ایک شاخ ہے۔ اسمیں سے اوس بن حجر مشہور شاعر ہوا یہاں تک تو ذکر بدوی شعرا کا تھا۔ رہے اہل شہر یعنی مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور طائف والے۔ انمیں بہت کم شاعر ہوے۔ حضرت حسان بن ثابت کا رتبہ ان سب شہری شاعروں سے بڑھا ہوا تھا۔

جاہلیت کا سب سے بڑا شاعر

اہل عرب اور علماے ادب یہ مسئلہ طے نہ کرسکے کہ جاہلیت کا سب سے بڑا شاعر کون تھا۔ اور یہ طے کرنا کچھ آسان بات بھی نہ تھی کیونکہ ہر شخص کا مذاق شعر مختلف ہوتا ہے۔

لیکن اسپر سب کا اتفاق ہے کہ اصحاب معلقہ (جنمیں نابغہ بھی شامل ہے) بہترین شعرا ہیں۔ اور انمیں بھی فضیلت امرؤ القیس۔ زہیر بن ابی سلمی اور نابغہ میں محدود ہے۔ رہا یہ کہ ان تینوں میں کون افضل ہے۔ اسمیں بڑا اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہیر کو سب پر ترجیح دیتے تھے اور حق بجانب ترجیح دیتے تھے۔ ایک روز آپ نے عبداللہ بن عباس سے فرمایا کہ بہترین شاعر

کے شعر پڑہو۔ عبداللہ نے کہا کہ وہ کون۔ فرمایا زہیر۔ انہوں نے وجہ ترجیح دریافت کی تو آپ
نے جواب میں کہا کہ "زہیر نامانوس الفاظ استعمال نہیں کرتا ہے اور نہ اسکے کلام میں پیچیدگی ہوتی ہے
اور اوسی مضمون کو باندہتا ہے جس سے خوب واقف ہوتا ہے۔ جس کسی کی مدح کرتا ہے تو اونہیں
اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اوسمیں ہوتے ہیں"۔ زہیر کے بعد اونکے نزدیک نابغہ اور امرأالقیس
کا نمبر تھا۔ فرزدق کے نزدیک امرأالقیس۔ جریر کے خیال میں نابغہ۔ اور اخطل کی رائے میں اعشی
اشعرالشعرا تھا۔ ابن احمر۔ زہیر کو۔ ذوالرمہ لبید کو۔ ابن مقبل طرفہ کو۔ اور کمیت عمرو بن کلثوم کو سب سے
بڑا شاعر سمجھتا تھا۔ ابوعبیدہ المتوفی ۲۰۹ھ نے جو ہارون الرشید کے زمانہ میں اصمعی کے پلہ کا ادیب
تھا یہ ترتیب قائم کی تھی۔ امرأالقیس۔ زہیر۔ نابغہ۔ اعشی۔ لبید۔ عمرو۔ طرفہ۔

یہ قول بھی مشہور ہے کہ اشعرالشعراء امرء القیس اذا غضب والنابغہ اذا رہب
وزہیر اذا رغب واعشی اذا طرب

تعداد شعراء جاہلیہ چونکہ عرب فطرۃً شاعر تھے اور اونکی زبان بھی شاعری کے لئے بہت موزوں
تھی۔ اسلئے اونکے شعرا کا بے حد و بے حساب ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہم اونکی صحیح تعداد
بتانے سے عاجز ہیں۔ کیونکہ بے شمار شاعروں کا کلام مدوّن نہونے کی وجہ سے ضائع ہوگیا اور
ہمیں اونکے نام تک بھی معلوم نہیں۔ ہم تک جنکا کلام پہونچا ہے اگرچہ وہ اصلی تعداد کے مقابلہ میں
عشر عشیر بھی نہین۔ مگر تاہم اونکا شمار سیکڑوں پر ہے۔ انمیں بہت سے تو ایسے ہیں جنکے طرف
ایک ایک دو دو شعر ہم کو ملے ہیں بہتوں کی نسبت بجز اونکے ناموں کے ہمیں اور کچھ معلوم نہیں
سوا سو (۱۲۵) کے قریب ایسے شعرا ہیں جنکا عربی کتابوں میں ذرا بسط کے ساتھ ذکر ہے تقسیم شعرا بحسب قبائل یہ ہے

موالی غیر عرب	ایاد	یہود	قضاعہ	قریش	تمیم	مضر	ربیعہ	یمن	قیس
۳۰	۲۳	۲۱	۱۹	۱۲	۱۰	۴	۴	۲	۱

یہ سب شعرا چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں گذرے ہین۔ ان مین بعض ایسے بھی ہیں جو اسلام کے
بعد تک زندہ رہے اور جنکو شاعر مخضرمی کہتے ہیں

طبقات الشعراء جاہلیہ

شعراء جاہلیہ کے طبقے قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں کئی شخصوں نے اس طرف توجہ کی۔ ابوزید القرشی نے اپنی کتاب جمہرۃ اشعار العرب میں ۴۹ شعرا کے ۴۹ قصاید سات بابوں کے تحت میں جمع کئے۔ جنکی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اصحاب المعلقہ یعنی امرالقیس۔ زہیر۔ نابغہ ذبیانی۔ اعشی۔ لبیہ۔ عمرو بن کلثوم طرفہ۔ عنترہ

۲۔ اصحاب المجمہرات یعنی عبید بن الابرص۔ عدی۔ بشر۔ ابیہ بن ابی الصلت۔ خداش النمر

۳۔ اصحاب المنتقیات یعنی مسیب۔ مرقش الاصغر۔ متلمس۔ عروہ۔ مہلہل۔ درید۔ تنتخل ہذلی

۴۔ اصحاب المذہبات یعنی حسانؓ بن ثابت۔ عبداللہ بن رواحہ۔ مالک بن عجلان۔ قیس بن خطیم۔ احیحہ بن الحلاج۔ ابوقیس۔ عمرو بن امرا القیس۔

۵۔ اصحاب المراثی یعنی ابوذوئب الہذلی محمد بن کعب۔ اعشی باھلہ علقمۃ ابوزبید متمم بن نویرہ مالک بن ریب

۶ اصحاب المشوبات یعنی نابغہ۔ جعدہ۔ کعب بن زہیر۔ قطامی۔ حطیہ۔ شماخ۔ عمرو بن احمر تمیم بن مقبل

۷۔ اصحاب الملحمات۔ یعنی فرزدق۔ جریر۔ اخطل۔ عبدالراعی۔ ذوالرمۃ۔ کمیت طرماح اس تقسیم میں دور اموی کے شعرا بھی شامل ہیں۔

اسکندر ابکاریوس نے اپنی کتاب طبقات الشعرا میں جاہلی شعرا کے تین طبقے قائم کئے ہیں۔ پہلے طبقے میں ۱۴۔ دوسرے میں ۳۴ تیسرے میں ۱۰ کل ۵۸ شعرا کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ واضح نہیں کہ کس اعتبار سے یہ تین طبقے قائم کئے گئے ہیں جرجی زیدان نے شعراء جاہلیہ کو

اونکے اغراض کے اعتبار سے ۱۳ طبقوں میں اس طرح پر تقسیم کیا ہے۔

اصحاب المعلقات	امیر شعرا	شعراء بہادر و جنگجو	حکیم شعرا	عشاق
۱۰	۱۴	۲۸	۴	۸
صعالیک	یہود	گانے والے شاعر	عورتیں	ہجو گو
۷	۴	۱	۴	۴
وہ جنہوں نے گھوڑوں کی تعریف و توصیف میں شعر کہے		غیر عرب		بقیہ متفرق شعرا
۴		۱		۳۶

یہ کل ۱۲۵ شعرا ہوئے۔

ہم اولاً اصحاب معلقات کا ذکر کر کے چند مشہور شعرا کا مختصر حال بیان کرینگے۔

اصحاب المعلقات

سبع معلقات قبل اسکے کہ ہم اصحاب المعلقات کا ذکر کریں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معلقات کا کچھ حال لکھیں

تم نے اوپر کہیں پڑھا ہوگا کہ سوق عکاظ میں ہر سال بڑے بڑے شعرا جمع ہو کر اپنے اپنے قصیدے پڑھا کرتے تھے جسکا قصیدہ سب سے بہتر اور عمدہ ہوتا تھا اوسے آب زر سے لکھکر خانہ کعبہ کے دروازہ سے لٹکا دیتے تھے۔ ایسے قصیدوں کی تعداد رفتہ رفتہ سات کو پہونچ گئی تھی۔ لٹکائے جانے کی وجہ سے سبع معلقات اور آب زر سے لکھے جانے کی وجہ سے سبع مذہبات کے نام سے مشہور ہوگئے۔ انہیں ساتوں قصیدوں کو السموط بھی کہتے ہیں۔

مشرق شناسان مغرب اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسبات کا فیصلہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ یہ قصیدہ سب سے افضل ہے۔ اور پھر عرب کا مغرور شاعر اپنے قصیدہ کے خلاف کسی فیصلہ کو کب تسلیم کر سکتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اوس زمانہ میں لکھنا بہت ہی کم لوگ جانتے تھے۔ انکا خیال ہے کہ آب زر سے لکھے جانے کی روایت محض لفظ المذہبات سے

پیدا ہوئی۔ جسکے معنی آب زر سے لکھے ہوئے کے لئے گئے۔ حالانکہ نفیس چیز کو بھی مذہبات کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکائے جانے کی حکایت لفظ معلقات سے پیدا ہوئی جسکے معنی لٹکائے ہوئے کے سمجھے گئے۔ درحقیقت یہ لفظ علق سے مشتق ہے جسکے معنی چیز گرانمایہ کے ہیں چنانچہ عربی میں کہتے ہیں کہ ھذا علق مضنۃ یعنی یہ ایسی نفیس چیز ہے کہ اسمیں بخل کر سکتے ہیں۔ ان کی رائے میں ان قصائد کے ساتھ لفظ معلقات یا مذہبات کا استعمال بہت بعد میں ہوا۔ شائد جس شخص نے ان سات قصائد کو جاہلیت کے دفتر بے پایاں سے پہلے پہل منتخب کیا اوسی نے انکو یہ دونوں لقب بھی دیئے۔ اور وہ شخص حماد راوی المتوفی سنہ ۷۷۲ء تھا جو خلیفہ مہدی کے زمانہ میں گذرا ہے کن اصول پر حماد راوی نے انکو منتخب کیا کوئی نہیں بتا سکتا جرمنی مستشرق نولدیکے کا خیال ہے کہ طول طویل ہونے کی وجہ سے اونکو منتخب کیا گیا اسوجہ سے انکو سبع الطوال بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے عربی داں مغربی دوست اپنے دعوے کی تائید میں کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکائے جانے کی روایت نہ خدا کے کلام میں ہے نہ رسول کی حدیث میں کتاب الاغانی میں بھی اسکا پتہ نہیں۔ سب سے پہلے یہ روایت موضوعہ ابن عبدربہ المتوفی سنہ ۹۴۰ء نے اپنی کتاب عقد الفرید مین بیان کی ہے۔ اور امام لغت احمد النحاس المتوفی سنہ ۹۴۹ء نے بھی اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر وہ ساتھ ہی اسے بے بنیاد بھی قرار دیتا ہے۔

ہم یہاں اس مغربی طریقۂ استدلال پر تنقید اور بحث نہیں کرنا چاہتے۔ سر دست قارئین کی رائے پر چھوڑتے ہیں۔

الغرض سبع معلقات اہل زبان کے نزدیک نہایت فصیح و بلیغ، مستند و معتبر مانے گئے ہیں۔ اصحاب المعلقات کے بارہ میں کچھ خفیف سا اختلاف ہے۔ صاحب جمہرۃ نے انکی تعداد آٹھ قائم کی ہے زوزنی کے نزدیک سات ہے اسنے نابغہ اور اعشی کے بجائے حارث بن حلزہ کو رکھا ابو زکریا تبریزی نے عبید بن الابرص کے قصیدہ کو بھی معلقات میں شمار کیا ہے۔ یوں

باختلاف روایت کل دس شاعروں کا معلقات سے تعلق ہے ہم ان سب کا فرداً فرداً مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

۱۔امرءالقیس | اسکا باپ حجر بنی اسد کا بادشاہ تھا۔ایک دن کسی اسدی نے اوسکو مار ڈالا تو امرءالقیس نے بنی بکر و تغلب کی مدد سے اسد پر چڑھائی کرکے بہتوں کو قتل کر ڈالا۔آخر وہ بھاگ گئے۔منذر بن ماءالسماء والئ حیرہ سے اسکے خاندان سے پشتینی دشمنی تھی۔تمدن دولت حیرہ کے ذکر میں پڑھا ہوگا کہ اسکا دادا حارث جو اوس وقت کندہ کا بادشاہ تھا منذر کو حیرہ سے نکالکر خود قابض ہوگیا تھا۔منذر نے اب اسکے خلاف بنی اسد کی مدد کی اس متحدہ قوت کا یہ مقابلہ نہ کرسکا آخر اپنا سامان و اسلحہ حرب سموال بن عادیا کے پاس امانت رکھکر حارث بن ابی شمر غسانی بادشاہ کے وساطت سے قسطنطنیہ پہونچ گیا۔قیصر روم نے اسکی بڑی خاطر مدارات کی۔جب وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں مرگیا۔کہا جاتا ہے کہ کسی بات پر قیصر اس سے ناراض ہوگیا تو قیصر نے اسکو زہر آلود قبا خلعت کے طور پر بخشا اوس نے راستہ میں جب پہنا تو جسم پر بڑے بڑے آبلے پڑگئے۔اور اونمیں پیپ پڑگئی۔ان آبلوں کی وجہ سے اسے ذوالقروح بھی کہنے لگے مگر وہ کچھ دنوں کے بعد ۵۴۰ء میں مرگیا۔یہ نہیں معلوم کس عمر میں مرا۔غالباً جوانی ہی میں اوسکی زندگی ختم ہوگئی۔

یہ شخص بڑا عیاش تھا اسوجہ سے ملک الضلیل اسکا لقب تھا۔جری و بیباک ایسا تھا کہ جب شگون لینے کے وقت تیر اسکے موافق نہ نکلتا تو وہ بت کے منہ پر پھینک مارتا۔حاضر جوابی و بدیہ گوئی میں کامل تھا۔عبید بن الابرص نے جو ایک جاہلی شاعر تھا ایک دفعہ راستہ میں اس سے آٹھ چیستاں اشعار میں پوچھے اس نے سب کا جواب فی البدیہ اشعار ہی میں دیا۔عشقبازی و عیاشی میں شہرۂ آفاق تھا۔اپنی چچازاد بہن عنیزہ پر مرتا تھا۔ایک روز موقع پاکر سفر میں مردوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور چپکے چپکے عورتوں کے ساتھ ہولیا۔راستہ میں ایک تالاب پڑتا تھا۔قبیلہ کی عورتیں اوس میں نہانے لگیں۔اس نے کیا کیا کہ گھات

سے نکلکر سب کے کپڑے ایک جگہ جمع کرلئے اور اون پر بیٹھ گیا۔اب عورتوں نے چلانا رونا شروع کیا۔ اسنے کہاکہ ایک ایک میرے پاس آکر اپنے اپنے کپڑے لیتی جاے۔غرضکہ مجبور ہوکر سب کو ایسا ہی کرنا پڑا۔سب سے آخر عنیزہ شرماتی ہوئی برہنہ اوسکے پاس آئی۔ اس قصہ میں دیر بہت ہوگئی اور بھوک سے عورتوں کا بُرا حال ہوگیا۔ اسنے فوراً اپنی ناقہ ذبح کرڈالی جسکے گوشت کو اُن سب نے بھون بھون کر خوب کھایا۔جب چلنے کا وقت آیا تو تمام عورتوں نے عنیزہ کو مجبور کرکے اوسکے ساتھ ایک ناقہ پر امرالقیس کو بھی سوار کردیا وہ تمام راستہ بوس وکنار سے خوب لطف اٹھاتا رہا۔ یہ تمام سرگذشت خود شاعر نے اپنے قصیدہ معلقہ میں بیان کی ہے۔

امرالقیس کا کلام نہایت فصیح وبلیغ ہے بالاتفاق اسے اشعرالشعرا مانا جاتا ہے۔عربی قصیدہ کی ترقی امرالقیس کی جودت طبع کی ممنون احسان ہے۔قصائد کے شروع میں ٹیلوں پر کھڑے ہوکر منازل معشوق کی یاد میں رونے کا ذکر اسی کی اختراع ہے۔چنانچہ کہتا ہے ع

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل

اسی نے نسیب کو دلچسپ اور لطیف بنایا۔بہت سے تشبیہات نادرہ کا موجد ہے۔غرضکہ اگر قصائد فارسیہ کے لحاظ سے انوری پیغمبران سخن سے ہے تو قصائد عربی کے اعتبار سے امرالقیس بھی کچھ کم نہیں۔ بلکہ اوس سے کہیں بڑا ہوا ہے۔اسی امرالقیس کی شان میں انوری کہتا ہے

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود　　اول شان امرالقیس آخرشان بوفراس

اس کا قصیدہ معلقہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل　　بسقط اللوی بین الدخول فحومل

جدائی کے وقت کی حالت بیان کرتا ہے۔ دیکھو کس قدر نیچرل تشبیہ ہے

کانی غداۃ البین یوم تحملوا　　لدی سمرات الحی ناقف حنظل

گھوڑہ کی تعریف میں کہتا ہے

مکرٍ مفرٍ مقبل مدبر معاً　　کجلمود صخر حطہ السیل من عل

درازی شب کی شکایت کرتا ہے

ولیل کموج البحر ارخی سدوله | علیّ بانواع الهموم لیبتلی
فقلت له لما تمطّی بصلبه | واردف اعجازاً وناء بکلکل

ایک قصیدہ میں اپنے سفر روم کا ذکر کرتا ہے۔

سما لك شوق بعد ما کان اقصرا | وحلت سلیمی بطن ظبی فعرعرا
فدعها وسل الهم عنها بجسرة | ذمول اذا صام النهار وهجرا
علیها فتی لم تحمل الارض مثله | ابر بمیثاق واوفی واصبرا
اذا قلت هذا صاحب قد رضیته | وقرت به العینان بدلت آخرا
کذلك جدی لا اصاحب صاحبا | من الناس الا خاننی وتغیرا

اسکے یہ شعر بہت مشہور ہیں۔

اذا المرء لم یخزن علیه لسانه | فلیس علی شیئ سواه بخزان
فانك لم یفخر علیك کفاخر | ضعیف ولم یغلبك مثل مغلب
وقد طوفت فی الآفاق حتی | رضیت من الغنیمة بالایاب

۲۔ زہیر بن ابی سلمی المتوفی ۶۳۱ء یہ ایسے خاندان سے تھا جسے شاعری سے جبلی مناسبت تھی۔ اسکا باپ۔ اسکی بہنیں اور اسکا بیٹا سب شاعر تھے۔ اسکی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ یہ شاعری میں امرالقیس اور نابغہ ذبیانی کے ہمپلہ ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ اسکا کلام نہایت شستہ و سنجیدہ ہے اسکے اشعار میں حکمت و اخلاق کی باتیں اکثر پائی جاتی ہیں۔ اسکے الفاظ سادہ اور عام فہم اور معانی دلچسپ و دقیق ہوتے ہیں۔ اپنے قصیدہ معلقہ میں حارث بن عوف اور ہرم بن سنان کی تعریف کرتا ہے۔ انہوں نے عبس و ذبیان کے قبائل ہیں۔ جنمیں چالیس برس سے جنگ داحس و غبرا ہوتی چلی آرہی تھی صلح کرادی تھی

ہرم بن سنان۔ زہیر کا خاص ممدوح تھا۔ اسنے اوسکے شان میں بہت سے قصائد لکھے۔ ہرم ایسا فیاض اور سخی تھا کہ جب کبھی زہیر اسکی مدح میں شعر کہتا یا اسے سلام کرتا تو وہ اسے غلام لونڈی یا گھوڑا کچھ نہ کچھ ضرور بخشتا جب اسنے یہ دیکھا کہ ہرم میرے سلام پر کچھ نہ کچھ دیتا ہے تو اوسنے اوس کو لوگوں کے مجمع میں سلام کرنا چھوڑ دیا۔ وہ اسے دیکھکر اوروں کی طرف مخاطب ہوکر کہتا۔ انعموا صباحا غیر ہرم وخیرکم استثنیت حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ہرم کے بیٹے سے کہا کہ تیرے باپ نے جو قبائیں زہیر کو پہنائی تھیں وہ زمانہ نے پرانی کرکے پھاڑ ڈالیں۔ لیکن جو قبائیں اوس نے تیرے باپ کو پہنائیں اونکو زمانہ کہنہ اور بوسیدہ نہیں کرسکتا۔

خصوصیات کلام زہیر

۱۔حسن ایجاز یعنی کثرت معنی با قلت الفاظ۔ مثلاً

فمایک من خیر اتوہ فانما ۔۔۔ توارثہ آباء آبائہم قبل

۲۔جس کسی کی مدح کرتا ہے توانہیں اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اوسمیں ہوتے ہیں مثلاً

علی مکثریہم رزق من یعتریہم ۔۔۔ وعند المقلین السماحة والبذل

۳۔اسکا کلام تعقید لفظی و معنوی سے پاک اور الفاظ وحشیہ وغریبہ سے خالی ہوتا ہے

ولو ان حمد یخلد الناس اخلدوا ۔۔۔ ولکن حمد الناس لیس بمخلد

۴۔اسکے کلام میں حکمت واخلاق کی باتیں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

واعلم ما فی الیوم والامس قبلہ ۔۔۔ ولکننی عن علم ما فی غد عمی

رایت المنایا خبط عشواء من تصب ۔۔۔ تمتہ ومن تخطی یعمر فیہرم

ومن یجعل المعروف من دون عرضہ ۔۔۔ یفرہ ومن لا یتق الشتم یشتم

ومن هاب اسباب المنایا ینلنہ ۔۔۔ وان یرق اسباب السماء بسلم

۳۔ نابغہ ذبیانی المتوفی ۶۰۴ء

اسکا نام زیاد بن معاویہ اور کنیت ابو امامہ ہے۔ یہ بھی عرب کے تین بڑے شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ اسکی عمر کا بڑا حصہ شاہوں کے دربار میں بسر ہوا نعمان بن منذر ابو قابوس والئ حیرہ اسکا خاص ولی نعمت تھا اور اسکی بہت قدر کیا کرتا تھا

اور بے حد داد و دہش دیتا- یہ مدتوں اسکے دربار میں رہا- ایک دفعہ بادشاہ اس سے کسی بات پر ناراض ہوگیا- کہا جاتاہے کہ اسنے اپنے قصیدہ میں بادشاہ کی بیوی متجردہ کی ایسی تعریف کی جس سے نعمان کو اوسکے نسبت کچھ شک ہوگیا- یہ جان بچاکر وہاں سے بھاگا اور عمرو بن حارث غسانی کے دربار میں پناہ لی- عمرو نے بھی اسکی بہت قدر کی- لیکن اسے دربار نعمان کا چسکا تھا- یہاں جی نہیں لگا- ایک قصیدہ لکھکر نعمان کے پاس بھیجا جسمیں اپنی بریت ثابت کی- اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے

یادارمیۃ فی العلیاء فالسند   اقوت وطال علیھا سالف الابد

نعمان کی تعریف میں کہتاہے

فتلك تبلغني النعمان ان لہ   فضلا علی الناس فی الادنی وفی البعد

ولا ارے فاعلا فی الناس یشبہہُ   وما احاشی من الاقوام من احد

اپنی صفائی میں کہتاہے-

ما ان اتیتُ بشیءٍ انت تکرھہ   اذا فلا رفعت سوطی الی یدی

اتفاق سے اسی اثنا میں بادشاہ کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ اصلی مجرم نابغہ نہین بلکہ منخل ہے- اس لئے اس قصیدہ سے اسکو نابغہ پر بہت رحم آیا اور اوس سے بالکل صاف ہوگیا- نابغہ کو جو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً حیرہ پہونچا- اور کچھ عرصہ وہاں رہکر اپنے وطن چلا گیا اور نہایت معمر ہوکر ۶۰۴ء میں مرگیا- کہا جاتاہے کہ یہ عیسائی تھا

مداحی کی وجہ سے اگرچہ یہ اسقدر متمول ہوگیا تھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا کرتا تھا لیکن اسی کے ساتھہ عرب میں اسکی کچھ وقعت نہیں رہی تھی کیونکہ اونکے یہاں شاعری کو ذریعہ معاش بنانا سخت عیب تھا- یہ بڑی شان کے ساتھہ سوق عکاظ میں شریک ہوا کرتا- اسکا خیمہ خاص طور پر سُرخ ہوتا تھا- شعرا اپنا کلام اسے سنایا کرتے تھے- اسکا بھی اصحاب المعلقات میں شمار ہوتاہے- اسکے معلقہ کا مطلع یہ ہے-

عوجوا فحیوا النعم وسنة الدار ما ذا تحیون من نوی و احجار

کلام پر رائے	رشاقت الفاظ۔ و وضاحت معانی حسن نظم و قلت تکلف اسکے کلام کی

خصوصیات ہیں۔ جریر اسے اشعر الشعراء کہا کرتا تھا۔ اسکا دیوان چھپ گیا ہے۔

شاہان غسان کی تعریف میں کہتا ہے

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم بهن فلول من قراع الکتائب

بضرب یزیل الهام عن سکناته وطعن کایزاع المخاض الضوارب

لهم شیمة لم یعطها الله غیرهم من الجود والاحلام غیر عوازب

مجلتهم ذات الاله و دینهم قویم فما یرجون غیر العواقب

اسکے یہ اشعار مشہور ہیں۔

واشت کالدهر مبثوثا جبائله والدهر لا ملجا منه ولا هرب

اضحت خلاء واضحی اهلها احتملوا اخنی علیها الذی اخنی علی لبد

نبئت ان ابا قابوس اوعدنی ولا قرار علی زار من الاسد

فلو کفی الیمین بغتك خونا لافردت الیمین عن الشمال

۴۔ اعشی المتوفی سنہ ۶۲۹ء	میمون بن قیس بن جندل اسکا نام اور ابو بصیر کنیت ہے۔ قبیلہ بکر بن وائل سے تھا اور یمامہ کے ایک قریہ میں جسکا نام منفوحہ

تھا رہا کرتا تھا۔ ابتداءً مسیب بن علس کا راوی تھا۔ اوسکی صحبت میں رہنے کی وجہ سے یہ بھی شاعری میں کامل ہوگیا۔ اسنے مدح گوئی کو ذریعہ معاش بنایا۔ اور ہر کس و ناکس کی تعریف کرکے بہت کچھ کمایا۔ یہ اپنے اشعار گا گا کر پڑھا کرتا تھا اسی وجہ سے صناجة العرب اسکا لقب ہوگیا تھا اسنے عرب کا کوئی ایسا گوشہ باقی نہیں چھوڑا تھا جہاں یہ نہ پہونچا ہو۔ اسکے نسبت مشہور تھا۔ کہ جسکی یہ تعریف کردیا کرتا تھا وہ معزز ہوجاتا تھا۔ اور جسکی ہجو کردیتا وہ ہمیشہ کے لئے رسوا ہوجاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اوسکی مدح کی آرزو کیا کرتے تھے اور حتی المقدور

اوسکی ہجو سے بچا کرتے تھے۔ اسی کی مدح کی بدولت محلق جیسے گمنام شخص کی بیٹیاں بڑے بڑے خاندانوں میں بیاہی گئیں۔ اسکا قصہ ہم اوپر کہیں بیان کر آئے ہیں

ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کی شان میں اسنے ایک قصیدہ کہا اور آنحضرت کی طرف روانہ ہوا۔ کہیں ابوسفیان کو جو اوسوقت تک کافر تھے خبر لگی تو ایک سو اونٹ دیکر اُسکو حضوری بارگاہ نبوی سے باز رکھا۔ یہ شخص اندھا ہوگیا تھا۔

کلام پر رائے | شعراء جاہلیہ میں اسکا چوتھا نمبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اشعرھم اذا طرب یہ شعر و سخن کے تمام اصناف میں پوری دسترس رکھتا تھا۔ اسکے کلام میں شراب کی تعریف بہت پائی جاتی ہے۔ اسکے معلقہ کا مطلع یہ ہے

مابکاء الکبیر فی الاطلال　　وسؤالی وما ترّ وسؤالی

جو قصیدہ رسول اللہ صلعم کی شان میں کہا تھا اوسکا مطلع یہ ہے

الم تغتمض عیناک لیلۃ ارمدا　　وبتّ کما بات السلیم مسہّدا

اپنی ناقہ سے باتیں کرتا ہوا رسول مقبولؐ کی تعریف کرتا ہے

فالیت لا ارثی لہا من کلالۃ　　ولا من حفی حتی تلاقی محمدًا

متی ما تناخی عند باب ابن ہاشم　　تراحی وتلقی من فواضلہ ندیٰ

نبی یری مالا یرون وذکرہ　　اغار لعمری فی البلاد وانجدا

لہ صدقات ماتغب ونائل　　ولیس عطاء الیوم یمنعہ غدا

۵۔ لبید بن ربیعہ المتوفی ۶۶۵ء | انکا پورا نام ابوعقیل لبید بن ربیعہ عامری ہے۔ یہ ۵۴۳ء کے قریب پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ طفولیت میں اپنے چچاؤں کے ساتھ نعمان ابو قابوس کے پاس گئے تو وہاں نابغہ سے ملاقات ہوئی۔ ہونہار لڑکے کے بشرہ سے آثار ذہانت و ذکاوت دیکھکر نابغہ بولا کہ میاں صاحبزادے شعر کہتے ہو۔ جواب دیا کہ ہاں۔ اور اپنی نظم "الم تربع علی الدمن الخوالی" سنائی۔ نابغہ نے

کہا کہ تم تو بنی عامر کے سب سے بڑے شاعر ہو۔ اور سناؤ تو لبید نے دوسری نظم طلل لخولہ فی الرسیس قدیم" سنائی ابتو نابغہ پھڑک اوٹھا اور بولا کہ تم قبیلہ قیس کے تمام شاعروں سے بڑہ گئے۔ یہ توفیق ایزدی سے مشرف باسلام ہوئے۔ ایمان لانے کے بعد شاعری چھوڑدی۔ حالت اسلام میں اگرچہ ۵۵ برس زندہ رہے مگر اس مدت طویل میں بروایت ابو عبیدہ انہوں نے صرف ایک شعر کہا۔

الحمد للہ اذ لم یاتنی اجلی حتی لبست من الاسلام سربالا

انہوں نے آخر عمر میں کوفہ میں رہنا شروع کردیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان سے دریافت کرایا کہ تمنے اسلام کی حالت میں کونسے شعر کہے تو انہوں نے ایک صحیفہ میں سورہ بقر لکھکر پیش کی اور بولے ابدلنی اللہ ھذا فی الاسلام مکان الشعر۔ لوگ شعر کہنے کے لیئے اصرار کرتے تو وہ یہی جواب میں کہتے کہ یکفنی القرآن فھو نعم البدل من الاشعار

انہوں نے بعمر ۱۴۷ یا اس سے کم ۴۱ھ یا ۴۰ھ میں بزمانہ خلافت حضرت معاویہ کوفہ میں رحلت فرمائی رضی اللہ تعالی عنہما

کلام پر رائے انکا جسقدر کلام ہے وہ اسلام لانے سے پہلے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عرب جاہلیت کی طرح میخواری وفیاضی۔ شہسواری ومہمان نوازی پر نہایت زور کے ساتھ فخر کرتے ہیں۔ انہوں نے قدرتی مناظر بھی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ان کا کلام نہایت پاکیزہ وزوردار ہے اور جذبات شجاعت وسخاوت سے پُر۔ انکے یہاں حکمت واخلاق کی باتیں بہت پائی جاتی ہیں۔ محاکاۃ میں انہیں خاص قدرت حاصل تھی انہوں نے اپنے قصیدہ معلقہ میں بقر الوحش اور گورخر کی جو تصویر کھینچی ہے وہ نہایت لطیف ودلکش ہے۔ انکا دیوان شائع ہوگیا ہے

۶۔ عمرو بن کلثوم یہ قبیلہ تغلب سے تھا۔ اسکی ماں۔ مہلہل کی بیٹی اور کلیب کی بھتیجی تھی

پرورش وادی فرات میں ہوئی اپنی شجاعت و ذکاوت کی وجہ سے پندرہ برس ہی کی عمر میں اپنے قبیلہ کا سردار ہوگیا۔ حرب بسوس کے سلسلہ میں اسنے کئی دفعہ اپنی قوم کی قیادت کی اور ہمیشہ فتح پائی۔ کچھ دنوں کے لئے عمرو بن ہند والی حیرہ کی ثالثیت سے مابین بکر و تغلب صلح ہوگئی تھی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد دونوں قبیلوں میں پھر چشمک شروع ہوگئی اور حارث بن حلزہ کے قصیدے نے عمرو بن ہند کو بنی تغلب سے بیزار کر دیا یہ بادشاہ اسبات کا درپے ہوا کہ کسی طرح عمرو بن کلثوم کو جو تغلبیوں کا سردار تھا ذلیل کرے ایک دن اسنے دربار میں کہا کہ کیا عرب میں آج کوئی ایسا ہے جسکی ماں میری ماں کی خدمت نکرے۔ درباریوں نے جواب دیا کہ عمرو بن کلثوم ایسا شخص ہے۔ بادشاہ نے فوراً اوسکو مع مستورات کے بلا بھیجا۔ عمرو کلثوم کی ماں لیلیٰ شاہی حرم میں گئی اور وہ خود دربار میں بیٹھ گیا بادشاہ کی ماں نے عمرو کلثوم کی ماں سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ذرا اوٹھا دینا۔ اسنے کہا کہ تم خود اوٹھا لو بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا اور پھر یہی جواب ملا۔ تیسری دفعہ جب پھر فرمایش کی تو لیلیٰ زور سے چلائی کہ قبیلہ تغلب کی دہائی اوسکے بیٹے نے آواز سنی تو سمجھا کہ اوسکی ماں کی تحقیر کی گئی فوراً تلوار نیام سے نکال بادشاہ کا سر اڑا دیا اور دربار سے نکل آیا۔ پھر بڑی لڑائی ہوئی جسمیں طرفین کے بہت آدمی مارے گئے۔ عکاظ کے میلہ کا دن آیا تو عمرو بن کلثوم نے مجمع عام میں کھڑے ہوکر ایک قصیدہ پڑھا جسمیں اس واقعہ کی تفصیل ہے یہ قصیدہ سبع معلقات میں داخل ہے اس قصیدہ کی بڑی شہرت ہوئی۔ تغلب کے بچے بچے نے اسے یاد کرلیا تھا۔ اسکے مرنے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ایک روایت کے مطابق سنہ ۵۷۰ء اور دوسری روایت کے لحاظ سے سنہ ۶۰۰ء میں مرا۔

کلام پر رائے | چونکہ عمرو کلثوم عرب کے ایسے مشہور جانباز بہادروں میں سے تھا جنکا خاص شغل انتظام ریاست و معرکہ آرائی تھا اسلئے اسے زیادہ شعر کہنے کی فرصت نہیں ملی۔ اس کی شہرت زیادہ تر معلقہ ہی کی وجہ سے ہے۔ یہ قصیدہ نہایت فصیح و سلیس

ہے۔ روانی اور زور کی وہ حالت ہے کہ اسے پڑھکر حیرت ہوتی ہے۔ تاثیر کی یہ کیفیت ہے کہ بقول مولانا شبلی آج بھی افسردہ دلوں کو گرما دیتا ہے غیرت ننگ وناموس وحمیت قومی وصولت جبلی شعر میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

وقد علم القبائل من معد — اذا قبب بابطحها بنينا

بانا المطعمون اذا قدرنا — وانا المهلكون اذا ابتلينا

وانا المانعون لما اردنا — وانا النازلون بحيث شئنا

وانا التاركون اذا سخطنا — وانا الآخذون اذا رضينا

ونشرب ان وردنا الماء صفوا — ويشرب غيرنا كدرا وطينا

۷۔ طرفہ بن العبد المتوفی سنہ ۵۵ء

یہ بکر بن وائل کے قبیلہ سے تھا۔ اسکا پورا نام ابوعمرو طرفہ بن عبد ہے۔ یہ جریر کا جو متلمس کے لقب سے مشہور ہے بھانجہ تھا۔ بچپنے سے ہی شعر کہتا تھا۔ رفتہ رفتہ اول درجہ کے شعرا میں شمار ہونے لگا۔ یہ حسب ونسب کے لحاظ سے عالی خاندان اور شعرگوئی کے اعتبار سے بڑا منہ زور تھا۔ اسے عمرو بن ہند بادشاہ حیرہ نے جوانی ہی میں قتل کروادیا تھا۔

اسکا قصہ یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ عمرو بن ہند نے اپنے ایک درباری عبد عمرو بن بشر کو جو طرفہ کا بہنوئی ہوتا تھا طعنہ دیا کہ واقعی تم ایسے ہی ہو جیسا کہ طرفہ نے تمہارے بابت کہا ہے اونے جواب دیا کہ وہ تو ایسا منہ زور ہے کہ اوسکی ہجو سے میں تو میں آپ بھی نہیں بچے۔ اسپر بادشاہ طرفہ سے بہت سخت ناراض ہوگیا۔ ایک روز بادشاہ نے طرفہ اور اوسکے ماموں متلمس کو بلاکر خلعت عطاکئے اور دو سربمہر فرمان الگ الگ اونکو دیکر کہا کہ تم دونوں ان فرمانوں کو ہمارے عامل بحرین کے پاس لے جاؤ وہ تمکو اور انعام دیگا۔ یہ دونوں بحرین کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں متلمس کو کچھ شبہ ہوا اونے فرمان شاہی کو کھول کر دیکھا تو حکم قتل پایا۔ اونے فوراً بحرین کا ارادہ ترک کردیا۔ طرفہ کو ہرچند سمجھایا مگر وہ

یہی کہتا رہا کہ کیا ضرور ہے کہ میرے لیے بھی قتل کا حکم ہو ورنہ دو فرمان جدا جدا کیوں لکھے جاتے
آخر متلمس تو شام کی طرف چلا گیا اور طرفہ کو قضا بحرین کے حاکم کے پاس لے گئی۔ اوس نے
جو فرمان پڑھا تو اوسکے لیے بھی وہی حکم قتل تھا۔ اوسکے خواہش کے موافق اوسے خوب شراب
پلاکر فصدیں کھولدی گئیں اور وہ مرگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ زندہ درگور دفن کیا گیا۔

کلام پر رائے اسکے قصیدہ معلقہ کو پڑھکر اسکے قادرالکلامی پر حیرت ہوتی ہے۔
اگر یہ زندہ رہتا تو بہت ممکن تھا کہ سارے متقدمین پر سبقت لیجاتا۔ اس کا نوعمری میں
قتل ہونا عربی لٹریچر کے لیے نقصان عظیم تھا۔ حضرت لبید سے دریافت کیا گیا کہ عرب میں
بڑا شاعر کون ہے تو آپ نے فرمایا۔ امرءالقیس اور اوسکے بعد بنی بکر کا لڑکا یعنی طرفہ۔

اگرچہ اسکے کلام میں پیچیدہ ترکیبیں زیادہ پائی جاتی ہیں اور الفاظ مغلق بہت استعمال
کرتا ہے مگر تاہم متانت وچستی بلاغت وصفائی ہر شعر سے ظاہر ہے ناقہ کی تعریف جیسی
اسنے کی ہے شاید کسی نے نہیں کی۔ اسکا ایک چھوٹا سا دیوان شائع ہوگیا ہے اسکے
یہ اشعار بہت مشہور ہیں۔

وظلم ذوی القربی اشد مضاضۃ — علی المرء من وقع الحسام المہند
اری الموت اعداد النفوس ولا اری — بعیداً غداً ما اقرب الیوم من غد
ستبدی لک الایام ما کنت جاہلاً — ویاتیک بالاخبار من لم تزود

۸۔ حارث بن حلزہ المتوفی سنہ ۵۸۰ء یہ قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھا اور عمرو بن کلثوم تغلبی کا ہمپلہ ان
دونوں قبیلوں میں چہل سالہ جنگ کے بعد عمرو بن ہند بادشاہ حیرہ
نے صلح کرادی تھی۔ بعدازاں ایک دفعہ بادشاہ نے بنی تغلب کی ایک جماعت کو کوہ طے کی
طرف بھیجا۔ یہ جماعت بنی بکر کے علاقہ میں جاکر اتری۔ انہیں وہاں پانی کی ایسی تکلیف ہوئی
کہ کئی ایک پیاسے مرگئے۔ جو باقی بچے اونہوں نے اپنے قبیلہ والوں سے یہ جاکر کہا کہ ہمیں
بکریوں نے اپنے سرحد سے نکالدیا تھا۔ اسپر بنی تغلب نے بادشاہ حیرہ سے شکایت کی

تو اوسنے بنی بکر سے مواخذہ کیا انہوں نے کہا کہ یہ اتہام ہمارے سر غلط لگایا جاتا ہے غالباً یہ راستہ بھولکر بیابان بے آب و گیاہ میں چلے آئے۔ اسکے بعد حارث نے اپنا قصیدہ جو معلقات میں داخل ہے فی البدیہ پڑھا قصیدہ پڑھنے کے وقت کمان پر ہاتھ ٹیک رکھا تھا۔ جوش میں کچھ خیال نہ رہا کمان کی نوک کف دست کو چھیر کر دوسری طرف نکل گئی۔ یہ شخص چونکہ مرض برص میں مبتلا تھا اسلئے بادشاہ کے اور اسکے درمیان سات پردے پڑے رہا کرتے تھے لیکن جب اسنے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے تو بادشاہ اس قدر محظوظ ہوا کہ اوسے قریب تر بلاتا گیا یہانتک کہ ختم قصیدہ پر اپنے پاس بلاکر بٹھالیا اور اسکی بہت تعظیم و تکریم کی بعد میں اسکا نام کہاوتوں میں لیا جانے لگا چنانچہ افخر من الحارث بن حلزہ مثل ہے

اس قصیدہ کو سنکر بادشاہ بالکل بنی بکر کا طرفدار ہوگیا اور اوسنے عمرو بن کلثوم کو جو بنی تغلب کا سردار تھا ذلیل کرنا چاہا۔ یہ قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

کلام پر رائے حارث نے یہ اپنا قصیدہ فی البدیہ پڑھا تھا۔ اسپر بڑے بڑے شعرائے عرب اور علمائے ادب تعجب کرتے ہیں۔ برجستہ ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ کہنا نہایت دشوار ہے اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ جاہلیت کی عربوں میں شاعری کا کس قدر مادہ تھا اور وہ شعرگوئی پر کیسی قدرت رکھتے تھے۔ کلام نہایت سلیس اور الفاظ وحشیہ سے پاک ہے اور روانی بلا کی ہے

۹۔ عنترہ بن شداد عبسی المتوفی ۶۱۵ء یہ قبیلہ عبس سے تھا۔ چونکہ اسکی ماں زبیبہ ایک حبشی کنیزک تھی اس لئے اسکا عرب کے دستور کے مطابق غلاموں میں شمار ہوتا تھا اور اپنے باپ کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ یہ بات اسے سخت ناگوار تھی اس عار سے بچنے کے لئے اسنے بطور خود فن سپہ گری میں مہارت تام حاصل کی۔ ایک دفعہ دشمنوں نے بنی عبس پر حملہ کیا اور طرفین میں سخت لڑائی ہوئی۔ اوسکے باپ نے کہا کہ اے عنترہ تو بھی حملہ کر اسنے کہا کہ غلام کو لڑائی سے کیا نسبت۔ باپ نے کہا کہ تو آزاد ہے خوب داد شجاعت دے۔ باپ کا تو یہ کہنا تھا اور

وہ دشمنوں پر حملہ آور ہوکر اسقدر بہادری وشجاعت سے لڑا کہ دشمنوں کو شکست ہوئی۔ باپ بہت خوش ہوا اور اُسے اپنا بیٹا بنالیا۔ اوسوقت سے وہ بہادران عرب میں شمار ہونے لگا بلکہ شجاعت وبہادری میں ضرب المثل ہوگیا۔ جنگ داحس میں اسنے بڑے بڑے نمایاں کام کئے کلام پر رائے اس کا کلام نسبتہً سہل ہے۔ اسکے اشعار میں شجاعت اور ہمت کے جذبات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ لڑائی کے واقعات و بہادری کے کارنامے خوب بیان کرتا ہے۔ اسکا دیوان چھپ گیا ہے۔

۱۰۔ عبید بن الابرص الاسدی المتوفی ۵۵۵ء

یہ قبیلہ بنی اسد سے تھا۔ اسکا شمار شعرائے طبقۂ اولی میں ہوتا ہے۔ امرا لقیس اور اس کے درمیان نوکا چوکی رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ کسی نے کہا کہ امرا لقیس تیری موت چاہتا ہے تو فوراً اپنے ایک نظم میں یہ شعر کہا

تمنے امرء القیس موتی وان امُتْ فتلك سبیل لستُ فیھا باوحد

اسکی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ آخر اسکی زندگی منذر بن ماء السماء کے ہاتھ سے یوم البوس کے نذر ہوئی۔ اس سفاکانہ رسم کا حال ہم شاہان حیرہ کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں۔ اسکے کلام کا بیشتر حصہ ضائع ہوگیا اسکے ایک قصیدہ کو تبریزی نے معلقات میں شمار کیا ہے جسمیں ۴۸ اشعار ہیں اور مطلع یہ ہے

اقفر من اھلہ ملحوب فالقطبیات فالذنوب

صاحب جمہرہ نے اس قصیدہ کو مجمہرات کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

اصحاب المعلقات کے بعد مشہور ترین شعراء جاہلیہ

اصحاب المعلقات کے بعد مندرجہ ذیل شعرا قابل ذکر ہیں۔

علقمۃ الفحل۔ مہلہل بن ربیعہ۔ امیہ ابن ابی الصلت۔ المرقش الاکبر۔ شنفری۔ تابط شرا۔ متلمس۔ منخل۔ نابغہ جعدی۔ حطیہ۔ کعب بن زہیر۔ حسان بن ثابت انمیں سے

آخری چار کو شعرائے مخضرمین کہتے ہیں یعنی انہوں نے جاہلیت و اسلام دونوں زمانے دیکھے ہیں سلسلۂ کلام مربوط رکھنے کی غرض سے ان کا ذکر بھی ہم شعراء جاہلیہ ہی کے ذیل میں کرینگے۔

علقمۃ الفحل المتوفی ۵۶۱ء

علقمہ بن عبدۃ۔ قبیلہ تمیم سے تھا۔ اور امرء القیس کا ہمعصر۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ان دونوں میں ایک روز بحث ہوئی۔ ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے پر ترجیح دیتا تھا۔ علقمہ بولا کہ میں تیری بیوی ام جندب ہی کو حکم بناتا ہوں۔ اوسنے کہا کہ منظور۔ ام جندب بولی کہ اچھا دیکھوں کہ گھوڑے کی تعریف میں کون ایک ہی زمین میں اچھے شعر کہتا ہے۔ امرء القیس نے ایک قصیدہ کہا جسکا مطلع یہ ہے۔

خلیلی مرّابی علی ام جندب   لنقضی لبانات الفواد المعذب

علقمہ کے قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

ذهبتَ من الهجران کل مذهب   ولم یك حقًا کل هذا التجنب

دونوں کے قصیدے سنکر ام جندب نے اپنے شوہر سے کہا کہ علقمہ تجسے بڑھ گیا۔ کیونکہ تیرا گھوڑہ کوڑے اور مہمیز کا محتاج ہے جیسا کہ تیرے شعر سے ظاہر ہے۔

فللسوط الهوب وللساق درة   وللزجر منه وقع اهوج منعب

اور اوسکا گھوڑا لگام کے اشارہ سے ہوا سے باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ علقمہ کہتا ہے۔

فادرکهن ثانیًا من عنانه   یمر کمر الرائح المتحلب

اسپر امرء القیس نے غصہ ہوکر بیوی کو طلاق دیدی تو علقمہ نے اوس سے فوراً نکاح کرلیا۔ اسوجہ سے الفحل اس کا لقب ہوگیا تھا۔

جنگ حلیمہ میں حارث الاعرج غسانی نے بنی تمیم کے ستر آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔ اسمیں اسکا بھائی شاس بھی تھا اس نے بادشاہ غسانی کی شان میں ایک قصیدہ کہا جو بہت مشہور ہے مطلع یہ ہے۔

طحابك قلب فی الحسان طروب   بعید الشباب عصر حان مشیب

الی الحارث الوهاب اعملت ناقتی — لکلکلها والقصرین وجیب

بادشاہ کو یہ قصیدہ پسند آیا اور سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

اسی قصیدہ کے یہ اشعار بہت مشہور ہیں۔

فان تسئلونی فی النساء فاننی — بصیر بادواء النساء طبیب

اذا شاب راس المرء اوقل ماله — فلیس له فی ودهن نصیب

یردن ثراء المال حیث علمنه — وشرخ الشباب عندهن عجیب

مہلہل بن ربیعہ ۵۳۱ء — یہ وہی شخص ہے جسکے بھائی کلیب کے قتل نے تغلب و بنی بکر میں چالیس سال تک لڑائی جاری رکھی۔ یہ امرء القیس کا ماموں اور عمرو بن کلثوم کا نانا تھا۔ اسکا اصل نام عدی بن ربیعہ ہے۔ لیکن چونکہ عربی شاعری میں روح پھونکنے کا شرف اسی کو حاصل ہے اس لئے مہلہل اسکا نام ہوگیا۔ اس کا عربی شاعری میں وہی رتبہ ہے جو رودکی کا فارسی شاعری میں۔ اس نے اپنے بھائی کی موت پر بہت سے دلسوز مرثیے لکھے۔ ابتدا مہلہل۔ امرء القیس کی طرح عیاش اور عورتوں کی صحبت کا فریفتہ تھا۔ اسی وجہ سے اسکا بھائی۔ اسے زیر النسا کہا کرتا۔ لیکن جب کلیب قتل ہوا تو اس نے سب عیش وعشرت پر لات ماردی صرف بھائی کے غم میں رونا۔ قوم کو انتقام کے لئے برانگیختہ کرنا۔ اشعار فخر یہ کہنا اسکا کام رہ گیا۔ اسکے کلام کا یہ رنگ ہے

کلیب لاخیر فی الدنیا ومن فیها — ان انت خلیتها فی من یخلیها

کلیب ای فتی عز و مکرمة — تحت السفا سف اذ یعلوك سافیها

نعی النعاة کلیبا الی فقلت لهم — مادت بنا الارض او زادت رواسیها

لیت السماء علی من تحتها وقعت — وحالت الارض فانجابت بمن فیها

امیہ بن ابی الصلت المتوفی ۶۲۴ء — یہ ثقفی شاعر بعض کے نزدیک عیسائی تھا اور بعض کے نزدیک حنیف۔ یہود و نصاریٰ کی کتب آسمانی سے پوری واقفیت

رکھتا تھا۔ شراب خواری و بت پرستی سے اوسکو بے حد نفرت تھی عربوں کو خبر دیا کرتا تھا کہ تم میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اسکا خیال تھا کہ میں ہی نبوت کا درجہ پاونگا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو حسد کے مارے سرتابی کی۔ جب رسول اللہ نے اسکے اشعار سنے تو فرمایا کہ اوسکی زبان تو مومن ہے لیکن دل کافر۔ اسکے کلام میں انبیا علیہم السلام کے قصے۔ جنت و دوزخ کا حال فرشتوں اور قیامت کا ذکر۔ خدا کی حمد و ثنا وغیرہ مضامین بہت پائے جاتے ہیں۔ خداوند تعالی کی تعریف میں کہتا ہے۔

الہ العالمین و کل ارض ورب الراسیات من الجبال
بناها وابتنی سبعًا شدادًا بلا عمد یرین ولا رجال
وسواها و زینها بنور من الشمس المضیئه والهلال
ومن شهب تلالأ فی دجاها مراميها اشد من النصال
وشق الارض فانبجست عیونًا وانهارًا من العذب الزلال

دوسرے قصیدہ میں یوں خدا کی تمجید بیان کرتا ہے

لك الحمد والنعماء والملك ربنا فلا شئی اعلی منك مجدًا وامجد
ملیك علی عرش السماء مهیمن لعزته تعنوالوجوه وتسجدُ۔
علیه حجاب النور والنور حوله وانهار نور حوله تتوقد

مرتے وقت یہ شعر کہے۔

كل عیش وان تطاول دهرًا صائر مرةً الی ان یزولا
لیتنی كنتُ قبل ما قد بدالی فی رؤس الجبال ارعی الوعولا

اسکا باپ اور بیٹا دونوں شاعر تھے۔

مرقش الاکبر المتوفی ۵۵۲ء

اس کا نام عوف بن سعد بن مالک بن بکر وائل ہے۔ اپنے اس شعر کی وجہ سے مرقش مشہور ہوگیا۔

الدار قفر والرسوم کما　　رقش فی ظهر الادیم قلم

اس کا شمار شعراء متقدمین میں ہے۔ یہ عرب کے مشہور عاشقوں میں سے تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ اپنی چچازاد بہن پر جسکا نام اسمار تھا عاشق ہوگیا تو اپنے چچا سے شادی کا وعدہ لیکر حیثیت پیدا کرنے پردیس چلا گیا۔ پیچھے سے اسکے چچا نے مجبور ہوکر کسی اور کو اپنی بیٹی بیاہ دی۔ پردیس سے واپس آنے پر یہ حال معلوم کرکے فوراً اپنے رقیب کی تلاش میں ایک دوست کے ساتھ روانہ ہوگیا دوست کی بیوی بھی ساتھ گئی۔ راستہ میں فرط حزن سے بیمار ہوگیا تو کسی پہاڑ کے کھوہ میں پناہ لی۔ ایک روز تیمار داری سے تنگ آکر دوست اور اوسکی بیوی نے اسے تنہا چھوڑ کر واپس ہوجانے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے اس نے اون کی باتیں سن لیں تو موقع پاکر۔ اونٹ کی کاٹھی پر چند اشعار لکھدئے۔ پہلا شعر یہ ہے۔

یاصاحبی تلبثا لا تعجلا　　ان الرواح رھین ان لا تفعلا

غرضکہ میاں بیوی دونوں مریض عشق کو تنہا چھوڑ کر وطن واپس پہونچے اور یہ مشہور کردیا کہ مرقش تو مرگیا۔ لیکن اوسکے بھائی نے وہ شعر جو اونٹ کی کاٹھی پر لکھے ہوئے تھے پڑھ لئے تو وہ فوراً اوسکے پاس پہونچا اور اوسے اسمار کے پاس گیا۔ لیکن مرقش وہاں پہونچکر جلدی مرگیا۔ اسکا طرز کلام ان اشعار سے معلوم ہوگا۔

فھل یرجعن لی لمتی ان خضبتھا　　الی عھدھا قبل الممات خضابھا

رأت اقحوان الشیب فوق خطیطہ　　اذا مطرت لم یستکن صوابھا

فان یظعن الشیب الشباب فقد تری　　بہ لمتی لم یرم عنھا غرابھا

شنفری المتوفی ۵۱۰ء

یہ قبیلہ اواس بن حجر ازدی سے تھا۔ عرب میں چار پانچ شخص اسقدر تیز دوڑنے والے گذرے ہیں کہ گھوڑے بھی انکی رفتار کو نہیں پہونچ سکتے تھے۔ منجملہ انکے ایک یہ بھی تھا۔ باقی تابط شرا۔ عمرو بن براق۔ سلیک بن السلکہ اور اسید بن جابر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی کہ میں بنی سلامان کے سو آدمیوں کو قتل

کرونگا۔ ننا نوے آدمی قتل کرنے کے بعد دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہوکر قتل ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد بنی سلامان کا ایک آدمی شنفری کے مقتل کی طرف گذرا اور اوسکی کھوپڑی زمین پر پڑی دیکھکر ٹھوکر ماری اتفاق سے کاسۂ سر کی ہڈی سے اوسکے پاوں میں ایسی چوٹ لگی کہ وہ آخر کار اس سے جانبر نہو سکا۔ اور یوں شنفری کی قسم پوری ہوگئی۔ اس کا قصیدہ لامیہ بہت مشہور ہے۔ عرب کے نزدیک جو خصائل شرافت کے جوہر ہیں انکو اسنے اس قصیدہ میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مستشرقین مغرب کو اس نظم سے بہت دلچسپی ہے۔ قتل ہونیکے وقت اسنے یہ اشعار کہے۔

لا تدفنونی انّ دفنی محرم ۔۔۔ علیکم ولٰکن ابشری ام عامرے
اذا احتملوا راسی وفی الراس اکثری ۔۔۔ وغودر عند الملتقی ثم سائری
ھنالک لا ارجو حیاۃً تسرنی ۔۔۔ سمیر اللیالی مبسلا بالجرائرِ

تابط شرّا المتوفی سنہ ۵۳۰ء

اصلی نام ثابت بن جابر تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز کسی محفل میں شریک ہوا۔ بغل میں چھری وغیرہ چھپا رکھی تھی۔ لوگوں کو جو معلوم ہوا تو بولے لقد تابط شرّا۔ یعنی اسنے بغل میں شر چھپا رکھا ہے۔ یہ شخص بڑا بہادر تیز رفتار عیار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہرن کو دوڑکر پکڑ لیا کرتا تھا۔ اسکی تمام زندگی غارتگری۔ لوٹ مار۔ بھاگ دوڑ کے کارناموں سے پُر ہے۔ وہ ان باتوں پر فخر کیا کرتا۔ چنانچہ کہتا ہے۔

قلیل غرار النوم اکبر ھمہ ۔۔۔ دم الثار او یلقی کمیّا مسفعا

یہ بنی ہذیل کا جانی دشمن تھا۔ اسکے نام سے اسکے دشمنوں کے ہوش و حواس اُڑ جاتے تھے۔ یہ ہمیشہ بلاد ہذیل میں جاکر پوشیدہ طور پر پہاڑوں میں شہد جمع کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ بنی لحیان کو جو بنی ہذیل کی ایک شاخ ہے خبر لگی کہ فلاں غار میں شہد کا چھتہ توڑ رہا ہے۔ اونہوں نے اچانک وہاں پہونچکر راستہ بند کر لیا۔ اور اس سے کہا کہ اب یا تو قید ہو جاؤ اور یا مارے جاؤ۔ اسنے کہا کیا کہ چٹان پر سارا شہد گرا دیا اور

مشکیزہ اپنے سینہ سے باندھکر چٹان پر سے پھسل پڑا۔ اور اس طرح دامن کوہ میں جا پہونچا۔ بنی لحیان دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اس واقعہ کو اس نے جن اشعار میں بیان کیا ہے وہ بہت مشہور ہیں اور کتاب الحماسہ کے باب الحماسہ میں شامل ہیں۔ جنمیں سے تین شعر یہ ہیں

فرشت لها صدری فزل عن الصفا　　به جؤجؤ عبل و متن مخصر

فخالط سهل الارض لم یکدح الصفا　　به کدحة والموت خزیان ینظر

فابت الی فهم ولم اک آئبا　　وکم مثلها فارقتها وهی تصفر

متلمس المتوفی ۵۸۰ء

اسکا نام جریر بن عبد المسیح ہے۔ یہ عمرو بن ہند بادشاہ حیرا کے ندیموں میں تھا اور طرفہ بن عبد کا ماموں ہوتا تھا۔ بادشاہ طرفہ سے ناراض ہوا تو اسنے ماموں بھانجے دونوں کو مروا ڈالنا چاہا۔ اول انکو خلعت بخشے پھر دو فرمان لکھکر علیحدہ علیحدہ اون کو دیئے اور کہا کہ تم والی بحرین کے پاس جاؤ وہ تمہیں ہمارے حکم مطابق اور انعام دیگا یہ شاہی فرمانوں کو لیکر روانہ ہولئے راستہ میں متلمس نے شک ہونے پر فرمان شاہی کو جو کھولکر پڑھا تو اسمیں قتل کا حکم تھا۔ وہ اس خط کو ندی میں ڈالکر ملک شام غسانیوں کے دربار میں پناہ گزین ہوا طرفہ کو بھی اسنے ہر چند سمجھایا اور کہا کہ

الق الصحیفة لا ابا لك انه　　یخشی علیك من الحباء النقرس

مگر طرفہ نے ہرگز نہ مانا۔ آخر وہ قتل ہوا۔ یہ تمام قصہ اسکے ذکر میں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

متلمس کو اوسکے قتل کی خبر جو پہونچی تو یہ شعر کہے

عصانی فما لاقی الرشاد وانما　　تبین من امر الغوی عواقبه

فاصبح محمولا علی آلة الردی　　تمج نجیع الجوف منه ترائبه

اس نے عمرو بن ہند کی مذمت میں ایک طویل قصیدہ لکھا۔ جو اوسکے بہترین قصائد میں سے ہے۔ اسکا مطلع یہ ہے۔

یا آل بکر الا للہ امکم ۔ طال الثواء وثوب الفخر ملبوس

یہ آخر تک دربار غسانی ہی میں رہا۔ اسکے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

وما کنت الا مثل قاطع کفہ ۔ بکف لہ آخری فاصبح اجذما

یداہ اصابت ھذہ حتف ھذہ ۔ فلم تجد الاخری علیہا مقدما

فلما استقاد الکف بالکف لم یجد ۔ لہ درکاً فی ان تبینا فاحجما

فاطرق اطراق الشجاع ولو رای ۔ مساغاً لناباہ الشجاع لصمما

لذی الحلم قبل الیوم ما تقرع العصا ۔ وما علم الانسان الا لیعلما

منخل بن عبید المتوفی ۵۹۷ء

یہ اور نابغہ ذبیانی دونوں نعمان ابو قابوس شاہ حیرہ کے درباری شاعروں میں سے تھے۔ ان دونوں میں خوب نوکا چوکی رہا کرتی تھی۔ منخل نے قابو پاکر بادشاہ کو اپنے حریف سے بدظن کردیا۔ اور اسے آخر دربار نعمانی چھوڑکر غسانیوں کے یہاں جانا پڑا۔ لیکن بعد میں منخل کی شرارت بادشاہ کو جو معلوم ہوئی تو اوسکا وہ حشر ہوا کہ اوسکا پھر بالکل پتہ نہ چلا اس کا قصہ یہ ہے کہ منخل بادشاہ کی بیوی متجردہ پر عاشق ہوگیا۔ یہ بھی اسکی جوانمردی وشاعری کا حال سنکر اسپر شیفتہ ہوگئی۔ کچھ عرصہ تک بادشاہ کو ان باتوں کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ اتفاق سے بادشاہ نے ایک دن ان دونوں کو ایک جگہ بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تو فوراً اسکو قید کردیا یہ شخص پھر قید سے رہا نہ ہوا۔ آجتک کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کسطرح مرا۔ اور اس کا کیا حشر ہوا۔ بہرحال بادشاہ کے حکم سے قتل کرڈالا گیا ہوگا۔ عرب میں اسکا نام ضرب المثل ہے۔ لا افعلہ حتی یئوب المنخل اسکا وہ قصیدہ جسکا یہ مطلع ہے بہت مشہور ہے۔

ان کنت عاذلتی فسیری ۔ نحو العراق ولا تحوری

اس قصیدہ میں لکھتا ہے

ولقد شربت من المدا ۔ مۃ بالصغیر وبالکبیر

فاذا انتشیت فاننی رب الخورنق والسدیر

رچو بے خود گشت حافظ کے شمارد بیک جو مملکت کاؤس و کے را

واذا صحوت فاننی رب الشویھۃ والبعیر

شعرا مخضرمین

نابغہ جعدی اس کا نام عبداللہ بن قیس جعدی۔ اور کنیت ابو لیلی۔ یہ عمر میں نابغہ ذبیانی سے بڑا تھا کیونکہ ذبیانی نے تو نعمان ابو قابوس کا زمانہ دیکھا تھا اور اسنے اوسکے باپ منذر کا۔ چنانچہ اسکی تعریف میں کہتا ہے۔

تذکرت والذکری تھیج علی الفتی ومن حاجۃ المحزون ان یتذکرا

ندامای عند المنذر بن محرق اری الیوم منھم ظاھر الارض مقفرا

زمانہ جاہلیت میں بھی توفیق نیک اسکے شامل حال تھی۔ شراب خواری۔ قمار بازی و بت پرستی کو برا سمجھتا تھا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ اور ایک قصیدہ پیش کیا اسمیں کہتا ہے

اتیت رسول اللہ اذ جاء بالھدی ویتلو کتابا کالمجرۃ نیرا

بلغنا السماء مجدنا وجدودنا وانا لنرجو فوق ذالک مظھرا

رسول اللہ نے فرمایا کہ اے ابو لیلی آخر کہاں پہونچنے کا ارادہ ہے۔ عرض کی جنت تک آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ۔ پھر وہ اپنا قصیدہ پڑھنے لگا۔

ولا خیر فی حلم اذا لم تکن لہ بوادر تحمی صفوۃ ان یکدرا

ولا خیر فی جھل اذا لم یکن لہ حلیم اذا ما اورد الامر اصدرا

آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تیرے منہ کو شکستگی لاحق نہو۔ اس نے اکیسو بیس [۱۲۰] برس کی عمر پائی لیکن اسکا ایک بھی دانت نہیں ٹوٹا تھا۔

اسکے کلام کی بابت علماے ادب کی راے ہے خمار بواف و مطرف بالاف۔

یعنی اسکے بعض اشعار تو بہت ہی اچھے ہیں اور بعض شعر بہت ہی ردی ہیں۔
گھوڑے کی تعریف میں اسکے یہ شعر مشہور ہیں۔

کان مقطّ شرا سیفه الی طرف القنب فا لمنقب
لطمن بترس شدید الصفا ل خشب الجوز لم یثقب

اسکے ایک قصیدہ کو صاحب جمہرہ نے مشوبات کے ذیل میں نقل کیا ہے

حطیئہ | اس کا نام جرول بن اوس اور کنیت ابو ملیکہ ہے۔ پستہ قد ہونے کی وجہ سے حطیہ اسکا لقب ہوگیا تھا۔ یہ عرب کے مشہور شاعروں میں سے ہے۔ ابتدا زہیر کا راوی تھا۔ پھر رفتہ رفتہ خود شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوگیا۔ مرزا سودا کی طرح ہجوگوئی کا اسے سودا تھا۔ لوگ اس سے بہت ڈرا کرتے تھے جہانتک ہوتا کچھ دے دلا کر اسے خوش کرتے کسی قریہ یا قبیلہ میں پہونچتا تو شور مچ جاتا کہ حطیہ آیا ہے اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اسکے لئے چندہ جمع کرو۔ بیچارے اہل قریہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اسے کچھ دیدیتے تھے۔ اسکی ہجو سے نہ اسکی ماں محفوظ رہی اور نہ باپ۔ اسنے خود کو بھی نہیں چھوڑا۔ اسکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لانا ظاہر نہیں ہوتا۔ غالبًا حضرتؐ کے وفات کے بعد ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلام لایا۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ رقیق الاسلام اور لئیم الطبع تھا۔

مرنے کے وقت جو اسنے وصیتیں کی تھیں وہ بھی ابن قتیبہ نے نقل کی ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو درحقیقت وہ برائے نام مسلمان تھا اور اسکا دل نور ایمان سے خالی تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں لوگوں کی شکایت سے اسے قید کر دیا تھا۔ قید کرنے کی وقت آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ یاخبیث لا شغلنلک عن اعراض المسلمین۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہجوگوئی کی عادت نے اسکے ایمان واسلام دونوں کو خراب کر دیا تھا۔

صاحب الجمہرہ نے اسکے ایک قصیدہ کو مشوبات کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

اسکے کلام کا یہ نمونہ ہے۔

اپنی ماں کی ہجو کرتا ہے۔

اغربالا اذا استودعت سرا — وکانونا علی المتحدثینا

جزاک اللہ شرا من عجوز — ولقاک العقوق من البنینا

اپنے باپ کی ہجو میں کہتا ہے۔

لحاک اللہ ثم لحاک حقا — ابا ولحاک من عم وخال

فنعم الشیخ انت لدی المخازی — وبئس الشیخ انت لدی المعالی

جمعت اللؤم لاحیاک ربی — واسباب السفاھة والضلال

زبرقان کی ہجو اور بغیض کی تعریف میں کہتا ہے

ماکان ذنب بغیض ان رای رجلا — ذا حاجة عاش فی مستوغر شاس

جارا لقوم اطالوا ھون منزله — وغادروه مقیما بین ارماس

ملوا قراه وھرته کلابھم — وجرحوه بانیاب واضراس

دع المکارم لا ترحل لبغیتها — واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

کعب بن زہیر المتوفی ۲۴ھ

اسلام لانے سے پہلے یہ رسول اللہؐ کی ہجو لکھا کرتے تھے۔ ان کے بھائی بجیر تو بہت پہلے ایمان لے آئے تھے انکی ہجو گوئی زیادہ ہونے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم عام دیدیا۔ تو یہ اپنے گناہوں سے توبہ کرکے دربار نبوی میں صدق دل وخلوص نیت سے حاضر ہوئے اور ایک قصیدہ پڑھا جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدہ کو سنکر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک عطا فرمائی جسے آگے چلکر حضرت معاویہؓ نے بیس ہزار درہم میں خریدلی۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول — متیم عندھا لم یجز مکبول

صفائی و شُستگی الفاظ اور سلاست و فصاحت زبان کے لحاظ سے یہ قصیدہ بے نظیر ہے مذہبی نقطۂ خیال سے اس قصیدہ کا پڑھنا سننا مستحب ہے کیونکہ اسمیں جناب رسالت مآبؐ اور اصحاب کرام کے اوصاف مذکور ہیں۔

حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۵۴ھ

آپ انصاری اور قبیلہ خزرج میں سے ہیں۔ جو اُزد کی ایک شاخ ہے عرب کے عام علماے انساب کے نزدیک اُزد بنو قحطان ہیں لیکن محققین کی راے ہے کہ یہ سب اسمٰعیلی ہیں۔ ابو الولید۔ ابو عبد الرحمان۔ ابو الحسام آپکی کنیتیں ہیں۔

آپ کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی ساٹھ برس آپ نے زمانہ جاہلیت دیکھا۔ اور ساٹھ برس شرف باسلام رہے۔ آنحضرتؐ سے آٹھ سات برس پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوے تھے۔ آپ سے منقول ہے کہ جب میں بچہ تھا تو ایک یہودی ایک رات کو بڑے زور سے چلایا۔ لوگ جمع ہوے تو بولا کہ آج رسول عربی پیدا ہوئے ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے دعوت اسلام دینی شروع کی تو کمبخت ازراہ حسد ایمان نہیں لایا۔ آل غسان اور آل منا ذرہ سے انکے خاندانی تعلقات تھے۔ اسلئے اسلام سے پہلے ان دونوں شاہی درباروں میں اکثر جایا کرتے تھے اور نعمانی و غسانی بادشاہوں کی تعریف میں بڑے زور کے قصائد کہتے۔ یہ لوگ بھی دل کھولکر انعام دیا کرتے تھے۔ نابغہ ذبیانی و اعشیٰ سے سوق عکاظ میں شاعرانہ چشمک رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ خنسا شاعرہ سے بھی مقابلہ ہوا۔

موکب نبویؐ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو حضرت حسان اسلام لائے۔ مواخات کے رشتہ سے انکے بھائی اوس بن ثابت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔ اُنکی استدعا کے موافق یہ خدمت انکے سپرد ہوئی کہ رسول اللہؐ کی طرف سے کافروں کی ہجوگوئی کا جواب دیں۔ آپ نے یہ خدمت نہایت خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی۔ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب حسان اللہ اور اوسکے رسول کی طرف سے کافروں کو جواب

دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ روح القدس سے اوسکی مدد کرتا ہے۔ قصہ افک میں منافقین کے بہکانے سے آپ نے بھی کچھ حصہ لیا مگر آخر میں صدق دل سے توبہ کر لی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی تعریف کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ بعض مستورات نے اُم المومنین کے سامنے حسان کی بُرائی کی۔ تو فرمایا کہ اُسے بُرا مت کہو۔ وہ جنتی شخص ہے وہ اپنی زبان سے رسول اللہ کی مدح کیا کرتا تھا۔ کیا اسکا تمہیں یہ شعر یاد نہیں۔

فان ابی و والدہ وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

عورتوں نے جواب دیا کہ اوس نے آپ کی شان میں سوء ادبی وگستاخی بھی تو کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُس نے توبہ کر لی ہے اور معافی مانگ لی۔

رسول مقبولؐ کو آپ کی اسقدر خاطر منظور تھی کہ آپ کے لئے منبر رکھا جاتا تھا۔ اُسپر چڑھکر آپ اپنا قصیدہ سناتے۔ حضرت حسان کسی غزوہ میں شریک نہین ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی مرض کی وجہ سے انمین بزدلی پیدا ہوگئی تھی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو قبطی لونڈی جسکا نام سیرین تھا اور جو حضرت ماریہ کی بہن تھیں بخشی تھی۔ اس لحاظ سے آپ رسول اللہؐ کے ہم زلف ہوتے تھے۔ اسی سیرین سے عبدالرحمن پیدا ہوئے۔ آخر عمر میں آپ نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال فرمایا۔

شاعری کے لحاظ سے آپکا رتبہ بہت بلند ہے۔ آپ بالاتفاق اشعر اہل المدر یعنی شہری شاعروں میں سب سے افضل ہیں۔ ابوعبیدہ مشہور نقاد سخن کا قول ہے کہ آپ میں تین فضیلتیں تھیں۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں انصار کے۔ زمانہ نبوت میں رسول اللہ کے اور زمانہ اشاعت اسلام میں تمام یمن کے بہترین شاعر تھے۔ اسی فاضل نے یہ بھی کہا ہے کہ بالاتفاق تمام صحرا کے باشندوں میں اہل مدینہ کے اور پھر قبیلہ عبدالقیس کے اور پھر ثقیف والوں کے شعر اچھے ہیں اور اہل مدینہ میں سب سے بڑے شاعر حضرت حسان ہیں۔

اصمعی کا قول ہے کہ شعر میں جس قدر جھوٹ اور مبالغہ زیادہ ہوتا ہے۔ شعر اچھا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حسّان جاہلیت میں نامور شاعر تھے مگر اسلام لانیکے بعد انکی شاعری گر گئی تھی۔ خود حضرت حسّان سے دریافت گیا کہ اسلام کے بعد آپ کی شاعری میں وہ بات نہیں رہی۔ تو فرمایا کہ اسلام جھوٹ بولنے سے منع کرتا ہے اور شعر کی خوبی اسی میں ہے

آپ نے رسول مقبول کے شان میں بڑے زوردار قصائد لکھے ہیں۔ کافروں اور شاعروں کا ترکی بہ ترکی جواب خوب دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام کا زیادہ حصہ کفار عرب کی ہجو میں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ کے اشعار تیر سے زیادہ کافروں کے دل میں زخم ڈالتے تھے۔ آپ کے خاندان میں شاعری کئی پشت رہی اودہر آپ کے باپ اور دادا شاعر تھے تو ادہر آپ کے بیٹے اور پوتے دونوں شاعر ہوئے۔

ملوک غسان کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

اولاد جفنة حول قبر ابيهم ۔۔۔ قبر ابن مارية الكريم المفضل

يسقون من ورد البريص عليهم ۔۔۔ بردى يصفق بالرحيق السلسل

يغشون حتى ما تهر كلابهم ۔۔۔ لا يسئلون عن السواد المقبل

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یوں نغمہ سنج ہوتے ہیں

متى يبد في الدجى البهيم جبينه ۔۔۔ يلح مثل مصباح الدجى المتوقد

فمن كان او من قد يكون كاحمد ۔۔۔ نظام لحق او نكال لملحد

نبي اتانا بعد ياس وفترة ۔۔۔ من الرسل والاوثان في الارض تعبد

فامسى سراجا مستنيرا وهاديا ۔۔۔ يلوح كما لاح الصقيل المهند

وانذرنا نارا وبشر جنة ۔۔۔ وعلمنا الاسلام فالله نحمد

رسول اللہ کی وفات پر حضرت حسان نے بہت دلسوز مرثیے کہے۔ چند اشعار نمونہ کے طور

پر یہاں نقل ہوتے ہیں۔

وجھی یقیك التراب لھفی لیتنی غیبت قبلك فی بقیع الغرقد

بابی وامی من شھدت وفاتہ فی یوم الاثنین النبی المھتدی

فظلت بعد وفاتہ متبلدا متلددا یا لیتنی لم اولد

أ أقیم بعدك بالمدینہ بینھم یا لیتنی صبحت سم الاسود

عرب کی شاعرہ عورتیں

جاہلیت کی عورتیں شعر گوئی میں بڑا ملکہ رکھتی تھیں۔ ان کے کلام میں بھی مردانگی و شجاعت کے جذبات ایسے ہی پائے جاتے ہیں جیسے کہ مردوں کے اشعار میں۔ محبت و عشق کے مضامین سے بہت کم سروکار ہوتا تھا۔ مرثیہ خوانی و نوحہ گری انکا خاص مذاق سخن تھا۔ مرثیہ میں شاعرہ سب سے پہلے اپنے حزن و الم۔ آہ و بکا کی سچی تصویر کھینچتی ہے پھر مرنے والے کے اوصاف و محاسن کا ذکر کرتی ہے۔ اوسکے نزدیک مرنے والا شجاعت و سخاوت کا ہیرو تھا۔ وہ روتے روتے سوال کرتی ہے کہ اب کون بڑے بڑے نمایاں کام کریگا دشمنوں سے بدلہ لیگا۔ ضرورت کے وقت محتاجوں اور غریبوں کو کھانا کھلائیگا۔ اور پردیسیوں اور راہ گم کردہ مسافروں کی مہمان نوازی کریگا۔ اگر مرنے والا طبعی موت نہیں مرا ہے بلکہ کسی نے اوسکو قتل کرڈالا ہے تو مرثیہ کہنے والی نہایت جوش دلانے والے الفاظ میں قاتل سے خون کا بدلہ لینے کے لئے تحریض و تحریک کرتی ہے

خنساء المتوفی سنہ ۴۶

عرب کی مشہور شاعرہ عورتوں میں خنساء کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کا نام تماضر بنت عمرو بن الشرید ہے۔ نجد کی رہنے والی اور سرداران قبیلہ سلیم کے خاندان سے تھی علمائے ادب کے نزدیک بالاتفاق اسکے ہمپلہ شاعرہ عورت نہ تو زمانہ جاہلیت میں ہوئی اور نہ زمانہ اسلام میں۔ اس نے سوق عکاظ میں نابغہ ذبیانی کو اپنے اشعار سنائے تو اوس نے کہا کہ اگر میں نے اعشی کے شعر نہ سنے

پہلے طبقات شعرا محمد بن سلام نے لکھی۔

کتب ادبیہ نثر دواوین و منتخبات مذکورۂ بالا کے علاوہ بہت سی نثر کی ایسی ادبی کتابیں ہیں جنہیں جاہلیت کے اشعار کثرت سے پائے جاتے ہیں

اس قسم کی کتابوں میں مندرجہ ذیل کتب نہایت مشہور اور معتبر ہیں۔

نام کتاب	مصنف	سنہ وفات
کتاب البیان والتبیان	جاحظ	سنہ ۸۶۹ء مطابق سنہ ۲۵۵ھ
الشعر والشعرا	ابن قتیبہ	سنہ ۸۸۹ء " سنہ ۲۷۶ھ
الکامل	مبرد	سنہ ۸۹۹ء " سنہ ۲۸۶ھ
عقد الفرید	ابن عبد ربہ	سنہ ۹۴۰ء " سنہ ۳۲۸ھ
امالی	قالی	سنہ ۹۶۶ء " سنہ ۳۵۶ھ
کتاب الاغانی یہ اکیس جلدوں میں ہے	ابوالفرج اصفہانی	سنہ ۹۶۷ء " سنہ ۳۵۶ھ
خزانۃ الادب	عبدالقادر بغدادی	سنہ ۱۶۸۲ء " سنہ ۱۰۹۳ھ

حماد راوی و مفضل الضبی وغیرہ جن راویان اشعار کا اوپر ذکر ہوچکا ہے ان کے علاوہ بہت سے ایسے رواۃ عرب اور علماے ادب گذرے ہیں جو اشعار جاہلیت کے زندہ رکھنے کے باعث ہمیشہ ہمیشہ پس آیندگاں سے خراج شکر و امتنان وصول کرتے رہیں گے۔ یہ سب لوگ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تھے۔ انکے تفصیلی حالات اپنے اپنے موقعوں پر بیان ہونگے۔ لیکن یہاں چند مشاہیر علما و رواۃ کا مختصر سا ذکر بے محل نہ ہوگا

ا۔ قتادہ بن دعامۃ المتوفی سنہ ۱۱۷ھ صدق روایت میں اسکا نمبر سب سے اول تھا۔ مگر اسنے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

ماں کا ذکر

۲۔ ابو عمرو بن العلاء المتوفی ۱۵۴ھ۔ ادبیات کا بہت بڑا عالم اور علم نحو و لغت کا سرچشمہ تھا۔ ابو عبیدہ و اصمعی اسی کے خوشہ چین تھے۔ اسکی بھی ہم تک کوئی کتاب نہین پہونچی۔

۳۔ خلف الاحمر المتوفی ۱۸۰ھ۔ اسکو عرب کے بے شمار اشعار یاد تھے خود ایسا سلیم المذاق و قادر الکلام شاعر تھا کہ اوسکے اور شعراء جاہلیت کے اشعار مین کچھ تمیز نہیں ہوسکتی تھی۔ بصرہ کا رہنے والا تھا۔ اصمعی جیسا علامہ لغت و شعر اسکے بھی روایت اشعار کا زلہ بردار تھا۔ ابن ندیم نے اسکی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے مگر افسوس وہ کہاں دستیاب

۴۔ ابو عبیدہ۔ المتوفی ۲۰۹ھ ادبیات اور علوم اخبار و انساب مین اسکو جسقدر جامعیت حاصل تھی۔ وہ کسی راوی اشعار کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ جاہلیت یا اسلام میں کوئی ایسے دو مبارز نہ پاؤگے جنکا مجھے حال معلوم نہو۔ حروب جاہلیت کے تمام حالات اسی کے روایت کردہ ہیں۔ ہارون الرشید کے دربار مین اسکی بڑی عزت تھی۔ اصمعی سے جو اس کا ہمچشم و ہمعصر تھا بڑے بڑے معرکہ آرائیاں رہا کرتی تھیں۔ اسکی کئی ایک کتابیں ہم تک پہونچی ہیں۔

۵۔ اصمعی المتوفی ۲۱۴ھ۔ یہ علم شعر کا بہترین ماہر تھا۔ اس فن میں اسکو خلف الاحمر کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ خلف الاحمر کے علاوہ اور بہتوں سے اسنے روایت کی ہے۔ حافظہ اسکا بلا کا تھا کہا جاتا ہے کہ بارہ ہزار رجز اسکو یاد تھے۔ ابن ندیم نے اسکی چالیس سے زیادہ کتابون کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انکا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ شعر و شاعری میں اسکی کتاب اصمعیات بہت مشہور ہے۔ جو یورپ میں شائع ہوچکی ہے

زمانۂ اسلام

عہد جاہلیت کے بعد زمانۂ اسلام شروع ہوتا ہے۔ عہد اسلامی کے مختلف دور ہیں۔ مثلاً عہد نبوت۔ خلافت راشدہ۔ دور امویہ۔ دور عباسیہ و دور مابعد وغیرہ۔ مگر ہم اپنی اس تابعہ ذبیانی کے پہلے حصہ میں۔ جیسا کہ شروع میں لکھ آئے ہیں۔ دور امویہ تک بحث کرینگے

پس جس طرح ہم نے پچھلے دور میں اول اوسکی سیاسی تاریخ بیان کی ہے اور پھر ادبی و علمی تاریخ اسی طرح عہد نبوتؐ۔ زمانۂ خلفاے راشدین اور دور امویہ کی پہلے ایک جگہ مسلسل گر نہایت مختصر سیاسی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ اور پھران تینوں دوروں کی تاریخ علمی و ادبی یکجائی طور پر لکھیں گے یہ ممکن تھا کہ ان دوروں کی سیاسی تاریخ کو نظر انداز کر دیتے۔ مگر جیسا کہ مقدمہ میں لکھ آئے ہیں۔ کسی ملک کی علمی تاریخ اوسکی سیاسی تاریخ سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سیاسی و مذہبی تغیرات کا اہل ملک کے ذہنیات پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ زمانۂ اسلام درحقیقت اوس روز سے شروع ہوتا ہے جب جناب رسالت مآب پر پہلی بار وحی نازل ہوئی۔ لیکن اوس وقت جناب رسول کریمؐ اپنی حیات مبارک کا چالیس واں سال ختم فرما رہے تھے۔ اس مدت چہل سالہ کا شمار زمانۂ جاہلیت ہی میں ہوتا ہے مگر یہ کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ جناب سرور انبیا کے حالات زمانۂ بعثت سے لکھے جائیں اور پہلے کے واقعات بیان نہ کیے جائیں۔ عہد نبوتؐ کی سیاسی و مذہبی تاریخ حقیقۃً بالفاظ دیگر سیرت نبوی ہے اور سیرت نبوی اوس روز سعید سے شروع ہوتی ہے ؎

ہوئے پہلوے آمنہ سے ہویدا ۔۔۔ دعاے خلیل اور نوید مسیحا

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوی

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

پس ہم اول سیرت نبوی اور پھر حالات خلافت راشدہ اور پھر سرگذشت بنی امیہ مختصراً بیان کرکے ان تینوں دور کی علمی و ذہنی تاریخ کی طرف متوجہ ہوں گے وما توفیقی الا باللہ

سیرت نبوی

واقعات قبل از بعثت | عرب مستعربہ کے سلسلہ میں ہم پہلے عبد المطلب تک کا ذکر

کر چکے ہیں۔ انکے کئی بیٹے تھے۔ انہیں سے ایک عبداللہ تھے جنکا نکاح آمنہ بنت وہب سے ہوا تھا۔ نکاح کے کچھ دنوں بعد عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات کے چند ماہ بعد بتاریخ ۹۔ ربیع الاول مطابق ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف لائے۔ اسی سال اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ رضاعت کا شرف حلیمہ دائی کو نصیب ہوا۔ جب آپ چھ سال کے تھے تو والدہ ماجدہ نے اور جب آٹھ برس کے ہوئے تو دادا نے انتقال کیا اب آپ کے چچا ابو طالب آپ کی تربیت و پرورش کے متکفل ہوئے بارہ برس کی عمر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ شام میں گئے۔ پندرہ سال کی عمر میں حرب فجار پیش آئی جو قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی تھی۔ اسکے بعد آپ نے حلف الفضول میں شرکت فرمائی پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے آپکا نکاح ہوا دس برس بعد قریش نے خانہ کعبہ کی ازسر نو تعمیر کی۔ حجر اسود کے نصب کرنے کے متعلق جو ایک سخت لڑائی ہونے والی تھی۔ وہ آپ ہی کے حسن تدبیر سے رک گئی۔

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے سے پہلے بھی اپنی قوم میں اخلاقی نقطہ خیال سے نہایت ممتاز تھے۔ آپ کو سب لوگ۔ امین راست باز۔ نیک۔ اور پرہیزگار۔ سمجھتے تھے۔ یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ زمانہ طفولیت و شباب میں بھی مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ باوجودیکہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے اور اس صنم خانہ کی ولایت آپ کے خاندان میں تھی۔ تاہم آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور نہ دیگر رسوم جاہلیت میں شرکت فرمائی۔ مدعیان شرقشناسی کا دعوی ہے کہ آپ بھی (معاذ اللہ) اپنی قوم کی طرح قبل از نبوت بت پرست تھے۔ یہ لوگ آیت کریمہ ووجدک ضالاً فھدیٰ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ ان محرومان مذاق سلیم کو اسلوب قرآن کریم کی کہاں خبر۔ اگر ضلال کے معنی بت پرستی کے ہیں تو پھر اونکے نزدیک انک لفی ضلالک القدیم کی رو سے حضرت یعقوب بھی (نعوذ باللہ) ہمیشہ کے بت پرست ہونے چاہئیں بد مذاقی کی وجہ سے

انکا ذہن نارسا اس لطافت کو کہاں پاسکتا ہے کہ ضلال سے مراد حیرت اور ہدایت سے مراد نبوت ہے

بعثت | چالیس برس کی عمر میں جب آپ ایک روز غار حرا میں جو مکہ معظمہ سے تین میل پر تھا حسب معمول مشغول تحنث اور مصروف تفکر و عبرت پذیری تھے۔ تو فرشتہ وحی نے آکر یہ تعلیم دی۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ط

یہ پہلی وحی تھی جو آپ پر نازل ہوئی۔ اس وقت سے آپ منصب نبوت پر ممتاز ہو گئے۔ عہد اسلام کا یہ پہلا دن تھا۔ باقتضائے حکمت ایزدی ابتدا آپ نے خفیہ طور پر اس عہدہ جلیلہ کے فرایض ادا کئے۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ علیہم اسلام سے مشرف ہوئے۔ تین برس تک اسی طرح نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغ ہوتی رہی۔ لیکن صاف حکم آنے پر فاصدع بما تؤمر یعنی تجھکو جو حکم دیا جاتا ہے اوس کو کھول کر بیان کر ادہر آپ نے علانیہ دعوت اسلام دینی شروع کی تو اودہر کفار مکہ آپ کو اور آپ پر ایمان لائے والوں کو طرح طرح کی اذیت و تکلیف پہونچانے لگے۔ آپ نے اور آپ کے جان نثاروں نے جس استقلال اور صبر و شکر کے ساتھ کفاروں کے آسمان ہلا دینے والے ظلموں کو برداشت کیا اوسکی مثال کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور تو اور ہمارے مغربی مہربان بھی یہاں دنگ رہتے ہیں۔ اور عیسائی مورخین کو حسرت سے کہنا پڑتا ہے کہ کاشکے حضرت عیسیٰ کے متبعین میں بھی ایسا ہی نشہ دینی ہوتا۔

واقعات از بعثت تا ہجرت نبوی | ۵ سنہ نبوی میں۔ رسول مقبول کے حکم سے کم و بیش ۱۳ مسلمان حبش میں ہجرت کر کے گئے۔ یہاں کا بادشاہ نجاشی تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔

سنہ ۷ نبوی میں کفار مکہ کے ترک موالات سے مجبور ہو کر ابو طالب مع تمام خاندان ہاشم کے شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہوئے وہاں تین برس تک کھانے پینے کی ہرقسم کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اس عذاب سے نجات پائی تو سنہ ۱۰ نبوی میں ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا۔ اب کفار کی سفاکیاں اور ایذا رسانیاں بہت بڑھ گئیں ہر شخص آپکا دشمن ہو گیا۔ آخر آپ طائف تشریف لے گئے مگر یہاں بھی کسی نے آپ کی مدد نہیں کی۔ اسی عرصہ میں مدینہ کی ایک جماعت مکہ میں آئی۔ آپ نے حسب معمول انکو بھی دعوت اسلام دی۔ توفیق الٰہی اونکے شامل حال تھی۔ فوراً چھ آدمی ایمان لے آئے۔ یہ لوگ واپس مدینہ پہونچے تو وہاں گھر گھر آنحضرت کا چرچا ہو گیا۔ اور سرعت کے ساتھ وہاں اسلام پھیلنے لگا۔ اونکے جوش اور خلوص کو دیکھکر آپ نے مدینہ ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا۔ مدینہ کی مسلمان جماعت نے رسول اللہ کی اطاعت پر نہایت زور شور کے ساتھ بیعت کی۔ جو بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

جب کفار مکہ نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ محافظ حقیقی نے ان تمام سازشوں سے اپنے حبیب کو مطلع کرکے ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے رات کے وقت حضرت ابو بکر کے ساتھ ہجرت فرمائی اور بروز دوشنبہ بتاریخ ۸۔ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوی مطابق ۲۰۔ ستمبر سنہ ۶۲۲ء جب کہ آپ کی عمر ۵۳ سال تھی مقام قبا میں جو مدینہ کے متصل ہے پہونچے اور چار دن کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔ جو مسلمان لوگ مکہ سے مدینہ پہونچے اونہیں مہاجرین کہتے ہیں اور جن مدنیوں نے آپکی مدد کا بیڑہ اوٹھایا وہ انصار کہلاتے ہیں۔

نظر ثانی بر قیام مکہ بحالت نبوت

آنحضرت نبی کی حیثیت سے مکہ معظمہ میں بارہ سال پانچ ماہ اور کچھ دن رہے۔ اس عرصہ میں ۹۳ قرآنی سورتیں نازل ہوئیں جو دو تہائی قرآن کے برابر ہیں۔ اس ابتدائی زمانہ نبوت میں چونکہ شدید ترین کفار قرآن پاک کے مخاطب تھے اس لئے مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں۔ اونمیں زیادہ تر وہ اصولی اور بنیادی احکام ہیں

جن کا تزکیہ نفس اور عقائد سے تعلق ہے۔ ان سورتوں میں کفر و شرک کی برائیاں اور توحید و تمجید کی خوبیاں بتائی گئی ہیں۔ روز حشر و نشر کی کیفیت سمجھائی گئی ہے۔ عبادت اور پرہیز گاری کی طرف رغبت، فسق و فجور سے نفرت دلائی گئی ہے۔ کئی آیات میں اقوام سابقہ کے عبرت خیز واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

سنہ ۱۱ نبوی یا سنہ ۱۲ نبوی میں (بحسب اختلاف روایت) آپ کو معراج ہوئی اور اسی معراج میں پانچ وقتوں کی نماز کا تعین ہوا۔ مکہ معظمہ کے قیام تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

حالات نبوی بعد ہجرت

جب آپ مدینہ پہونچے تو جہاں آپ کی ناقہ بیٹھ گئی وہیں آپ اتر پڑے۔ اور اسی قطعہ زمین کو خرید کرکے وہیں مسجد نبوی تعمیر کی۔ یہاں پہونچکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک طرف مہاجرین و انصار میں رشتہ مواخات قائم کر دیا اور دوسری طرف مدینہ کے یہودیوں سے ایک معاہدہ لکھوالیا۔ تاکہ وہ مسلمانوں سے بدمعاملگی نہ کرسکیں۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ اس عالم شہود میں دس برس کے قریب رونق افروز رہے۔ اس عرصہ میں (بحسب اختلاف روایت) ۱۹۔ یا ۲۶۔ یا ۲۷۔ غزوے وقوع میں آئے۔ آخری غزوہ۔ غزوہ تبوک تھا۔ صرف نو غزوات میں لڑائی ہوئی اور وہ بہت مشہور و اہم ہیں بدر (سنہ ۲ھ) احد (سنہ ۳ھ) خندق (سنہ ۵ھ) قریظہ (سنہ ۵ھ) مصطلق (سنہ ۵ھ) خیبر (سنہ ۷ھ) فتح مکہ (سنہ ۸ھ) حنین (سنہ ۸ھ) طائف (سنہ ۸ھ) ان غزوات کے علاوہ ایسی یورشوں کی تعداد جنمیں آنحضرت خود شریک نہیں ہوئے اور جنہیں سریہ کہتے ہیں۔ ۳۵ یا ۴۸ ہے۔ ان غزوات و سرایا کے اسباب پر غور کرنے سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ کسی غزوہ یا سریہ میں ابتدا مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم خدا کی راہ میں اون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے کی ابتدا نہیں کرتے تھے بلکہ مجبور کئے جاتے تھے
سب سے پہلا حج جو مسلمانوں کے زیر اہتمام ہوا وہ ۹ھ میں ہوا۔ قران پاک
نے اس حج کو حج اکبر کیا ہے۔ رسول مقبولؐ خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت ابوبکرؓ
کو میر حاج اور حضرت علیؓ کو نقیب بناکر بھیجا۔ اس سال کفار عرب جوق جوق اسلام میں
داخل ہونے لگے اور اوسوقت سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی۔ اسی ۹ھ کو
عام الوفود کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال تمام عرب نے اپنے اپنے قبیلوں سے آپ کی خدمت
میں وفد بھیجے اور اسلام میں داخل ہوگئے۔ ۱۰ھ میں خود آنحضرتؐ حج کو تشریف لے گئے
یہ حج حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا اجتماع ہوا
حج کے بعد آپ نے ایک طویل خطبہ دیا اسی روز یہ آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم
الاسلام دینا

اوس روز احکام قرآنی کے نزول کا سلسلہ ختم ہوکر دین اسلام مکمل ہوگیا اور
نبی آخرالزماں کی رسالت و نبوت کی غرض و غایت پوری ہوگئی۔

حج وداع سے واپس آکر ماہ صفر ۱۱ھ میں آنحضرت علیل ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول
۱۱ھ روز دوشنبہ مطابق ۸۔ جون ۶۳۲ء کو شام کے وقت بعمر ۶۳ سال وفات پائی

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے اخلاق و شمائل پورے طور پہ بیان کرنا۔ انسان کے حوزۂ امکان سے باہر
ہے۔ جس ذات بابرکات کی شان میں خداوند عالم یوں فرمائے۔

وانک لعلی خلق عظیم (ترجمہ) بے شک تم بڑے اعلی درجہ کے اخلاق حمیدہ پر ہو
اوسکے اوصاف کاملہ و اخلاق فاضلہ کا کیا ٹھکانا ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خلافت راشدہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ
سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۱۳ھ

آنحضرت کی وفات کے بعد صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور اسلامی جمہوریت کے بے نظیر اصول کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ بالاتفاق خلیفۃ الرسول بنائے گئے۔ آپ نے دو سال ۳ ماہ دس روز خلافت کرنے کے بعد ۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ ہجری مطابق ۲۲۔ اگست سنہ ۶۳۴ء رحلت فرمائی

عہد صدیقی کا اہم ترین کارنامہ استیصال ارتداد تھا۔ انحضرت کے زمانہ علالت میں چند مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی قابل ذکر ہیں مسیلمہ نے یمامہ میں سر اوٹھایا۔ اور بعہد ابو بکرؓ ہلاک ہوا۔ اور دوسرے نے یمن میں سر تابی کی۔ اور وفات نبوی سے پہلے ہی جہنم واصل ہوا مسیلمہ کذاب کی سرکوبی میں حفاظ قران کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوئی حضرت عمر کو خیال ہوا کہ اگر حافظوں کا اسی طرح خاتمہ ہوتا گیا تو کہیں قران ضائع نہو جائے۔ اسلئے اونکے مشورہ کے مطابق حضرت ابو بکر نے حضرت زید بن ثابت کے زیر نگرانی قران جمع کرایا۔ اسکی تفصیل آگے آئیگی۔

عہد صدیقی میں مسلمانوں نے پہلی بار عرب سے نکلکر بسرکردگی خالد بن ولید ایک طرف ایرانیوں کو شکست پر شکست دی تو دوسری طرف معرکہ یرموک میں رومیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ مقدم الذکر کامیابی فتح ایران کی پیش خیمہ بنی۔ دوسرا واقعہ فتوح شام کا دیباچہ ہوا

حضرت عمر فاروقؓ
سنہ ۱۳ھ سے سنہ ۲۳ھ

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ نے دس سال چھ ماہ خلافت کرنے کے بعد بتاریخ ۲۶ یا ۳۰۔ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ مطابق سنہ ۶۴۴ء شہادت پائی آپ کے عہد خلافت میں ممالک ایران۔ شام۔ و مصر فتح ہوئے یعنی مقبوضات اسلامی کا رقبہ ساڑھے بائیس ۲۲½ لاکھ مربع میل سے زیادہ ہو گیا تھا خدا کی قدرت دیکھو کہ عرب کی جاہل ترین قوم میں اسلام کی برکت اور آنحضرت کے فیض صحبت

سے وہ اخلاق فاضلہ اور اوصاف کاملہ پیدا ہو گئے تھے۔ کہ انکے سامنے دنیا کے زبردست ترین و متمدن ترین سلطنتوں یعنی ایران و روم کی کوئی ہستی نہین رہی تھی۔ جس طرف وہ نہضت کرتے تھے فتح و نصرت اون کا استقبال کرتی تھی۔ حضرت عمر نے کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط و موصل وغیرہ بڑے بڑے شہر آباد کئے۔ اسلامی سلطنت کا نظام ایسی بنیاد پر قائم کیا جو جمہوریت کی اصلی روح کہی جاسکتی ہے

امیر المومنین کا لقب سب سے پہلے آپ ہی کو ملا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہجرت نبوی سے تاریخ شمار کی آپ ہی نے بیت المال اور دیوان کی بنیاد ڈالی۔ آپ ہی نے سب سے پہلے شہروں میں قاضی مقرر کئے۔ آپ کے کارنامے اتنے ہیں کہ ہم اونکو اختصار سے بھی یہان بیان نہیں کرسکتے۔ دنیا میں جسقدر مشہور فرماں روا اور ارباب کمال گذرے ہیں سب پر حضرت عمر کو ترجیح و فوقیت حاصل ہے۔

حضرت عثمان سنہ ۲۴ھ سے سنہ ۳۵ھ تک

آپ نے یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷۔ نومبر ۶۴۴ء کو خلیفہ منتخب ہوکر ۱۲ دن کم ۱۲ سال خلافت کرنے کے بعد ۱۸۔ ذی الحجہ ۳۵ھ کو شہادت پائی۔ آپ کے زمانہ خلافت میں ایران کا بقیہ حصہ۔ یعنی بلاد خراسان و نیشاپور وغیرہ۔ رومیوں کے بہت سے قلعے۔ جزیرۂ قبرص اور ملک افریقہ وغیرہ ممالک فتح ہوئے۔ آپ نے قران شریف کے اختلافات قرات کو دور کرکے ایک صحیح قرأت پر جمع کیا۔ آپ کی نرم مزاجی اور تحمل و برداشت سے موقعہ پاکر عبداللہ بن سبا نے جو برائے نام مسلمان تھا۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے۔ تمام بلاد اسلامیہ میں باغیانہ و مفویانہ خیالات پھیلانے شروع کردیئے۔ اسکے گمراہی کی سازشیں ایسی پھیلیں کہ مسلمانوں میں ایک فتنہ عظیم پیدا ہوگیا جسکے بدولت حضرت عثمان شہید ہوئے

حضرت عثمان کی شہادت سے فتوحات اسلامیہ کا سلسلہ بند ہوگیا اور مسلمانوں میں انفراق و انشقاق کا دروازہ کھل گیا۔ قریش کے دو زبردست قبیلہ بنی ہاشم اور بنی امیہ

ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے۔ اسلامی نقطۂ خیال سے اسلام کے لئے اس سے بڑھکر کوئی مہلک وتباہ کن واقعہ وقوع میں نہیں آیا۔

حضرت علیؓ سنہ ۳۵ھ سے سنہ ۴۰ھ تک

حضرت علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کی شہادت کے بعد روز جمعہ ۲۵- ذی الحجہ ۳۵ھ خلیفہ ہوئے۔ جس فتنہ و شورش کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ہوا تھا وہ نہایت تیزی کے ساتھ نشو ونما پاکر اب شباب کو پہونچ گیا۔ اور ذراسی دیر میں مسلمانوں کی قوت واتحاد کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ جو تلواریں دشمنان اسلام کے خون میں رنگین ہوتی تھیں اب وہ باہمی نفاق و مخالفت کی وجہ سے آپسمیں قطع و برید کرنے لگیں۔ خلیفہ شہید کا قصاص چاہنے والی جماعت۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے گروہ کے مد مقابل بن گئی۔ اول اودھر سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بعیت حضرت طلحہ و زبیر بصرہ میں قوت جمع کی۔ تو حضرت حضرت علی کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ اور طرفین میں سخت لڑائی ہوئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے دونوں طرف سے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ خاتمہ جنگ پر حضرت علی نے بکمال احترام حضرت ام المومنین کو مدینہ کی طرف روانہ فرمایا

اسکے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ اموی میں جو شام کے عامل تھے۔ بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ جنمیں سب سے زیادہ مشہور جنگ صفین ہے۔ شامیوں نے میدان کی حالت خراب دیکھکر قران کو نیزوں پر اوٹھایا تو حضرت علی کی قوم نے اونکی مرضی کے خلاف لڑائی روک دی۔ امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص اور حضرت علی کی جانب سے ابو موسیٰ اشعری حکم مقرر ہوئے۔ فیصلہ کے لئے کچھ مدت مقرر ہوئی اس ثالثیت پر ایک بڑی جماعت شیعان علی میں سے حضرت علی کے خلاف ہوگئی۔ یہ جماعت خارجیوں کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ مخالفت یہ ہوئی کہ انہوں نے قران شریف کے مقابلہ میں آدمیوں کی ثالثیت کو پسند نہیں کیا۔ جب ثالثی کا وقت آیا تو دونوں پنچ دومۃ الجندل کے قریب جمع

ہوئے۔ باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ دونوں کو خلافت کے حق سے معزول کر دیا جاوے امت کو اختیار ہے کہ کسی تیسرے شخص کو اپنا امیر بنالے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری نے کھڑے ہو کر اسی کا اعلان کر دیا لیکن انکے بعد عمرو بن عاص جو کھڑے ہوئے تو کہنے لگے جو کچھ فیصلہ ہوا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا مجھے صرف اسقدر کہنا ہے کہ علی کی معزولی سے تو مجھے بھی اتفاق ہے لیکن معاویہ کو قائم رکھتا ہوں۔

یہ سنکر ابوموسیٰ اور عمرو بن عاص میں باہم سخت کلامی ہوئی۔ لیکن اب کیا ہوسکتا تھا عمرو بن عاص کا وار چل چکا تھا حضرت علی نے اس فیصلہ کو نہیں مانا۔ امیر معاویہ خوشی سے اسپر راضی ہو گئے۔ غرضکہ اب بلاد اسلامیہ میں دو حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ایک حضرت علی کی۔ جنکا دارالخلافہ کوفہ تھا۔ اور دوسری امیر معاویہ کی جنکا دارالامارت دمشق تھا۔ اس اختلاف کی وجہ سے عالم اسلامی نہایت اضطراب کی حالت میں ہو گیا۔ آخر کار خوارج میں سے تین شخص۔ حضرت علی۔ امیر معاویہ اور عمرو بن عاص (جو معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے) کے قتل کے لئے آمادہ ہوئے۔ دو شخصوں کا وار خالی گیا لیکن ابن ملجم ۱۶۔ رمضان سنہ ۴۰ھ روز جمعہ کو حضرت علی کو جام شہادت پلانے میں کامیاب ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی شہادت سے خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو گیا

خلافت بنی امیہ

سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک

عبد مناف کے دو بیٹے تھے۔ ایک ہاشم۔ جنکی اولاد ہاشمی کہلاتی ہے۔ اور دوسرے عبد شمس انکے بیٹے امیہ تھے جو خاندان اموی کے مورث اعلیٰ ہیں۔ عبد مناف کی یہ دونوں شاخیں شرف و عظمت کے لحاظ سے قریش میں سب سے زیادہ ممتاز تھیں اگرچہ اس میں شک نہیں کہ طلوع آفتاب نبوت سے خاندان ہاشمی کے جاہ و جلال کے سامنے اور دیگر خانوادے ماند ہو گئے تھے۔ لیکن بنو امیہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں محترم و ممتاز تھے اسلام میں بھی انہوں نے اپنے کارہائے نمایاں سے وہی نہایت عظمت حاصل کر لی تھی۔

حضرت عثمانؓ اسی خاندان سے تھے۔ بنی امیہ کی صرف دو شاخوں کو شہرت و خلافت نصیب ہوئی۔ ایک حرب کی دوسری ابو العاص کی پہلی شاخ میں سے تین اور دوسری میں سے دس کل ۱۳ خلیفہ ہوئے۔

شجرہ یہ ہے

امیہ

حرب — ابو العاص

حرب
ابو سفیان
(۱) معاویہ اول
(۲) یزید اول
(۳) معاویہ ثانی

ابو العاص
حکم
(۴) مروان اول
(۵) عبد الملک — عبد العزیز — محمد
عبد الملک: (۶) ولید، (۷) سلیمان، (۹) یزید ثانی، (۱۰) ہشام
ولید: (۱۲) یزید ثالث
یزید ثانی: (۱۱) ولید ثانی
عبد العزیز: (۸) عمر
محمد: مروان ثانی (۱۴)
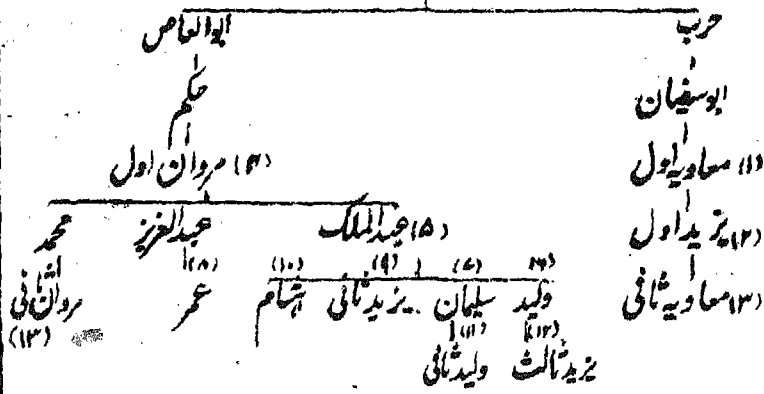
امیر معاویہ امیر معاویہ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ سے یکم رجب ۶۰ھ تک

مدت خلافت ۲۰ سال۔ حضرت علی کی شہادت پر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد امیر معاویہ خلیفہ ہوئے آپ نے رومیوں کو کئی بار بحری طاقت سے شکست دی قسطنطنیہ پر حملہ کیا جسمیں بڑے بڑے صحابہ شریک ہوئے سردی کی وجہ سے یہ مہم ناکام رہی۔ اثنائے محاصرہ میں حضرت ابو ایوب انصاری نے وفات پائی فصیل شہر کے قریب باہر کی طرف دفن ہوئے عثمانی ترکوں نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو انکے مزار کے متصل ایک جامع مسجد تعمیر کی جو ابتک قائم اور جامع ابو ایوب کے نام سے مشہور ہے۔ افریقہ میں بسر کردگی عمرو بن عاص برقہ تک علاقہ فتح ہوتا چلا گیا۔ ملک بربر میں چھاؤنی قائم کرنے کی غرض سے شہر قیروان آباد کیا گیا۔ ان کا زمانہ خلافت نہایت

امن و امان کا زمانہ تھا۔ یہ نہایت نرم مزاج رحیم اور صلح جو تھے۔ امور مملکت داری میں مہارت تام رکھتے تھے انہوں نے ہی ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانہ سے امت محمدیہ کا ہمیشہ کے لئے اتحاد ٹوٹ کر تین مختلف الخیال گروہ قائم ہوگئے تھے۔

۱۔ گروہ بنی امیہ — جسمیں کل اہل شام اور دیگر دیار و امصار کے بھی لوگ شامل تھے۔

۲۔ شیعان علی — یعنی اہل عراق اور کچھ لوگ مصر کے۔

۳۔ خوارج — یہ دونوں مذکورہ بالا گروہوں کو خارج از دین اور ان کے خون کو حلال سمجھتے تھے۔

شیعان علی کے معاملہ میں امیر معاویہ کو اس قدر دشواری پیش نہیں آئی جس قدر فتنہ خوارج فرو کرنے میں۔ زیاد اور اونکے بیٹے عبد اللہ نے خوارج پر بڑی بڑی سختیاں کیں

امیر معاویہ نے اپنی آخر عمر میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ جاکر وہاں کے لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کا عہد لیا۔ اور اس طرح اسلام کے زریں اصول انتخاب جمہوریت کو بالائے طاق رکھکر استبدادیت کی بدعت مہلکہ کو اسلام سے روشناس کر دیا۔

۲۔ یزید اول | یزید اول۔ رجب ۶۰ھ سے ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ تک مدت خلافت ۳ سال آٹھ ماہ اسکے زمانہ کے یہ تین واقعات ایسے افسوسناک اور دلخراش ہیں کہ انکی وجہ سے یزید کا نام تاقیام قیامت عالم اسلام میں شقی ازلی ولعین ابدی کا مترادف سمجھا جائے گا۔

جگر پارہ فاطمۃ الزہرا کا قتل۔ مدینہ منورہ کی حرمت ریزی۔ اور مکہ معظمہ کا محاصرہ۔

۳۔ معاویہ دوم | ۳۔ معاویہ دوم ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ سے جمادی الثانی ۶۴ھ مدت خلافت تین ماہ

۴۔ مروان اول | ۴۔ مروان اول ذوالقعدہ ۶۴ھ سے ۳ رمضان ۶۵ھ مدت خلافت نو ماہ

یزید کے مرنے پر شام میں معاویہ ثانی کی اور حجاز میں عبد اللہ بن زبیر کی بیعت ہوئی تقدم لکہ

نے خود کو اس منصب اعلیٰ کے لائق نہ پاکر دست کشی کی اور تین ماہ کے بعد راہی ملک بقا ہوا۔ عبد اللہ ابن زبیر کا اثر بڑھتا گیا صرف شام کا کچھ حصہ باقی رہگیا تھا کہ بنی امیہ نے مروان بن حکم کی بیعت کی۔ اب طرفین کے حامیوں کا مرج راہط میں مقابلہ ہوا۔ ابن زبیر کے مددگاروں کو شکست ہوئی۔ کل شام پر مروان کا تسلط ہوگیا۔ اہل مصر نے بھی اسکی بیعت قبول کرلی۔ لیکن یہ خلافت صرف نو ماہ کرسکا۔ موت نے اور مہلت نہ دی

۵۔ عبد الملک بن مروان عبد الملک ۳۔ رمضان ۶۵ھ سے وسط شوال ۸۶ھ تک مدت خلافت ۲۱ سال کے قریب اسکا سارا زمانہ شورشوں اور بغاوتوں سے پُر تھا۔ ایک طرف عبد اللہ بن زبیر کی مہم سر کرنی پڑی تو دوسری طرف آئے دن خارجیوں کی سرکوبی و بیخ کنی کرنی ہوئی۔ اندرونی بغاوتوں سے موقعہ پاکر رومیوں نے سر اوٹھایا لیکن آخر کار شکست کھا کر انہیں ملک چھوڑنا پڑا۔ حجاج بن یوسف جو ستمگری وظلم پروازی میں شہرۂ آفاق ہے اسی خلیفہ کا عامل کوفہ تھا۔ یہ خلیفہ نہایت عالم فاضل صاحب ہمت و شجاعت تھا۔ اسنے نہایت استقلال اور اولوالعزمی کے ساتھ تمام اندرونی بغاوتوں کو فرو کیا۔ اور رومیوں کو شکست دی۔

۶۔ ولید اول اس نے شوال ۸۶ھ سے جمادی الثانی ۹۶ھ تک ۹ سال ۷ ماہ خلافت کی۔ چونکہ شیعہ اور خارجیوں کی قوتیں ٹوٹ چکی تھیں۔ اسلئے اسکا زمانہ نہایت امن وسکون کا زمانہ تھا۔ اسکے سپہ سالاروں میں سے محمد بن قاسم نے ملک سندھ و ملتان قتیبہ بن مسلم باہلی نے بخارا۔ خوارزم۔ ملک ماوراءالنہر۔ موسیٰ بن نصیر نے ملک اندلس اور مسلمہ بن عبد الملک نے رومیوں کے بہت قلعے فتح کئے۔ اسکو تعمیر عمارت کا بہت شوق تھا۔ مسجد نبوی کی وسعت اسی کے حکم سے ہوئی۔ اسے رفاہ عام کا بھی بڑا خیال تھا۔ حجاج بن یوسف اسکے عہد خلافت میں بھی کوفہ وبصرہ اور کل شرقی ممالک کا گورنر رہا۔ اسی حجاج نے تدوین حدیث اور قرآن شریف پر حرکات لگائے جانے کی طرف توجہ کی۔

۷۔ سلیمان بن عبدالملک | جمادی الثانی ۹۶ھ سے صفر ۹۹ھ تک مدت خلافت دو سال آٹھ ماہ۔ ولید چونکہ ولی عہدی سلیمان سے چھینکر اپنے بیٹے کو دینا چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے خلیفہ ہوتے ہی ولید کے مشہور سپہ سالاروں محمد بن قاسم فاتح سندھ قتیبہ فاتح ماوراء النہر موسیٰ ابن نصیر فاتح اندلس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ اس لئے فتوحات کا سلسلہ بند ہوگیا۔

۸۔ عمر بن عبدالعزیز | صفر ۹۹ھ سے رجب ۱۰۱ھ تک مدت خلافت ۲ سال ۵ ماہ آپ نے اپنے فرایض خلافت اس تدین و تدبر اور ایمانداری و پرہیزگاری۔ بیدار مغزی و ہوشمندی سے ادا کئے کہ آپکا شمار خلفاے راشدین میں ہوتا ہے۔ آپکا زمانہ عہد فاروقی کو یاد دلاتا ہے۔ خلافت بنی امیہ پر جو رنگ استبداد غالب آگیا تھا آپ نے اسکو ایک دم دور کرکے مسلمانوں میں پھر جمہوریت کی روح پھونکدی۔ سر منبر حضرت علی اور آل رسول پر تبرا ہوتا تھا۔ آپ نے اسکو یکقلم بند کردیا۔ بنی امیہ نے جن جن جایدادوں اور ملکیتوں پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا وہ سب اون سے لیکر حق داروں کے حوالے کیں۔ اس وجہ سے آپ کے خاندان والے آپ سے ناراض ہوگئے۔ آپ کے زمانہ میں خارجیوں کی صرف ایک جماعت نے سر اوٹھایا آپ نے انکے سردار بسطام یشکری کو مناظرہ کے لئے لکھا۔ تو اس نے دو نمایندے بھیجدیئے۔ جن سے آپ نے اس اسلوبی کے ساتھ مباحثہ کیا کہ ایک سے ایک قائل ہوکر راہ راست پر آگیا۔

۹۔ یزید ثانی | رجب ۱۰۱ھ سے شعبان ۱۰۵ھ تک مدت خلافت ۴ سال کے قریب یزید ثانی نے خلیفہ ہوتے ہی ان تمام اصلاحات کو جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جاری کی تھیں منسوخ کرکے بنی امیہ کی قدیمی نظام کو از سر نو مستحکم کردیا۔ اس خلیفہ کا مایہ ناز کارنامہ مہلب جیسے عظیم الشان سپہ سالار کے خاندان کو تباہ و برباد کردینا تھا۔

۱۰۔ ہشام بن عبدالملک | اس نے شعبان ۱۰۵ھ سے ربیع الاول ۱۲۵ھ تک ۱۹ سال

۹ ماہ خلافت کی۔ اسکے عہدِ خلافت میں۔ زمانہ جاہلیت کی طرح عربوں میں قومی عصبیت اور منافرت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ قحطانیون کا اگر قابو چلتا تھا تو وہ مضریوں کو پیس ڈالتے تھے اگر مضری غالب ہوتے تھے تو قحطانیوں کی شامت آجاتی تھی۔ بہت سے عامل اور سپہ سالار آپس میں اس قومی منافرت کے نشانہ بنے۔ جس سے خلافت کو نقصان ضرور پہونچا لیکن تاہم اس خلیفہ کے عہد میں۔ سرحد محفوظ اور خزاین معمور تھے۔ رعایا خوشحال تھی۔ جس طرح اورنگ زیب کے زمانہ میں سلطنت مغلیہ انتہاے وسعت وکمال کو پہونچکر رو بانحطاط ہو گئی تھی۔ اسی طرح ہشام کے زمانہ میں خلافت بنی امیہ منتہاے عروج کو پہونچکر متزلزل ہوگئی۔

۱۱۔ ولید ثانی ہشام کے بعد ولید بن سلیمان نے ربیع الثانی ۱۲۵ھ سے ۱۲۶ھ تک ایک سال سے کچھ زیادہ خلافت کی ہشام چونکہ اس ولید ثانی سے ولیعہدی چھینکر اپنے بیٹے کو دینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے خلیفہ ہوتے ہی ہشام کے اہل وعیال اور اوسکے ہمخیال امرا ورؤسا کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا جس سے سارے بنی امیہ اوسکے دشمن ہوگئے اور آخر کار قتل کیا گیا۔

۱۲۔ یزید ثالث ولید ثانی کے قتل پر یزید بن ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اس نے ذی الحجہ ۱۲۶ھ تک ۵ ماہ کچھ دن خلافت کی چونکہ اسنے ولید کے اضافہ کردہ فوجی تنخواہوں میں کمی کردی تھی اس لیئے یہ یزید ناقص کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے زمانہ خلافت کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں۔ قتل ولید ثانی کا اسپر جرم لگایا جاکر کچھ بغاوتیں ہوئیں لیکن وہ فرو ہوگئیں۔ یہ نیک نیت اور بڑا زاہد وعابد تھا

۱۳۔ مروان ثانی ۱۲۷ھ میں خلیفہ ہوا۔ اسکا زمانہ اول سے آخر تک شورش وبغاوت کا زمانہ تھا۔ خانہ جنگیاں بھی ہوئیں تو خارجیوں نے بھی سر اٹھایا۔ اور حامیان بنی عباس مدت سے بنی امیہ کے خلاف ریشہ دوانیاں کررہے تھے اونہیں اب پورا موقعہ ملگیا۔ ابومسلم نے جو اس گروہ کا قائد تھا اول خراسان پر تسلط کیا۔ پھر ربیع الاول ۱۳۲ھ میں بمقام کوفہ

ابو العباس سفاح کی خلافت کا اعلان کیا جا کر ایک لشکر جرار مروان کے مقابلہ میں بھیجا گیا مروان شکست کھا کر مصر کی طرف بھاگا۔ لیکن موت سے مفر کب آخر گرفتار ہو کر ۲۰۔ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کو قتل کیا گیا۔ یہ خلافت بنی امیہ کا آخری اور خلافت بنی عباس کا پہلا دن تھا۔

خلفائے بنی امیہ پر نظر ثانی

اس خاندان نے ۹۱ سال ۹ ماہ حکومت کی۔ اور تیرہ خلیفہ ہوئے۔ غور کرنے سے ہر ایک کی ایک خاص خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ امیر معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی اور متدین کاتب وحی تھے۔

۲۔ یزید اول نے وہ کام کیا جسکے وجہ سے عالم اسلام میں ہمیشہ اسپر لعنت کی بوچھار ہوتی رہے گی۔

۳۔ اس سے زیادہ کیا نیک نیتی ہو سکتی تھی کہ معاویہ ثانی نے خود کو کسی طرح بار خلافت کے لائق نہ پا کر امت کو اختیار دیدیا تھا کہ جسے چاہے وہ خلیفہ منتخب کرلے

۴۔ مروان وہی شخص ہے جسکے دست درازیوں اور چالاکیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد بپا کر دیئے تھے۔ معاویہ ثانی کے بعد اگر اسکی بیعت نہوتی تو بنی امیہ کے ہاتھ سے خلافت نکل جاتی۔

۵۔ عبد الملک نے اپنے استقلال و اولوالعزمی کی وجہ سے تمام اندرونی خرخشے اور بغاوتیں فرو کر کے خلافت کا راستہ صاف کر دیا تھا۔

۶۔ فتوحات کثیرہ اور اصلاحات داخلیہ کے لحاظ سے ولید اس خاندان کا بزرگترین شاندار خلیفہ تھا۔

۷۔ سلیمان میں کینہ پروری کی صفت خاص طور پر نمایاں تھی۔

۸۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا خلفائے راشدین میں شمار ہوتا ہے۔

۹۔ یزید ثانی حضرت عمر بن عبد العزیز کا بالکل برعکس تھا۔

۱۰۔ ہشام کے زمانہ میں خلافت بنی امیہ انتہائے عروج کو پہونچی۔ اسے خاندان بنی امیہ کا اورنگ زیب سمجھو۔

۱۱۔۱۲۔۱۳۔ ولید ثانی۔ یزید ثالث۔ مروان ثانی۔ اپنے اپنے حصہ کے مطابق خلافت کی بربادی و تباہی کے ذمہ دار ہیں۔

اسباب زوال خلافت بنی امیہ

خلافت بنی امیہ کے اسباب زوال مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں

۱۔ خلفائے بنی امیہ کی پالیسی نے رعایا کے چار طبقوں کو مخالف و دشمن بنا دیا۔

(الف) سنیوں میں سے صلحا اور پابند شریعت مسلمانوں کا طبقہ

(ب) خوارج

(ج) شیعۂ علی

(د) موالی یعنی عجمی مسلمان

ان چاروں طبقات کی مخالفت و دشمنی خلافت دمشق کے زوال کا باعث ہوئی

۲۔ ایک جرمنی محقق لکھتا ہے کہ یہ تین اسباب تھے۔

(الف) رعایا کا اپنے اجنبی حکمرانوں سے متنفر ہونا۔

(ب) تحریک سبائی جسکا بانی مبانی عبداللہ ابن سبا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں در پردہ اس تحریک کے جراثیم پھیلاتا رہا۔

(ج) مسیح موعود کا انتظار

۳۔ بعضوں نے یہ اسباب بیان کئے ہیں

(الف) بنو ہاشم اور خوارج کا وقتاً فوقتاً سر اوٹھانا

(ب) عربی قبائل میں زمانۂ جاہلیت کی عصبیت کا زندہ ہو جانا۔

(ج) خلفار کی خانہ جنگیاں۔

(د) رؤسار و امرا کی باہمی لڑائیاں۔

(ہ) خلفا کا دعاۃ عباسیہ کی پوشیدہ سازشوں اور اندرونی کوششوں سے عین وقت تک بالکل بے خبر رہنا۔

تعلیل و توجیہ کی ان مختلف طرق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت دمشقی خلافت کے اسباب بربادی و تباہی تین تھے

۱- بنو ہاشم کی مخالفت و بیزاری

۲- موالی یعنی عجموں کا اہل عرب سے متنفر ہونا

۳- بعض خلفا کا تقرر ولیعہد کے متعلق غلط رویہ۔

اگر خلفاے بنی امیہ۔ بنو ہاشم اور شیعان علی کی استمالت و دلجوئی کرتے تو یہ لوگ اسقدر بیزار اور برسرپیکار نہوتے۔ کربلا کے واقعہ فاجعہ نے اگرچہ اس خلیج نفرت کو بہت وسیع کر دیا تھا مگر تاہم تلافی ممکن تھی۔

چونکہ عجمیوں کو بنی امیہ کی حکمرانی پسند نہیں تھی کیونکہ باوجود مسلمان ہونے کے انکو بنی امیہ کے نظام حکومت میں کچھ دخل نہیں تھا۔ اور تمام ملکی حکومتیں اور فوجی مناصب اہل عرب ہی کے ہاتھ میں تھیں جو ان موالی کو بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ اس لئے دعاۃ عباسیہ کو خراسان اور کوفہ میں اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے لئے بہترین میدان مل گیا۔ خوارج اگرچہ نہایت جنگجو۔ بہادر اور اپنے عقائد پر جان دیدینے والے تھے مگر چونکہ انکو اس قسم کا کوئی میدان نہیں ملا اس لئے یہ لوگ خلافت بنی امیہ کو زیادہ نقصان نہ پہونچا سکے۔

علاوہ بریں اگر تنگ نظری و خودغرضی کی وجہ سے ولیعہد مقرر کرنے میں غلط راستہ اختیار نہ کیا جاتا یا غالب و کامیاب جماعت۔ کینہ و بغض کو نکال کر حریف مغلوب سے

انتقام نہ لیتی تو نہ بڑے بڑے سپہ سالار وعمال کارگذار برباد و تباہ ہوتے اور نہ خلفا کے اقتدار و تسلط میں سر موضعف آتا۔ دشمن کو خانہ جنگیوں سے جسقدر فائدہ پہونچتا ہے اتنا کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔

خلافت بنی امیہ کا خلافت راشدہ و خلافت عباسیہ سے موازنہ

موازنہ مابین خلافت راشدہ و امویہ

۱۔ خلافت راشدہ کی بنیاد بہترین اصول جمہوریت پر مبنی تھی تو یہاں رنگ استبداد غالب تھا۔

۲۔ خلفائے راشدین معمولی رعایا کی طرح نہایت سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے انکے نہ محافظ ہوتے تھے اور نہ دربان۔ خلفائے امویہ کے طرز معاشرت بادشاہانہ تھی۔ باڈی گارڈ ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔

۳۔ خلفائے راشدین بیت المال کو امت کی امانت سمجھتے اور اوسکی حفاظت میں ہر طرح کی احتیاط کرتے تھے۔ لیکن خلفائے امویہ اُسے اپنی ملکیت خیال کرتے تھے جسقدر چاہتے اوسمیں سے اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کر ڈالتے۔

۴۔ خلافت راشدین میں تمام سیاست و مملکت داری قران و حدیث کی ماتحت تھی۔ عہد اموی میں قوت و غلبہ کا دور دورہ تھا۔

۵۔ عہد راشدین میں نسب کا مطلق کچھ خیال نہیں کیا جاتا تھا اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم معیار شرافت تھا۔ خلافت بنی امیہ میں پرانی عصبیت جاہلیہ عود کر آئی تھی۔

۶۔ خلفائے راشدین کا دار الخلافہ مدینہ منورہ تھا۔ امیر معاویہ اور انکے جانشینوں کا پایۂ تخت دمشق ہوا۔

موازنہ مابین خلافت خلافت امویہ و عباسیہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا فرق زیادہ

امویہ و عباسیہ

اہم اور نمایاں ہے۔

۱۔ خلافت امویہ میں تمام بلاد اسلامیہ مشرق سے لیکر مغرب تک شامل تھے مگر عہد عباسیہ میں اندلس تو ابتدا ہی سے علیحدہ ہوگیا تھا اور پھر مصر کچھ دنوں بعد خود مختار ہوگیا یہانتک کہ رفتہ رفتہ تمام ممالک خلافت عباسیہ سے نکل گئے تھے اور آخر میں صرف بغداد اور اوسکے قرب و جوار تک عباسیوں کا اثر رہ گیا تھا۔

۲۔ خلافت امویہ تک اہل عرب کو تاریخ اسلام میں جو اہمیت حاصل تھی وہ عہد عباسیہ میں بالکل جاتی رہی۔ اونکے بجائے اولاً ایرانیوں کو اور آگے چل کر ترکوں کو قوت و غلبہ حاصل ہوتا گیا۔ اسی وجہ سے دمشق کی بجائے بغداد دارالخلافتہ ہوا۔

۳۔ خلافت امویہ پر عربیت غالب ہونیکی وجہ سے اون میں بڑی حد تک سادگی تھی مگر دور عباسی میں عجمی خصائل و عجمی تکلفات نے خلافت کی بالکل کایا پلٹ دی تھی۔

۴۔ اسلامی علوم و فنون کا جو چمن عہد عباسیہ میں پھلا پھولا وہ خلافت امویہ میں ہی لگایا گیا تھا

۵۔ خلفاے امویہ کی حکومت و سیاست کی بنیاد قوت و سطوت پر تھی تو خلفاے عباسیہ کی عیاری و چالاکی پر۔

خلافت امویہ میں عصبیت جاہلیہ کا عود کر آنا

عصبیت جاہلیہ کا عود کر آنا چونکہ خلافت بنی امیہ کا نہایت نمایاں خط و خال ہے اس لئے ہم اسے ذرا بسط کے ساتھ جداگانہ بیان کرتے ہیں

اس سے تو مخالفین کو بھی انکار نہیں کہ اسلام نے جس خوبی کے ساتھ جاہلیت کی تمام رسوم قبیحہ اور عادات شنیعہ کی بیخ کنی کی وہ نہایت تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔

اس لحاظ سے کہ کچھ حصہ بحالت قیام مکہ معظمہ نازل ہوا اور کچھ مدینہ میں اترا آیات قرآنی دو قسم کی ہیں۔ مکی و مدنی۔ مکہ معظمہ میں ۹۳ سورتیں یعنی دو تہائی قرآن اترا اور مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام کی مدت میں ۲۱ سورتیں نازل ہوئیں۔

ان دونوں قسموں کی آیات میں دو فرق نمایاں ہیں

(الف) مکی آیات میں زیادہ تر اگلے پیغمبروں اور اونکی امتوں کے قصے ہیں۔ مدنی آیات میں خود مسلمانوں کے معاملات اور واقعات کا بیان ہے۔

(ب) آیات مکیہ میں زیادہ تر کفر و شرک سے بچنے۔ خدائے واحد کی طرف رجوع کرنے۔ حشر و نشر پر ایمان لانے وغیرہ کا ذکر ہے۔ مدنی آیات میں اوامر و نواہی کا بیان ہے

مکی آیتوں میں کفار مخاطب تھے۔ اون میں۔ یاایھا الناس۔ یااھل الکتاب۔ یا بنی آدم کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ آیات مدنی میں عام طور پر مسلمان مخاطب ہیں اسلئے ان میں یاایھا الذین آمنو سے خطاب ہوا ہے۔ اگرچہ کہیں یاایھا الناس بھی استعمال کیا گیا ہے۔

تقسیم قرآن خدا کی طرف سے قرآن پاک ۱۱۴ سورتوں میں منقسم ہے۔ ہر سورۃ بجائے خود ایک مستقل فصل ہے اور آیات کی مختلف تعداد پر شامل ہے۔ قرآن میں کل چھ ہزار آیتیں ہیں صحابہ نے اسے سات منزلوں میں تقسیم کیا۔ کیونکہ وہ عموماً ایک ہفتہ میں قرآن شریف ختم کر لیا کرتے تھے۔

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں قرآن شریف تیس پاروں میں۔ اور ہر پارہ۔ ربع نصف۔ ثلث وغیرہ چار حصوں میں تقسیم ہوا باقی علامات رکوع وقف وغیرہ بعد میں مقرر ہوئے

سورتوں کا آغاز سورتیں دس طریقوں سے شروع ہوئی ہیں۔

(۱) ۱۴ سورتوں کی شروع میں خدا کی حمد و ثنا ہے۔ ان میں سے پانچ الحمد کے

ساتھ۔ دو تبارک کے ساتھ اور سات لفظ سبحان اور اوسکے مشتقات کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔

(۲) ۲۹ سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ جیسے الم۔ المر کہیعص وغیرہ

(۳) دس سورتیں بلفظ ندا شروع ہوتی ہیں۔ ان میں سے پانچ میں رسول اللہ با لفاظ مختلف مخاطب ہیں اور پانچ میں امت کو پکارا گیا ہے۔ پہلی قسم کی مثال یا ایہا المزمّل یا ایہا المدّثر وغیرہ دوسری قسم کی مثال یا ایہا الذین امنو۔ وغیرہ

(۴) ۲۳ سورتیں جملہ خبریہ سے شروع ہوتی ہیں جیسے یسئلونک عن الانفال و برات من اللہ۔

(۵) ۱۵ سورتوں کو قسم سے شروع کیا گیا ہے جیسے والضحٰی۔ واللیل۔ والتین۔ والعصر وغیرہ

(۶) ۷ سورتوں کی ابتدا حرف شرط سے ہوتی ہے جیسے اذا وقعت الواقعۃ۔ واذا زلزلت الارض۔ اذا جاء نصر اللہ

(۷) ۶ سورتیں صیغۂ امر سے شروع ہوتی ہیں۔ جیسے قل اوحی۔ قل اعوذ برب الناس۔ قل ہو اللہ وغیرہ

(۸) ۶ سورتیں بصیغۂ استفہام جیسے ہل اتی۔ عم یتساء لون۔ ہل اتاک۔ الم نشرح۔

(۹) ۳ سورتیں بد دعا کے ساتھ جیسے ویل للمطففین۔ ویل لکل ہمزۃ۔ تبت۔

(۱۰) التعلیل کے ساتھ لایلف قریش

کل ۱۱۴

آیات احکام کی تعداد

آیاتِ احکام کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اگر صراحت کا لحاظ کیا جائے تو ایسی آیتیں ایک سو پچاس ۱۵۰ ہیں ورنہ پانسو آیات ہیں جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

شان نزول

قرآن کی بعض بعض آیتیں کسی خاص سوال کے جواب میں یا کسی

خاص واقعہ کے پیش آ جانے پر نازل ہوئیں۔ یہی سوالات یا واقعات آیات متعلقہ کے شان نزول کہلائے جاتے ہیں۔ ہرچند باتفاق جمہور صحابہ و تابعین آیت کے مفہوم عام کو شان نزول کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاتا۔ لیکن تاہم علمائے مفسرین نے شان نزول کی طرف بھی پوری توجہ کی ہے تاکہ انکے بیان کرنے سے آیات کے معانی اچھی طرح سمجھ میں آجائیں

ترتیب قرآن یہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قرآن متفرق طور پر تیئس ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا بعض سورتیں تو ایسی ہیں جو یکدم اتریں اور بہت سی اس قسم کی ہیں جو تھوڑی تھوڑی نازل ہوتی رہیں۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اتر چکیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہنوز ایک سورہ ختم ہونے نہیں پائی کہ دوسری سورہ نازل ہونی شروع ہو گئی بعض وقت دو مختلف سورتوں کی آیتیں ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتی تھیں۔ غرضکہ قرآن موجودہ ترتیب کے ساتھ نازل نہیں ہوا۔ یہ ترتیب رسول اللہؐ نے خدا کے حکم مطابق قرار دی تھی۔ قرآن میں دو طرح کی ترتیبیں ہیں ایک ترتیب آیات دوسری ترتیب سور۔ اول الذکر ترتیب بالاتفاق رسول مقبول نے حسب منشاء الٰہی فرشتہ وحی کے بتانے سے کی جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً کسی کاتب وحی کو بلا کر لکھوا دیتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں فلاں موقعہ پر لکھی جائیگی رہی ترتیب سُور اسکے متعلق کچھ اختلاف ہے لیکن علمائے محققین کی یہی رائے ہے کہ یہ بھی رسول مقبول ہی کی مقرر کردہ ہے۔ امام احمد سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ توریت کے بدلے مجھکو سبع طوال زبور کے عوض مئین اور انجیل کے بجائے مثانی عطا ہوئیں اور یہ میری فضیلت ہے کہ ان سب سے علاوہ مجھکو مفصل بھی ملیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ سُور کی ترتیب عہد نبوت میں ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس حدیث میں جس ترتیب سے سورہ کا بیان کیا گیا ہے وہ وہی ترتیب ہے جو اسوقت قرآن کی سورتوں کی ہے۔ اس کی تصریح یہ ہے۔

سبع طوال سے مراد ابتدائی سات بڑی بڑی سورتیں۔ مئین سے مراد کم وبیش سو سو آیتوں کی سورتیں یعنی یونس سے فاطر تک۔ مثانی سے مراد یسین سے ق تک جس میں مضامین مکرر بیان کئے گئے ہیں۔ اور مفصل سے مراد چھوٹی چھوٹی سورتیں ق سے ناس تک ہیں۔

ربط آیات و ربط سور

قرآن کی آیتوں اور سورتوں میں ایسا لطیف ربط اور حیرت انگیز تسلسل ہے کہ کسی اور کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ سچ ہے قرآن پاک۔ کلام خالق ہے اسکی خوبیوں کو مخلوق کا کلام کہاں پہونچ سکتا ہے۔ کلام الملک ملک الکلام جس طرح اوسکی فصاحت و بلاغت کی شان ارفع و افضل ہے اسی طرح اوس کی آیتوں اور سورتوں کا باہمی تناسب و تسلسل فوق طاقت بشری ہے یہ مخالفین کی کوتاہ فہمی کم عملی ہے کہ قرآن کی بے ترتیبیٔ مضامین پر اعتراض کرتے ہیں۔ نقادان یورپ کہتے ہیں کہ رسول عربی کے امی محض ہونے میں کچھ شک نہیں کیونکہ اگر وہ امی محض نہ ہوتے تو قرآن کی ترتیب بہتر ہوتی۔ کیا خوب!! ع برین عقل و دانش بباید گریست

درحقیقت بات یہ ہے کہ خدا کے نظام ترتیب کی لطافت و خوبی سمجھنا معمولی قابلیت رکھنے والوں کے بوتہ کا کام نہیں ماہر فن ہی اس سے کچھ لذت کش و بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ اندھیری رات میں جب ہم اپنے پلنگ پر لیٹ کر گلشن آسمان کے نورانی پھولوں کی طرف دیکھتے ہیں تو اگرچہ اونکی چمک دمک خوبصورتی و دلکشی ہماری عقل کو حیران کردیتی ہے۔ مگر بے ترتیبی سے اونکا بکھرا ہوا ہونا دل کو سخت کوفت پہونچاتا ہے۔ جی یہ چاہتا ہے کہ جس طرح کہ انگریزی باغوں میں پھولوں کی کیاریاں دلاویز ترتیب سے بنی ہوتی ہیں اگر اسی طرح یہ بھی ہوتے اور ان کا حسن کہیں زیادہ ہوتا۔ یہ بھی کوئی خوبی ہے کہ ایک بڑا ستارہ یہاں ہے دوسرا وہاں ایک کونہ میں۔ کہیں ایک بیٹھا ہے تو کہیں پلنگ بچھا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے نور کی کھیلیاں مٹھی میں بھر کر اچھال دی ہیں اسلئے وہ نہایت بے ترتیبی سے بکھری ہوئی

پڑھتے ہیں۔ مگر ایک ماہر علم نجوم وہیئت سے پوچھو وہ بتائیگا کہ ان بکھرے ہوئے پراگندہ ستاروں میں کیا باہمی تناسب و توازن ہے اسی طرح اگر مخالفین نادان اور معاندین نافہم قرآن کے ربط آیات کو نہیں سمجھ سکتے تو وہ معذور ہیں۔ مگر ان کو چاہئے کہ ماہرین فن سے رجوع کریں۔ اس خاص عنوان پر بہت سی تفسریں لکھی گئی ہیں جنمیں آیات کا ربط باہمی دکھایا گیا ہے علامہ ابوجعفر کی کتاب البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القران۔ اور علامہ برہان الدین کی تصنیف نظم الدرر فی تناسب الآئی والسور جلال الدین سیوطی کی اسرار التنزیل نہایت معتبر ہیں۔ اردو میں تفسیر حقانی نے بھی اس مبحث کو خوب لکھا ہے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں بھی اسکا التزام ہے

اور تو اور سورتوں کے فواتح اور مقاطع میں وہ مناسبت ہے جسنے بڑے بڑے فصحا و بلغاء کو محو حیرت کر دیا ہے اس عنوان پر بھی نادر کتابیں موجود ہیں۔ جنمیں سے سیوطی کی تصنیف مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع اور علامہ کرمانی کی کتاب عجائب نہایت عمدہ ہیں۔

کتابت و جمع القرآن

رسول اللہ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً کاتب وحی کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے۔ آپ نے کتابت وحی کے لئے معتبر صحابہ کو منتخب کر رکھا تھا۔ مکہ میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عثمان غنی اور حضرت علی وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں انکے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کاتبان وحی تھے۔ زبیر بن العوام۔ حنظلہ بن الربیع۔ ابی بن فاطمۃ۔ زید بن ثابت۔ عبداللہ بن ارقم۔ عبداللہ بن رواحہ۔ معاویہ۔ خالد بن سعید وغیرہ وغیرہ غرضکہ آنحضرت نے قرآن کو اول سے لیکر آخر تک سب بالترتیب لکھوا دیا تھا۔ پھر آپ ہی کے عہد مبارک میں دوسرے صحابہ نے اسکی بہت سی نقلیں کر لی تھیں۔ علاوہ برین صحابہ کو تلاوت قرآن کا بڑا شوق تھا۔ انمیں سے بڑے بڑے مہاجرین و انصار نے قرآن کو ازبر

یاد کر لیا تھا۔ باقیوں کو اسکا ایک معتد بہ حصہ حفظ تھا۔ مگر با ایں ہمہ عہد نبوت تک قرآن کے اوراق متفرق و پراگندہ تھے اور ایک شیرازہ میں جمع نہیں ہوئے تھے۔ جب عہد صدیقؓ میں مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ اگر قرآن کے حافظوں کا اسی طرح خاتمہ ہوگیا تو حفاظت قرآن میں بڑی دقت ہوگی اس لیے اُنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو قرآن جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ اول آپ نے عذر کیا مگر حضرت عمرؓ کے اصرار پر آمادہ ہوگئے اور یہ خدمت زید بن ثابت کے سپرد کی۔ ان جلیل القدر صحابی نے دیگر صحابہ کے تعاون سے چمڑوں۔ تختیوں اور کھجور کے پتوں غرضکہ جس جس چیز پر قرآن لکھا ہوا تھا وہاں سے بکمال صحت واحتیاط نقل کرکے ایک جگہ جمع کیا۔ یہ مجموعہ بلا ایک حرف کے تغیر و تبدل یا کمی و بیشی کے بجنسہ وہی قرآن تھا جسکو نبی کریمؐ نے لکھوایا تھا اور بعینہ اوسی ترتیب کے ساتھ لکھا گیا۔ اس طرح کا جمع کیا ہوا یہ قرآن حضرت ابوبکرؓ کی تحویل میں رکھا گیا اون کے بعد حضرت عمرؓ کی حفاظت میں رہا۔ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے سپرد کیا۔ غرضکہ آیات قرآنی کے جمع کرنیکا شرف درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہے عام طور پر حضرت عثمانؓ کو جامع آیات القرآن کہا جاتا ہے۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے کہیں ہم مفصل لکھ آئے ہیں قبائل عرب کے مختلف لب ولہجے تھے۔ کوئی قبیلہ حروف مضارع کو مکسور پڑھتا تھا کوئی حتّیٰ کو عتّیٰ کہتا تھا۔ چونکہ ان جزوی تلفظی اختلاف سے معانی قرآن میں مطلقاً کچھ فرق نہیں آتا تھا اس لئے نبی کریمؐ نے اہل عرب کو بغرض سہولت اجازت دیدی تھی کہ اگرچہ قرآن شریف قریش کے لب ولہجہ میں نازل ہوا ہے لیکن وہ اپنے اپنے قبیلہ کے لب ولہجہ میں پڑھ سکتے ہیں۔

جب غیر عرب قومیں مسلمان ہونے لگیں تو چونکہ عربی اونکی مادری زبان نہ تھی اور

اس لئے اونکا کوئی خاص لب و لہجہ بھی نہ تھا۔ یہ دشواری پیش آئی کہ وہ کس لب و لہجہ میں پڑہیں۔ ایک قبیلہ والا کہتا ہے کہ اس لفظ کو یوں پڑھو۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اس طرح ٹھیک ہے۔ غرضکہ ان وجوہ سے قرأت میں غلطیاں ہونے لگیں اور اختلاف بڑہنے لگا۔ حضرت عثمانؓ نے جو یہ حالت دیکھی تو اونہوں نے بمشورۂ صحابہ کرام حضرت حفصہ کے پاس سے مصحف اصلی کو منگا کر زید بن ثابت۔ عبداللہ بن زبیر۔ سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن حارث کو حکم دیا کہ اسکی نقل کریں چنانچہ انہوں نے نہایت احتیاط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ قریش کے لب و لہجہ میں قران کو نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ایک ایک نقل مختلف بلاد اسلامیہ میں بھجواکر عاملوں کو لکھا کہ یہ نسخہ قرأت صحیحہ کے مطابق لکھوایا گیا ہے اسی کے مطابق تلاوت ہونی چاہئیے۔ حضرت عثمان نے ایک نسخہ اپنے پاس رکھ لیا جو 'امام' کے نام سے مشہور تھا۔

اب یہ جو قران ہمارے پاس ہے یا تمام عالم میں شائع ہے بالکل مصحف عثمانی کے مطابق ہے۔ مصحف عثمانی مصحف صدیقی کی صیح نقل تھا۔ اور مصحف صدیقی بلا ایک حرف کی کمی و بیشی یا کسی قسم کے تغیر و تبدل کے وہی تھا جو ہمارے نبی کریم پر نازل ہو کر آپ کے عہد مبارک میں لکھا اور پڑہا گیا اسپر تمام امت کا اجماع ہے مخالفین و معاندین اسلام بھی اسکے قائل ہیں۔ البتہ فرقہ شیعہ کی ایک جماعت غالیہ اپنے عقائد فاسدہ کی تائید میں یہ کہتی ہے کہ (نعوذ باللہ) یہ قران ناقص ہے کچھ حصہ جو آل رسول کے شان میں تھا وہ اوس سے نکال لیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول جاہل شیعوں کا ہے۔ ورنہ اونکے علما و مجتہدین اس بارہ میں اہل سنت والجماعت کے ہم خیال و ہم عقیدہ ہیں۔

ازالہ شبہ یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت عثمانؓ نے تمام اختلافات قرأت کو دور کرکے تمام مسلمانوں کو ایک قرأت صحیحہ پر جمع کردیا تو یہ جو

سات قرأتیں اب بھی مروج ہیں وہ کیسی ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اون قرأتوں کے اختلافات کو مٹایا تھا جو قبائل عرب کے لب ولہجہ اور محاورہ کے اختلافات کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے۔ رہی موجودہ سات قرأتیں اونکا تعلق حروف کی ادائیگی سے ہے نہ کہ محاورہ سے۔ چنانچہ جب ہم اردو میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب قاری ہیں تو ہماری اس سے یہ مراد ہے کہ وہ قرآن کو تجوید کے مطابق ایک خاص قرأت سے پڑھتے ہیں۔ تجوید ایک علم ہے جسکا موضوع تلاوت قرآن میں حروف کو صحت اور خوبی کے ساتھ اپنے اصلی مخارج سے نکالنا ہے اس علم میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ علم فن موسیقی کی طرح بغیر استاد کے محض کتب بینی کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

قرآن کا اسلوب بیان

اہل عرب کو فصاحت و بلاغت کا ایک قدرتی مذاق حاصل تھا مرد عورت چھوٹے بڑے غلام و آقا سب ہی تو اس چاشنی سے بہرہ مند تھے اپنی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں۔ غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا خیال کرتے تھے۔ انکے شعرا و خطبا خاص طور سے ماہر فن اور قادر الکلام ہوتے تھے ایک دوسرے کے مقابلہ میں اس زور شور کے ساتھ قصائد کہا کرتے کہ اسکی نظیر کسی قوم کی تاریخ ادبی میں نہیں ملسکتی انکو اپنی شیرینی زبان اور سلاست بیان پر بڑا ناز تھا لوگ انکی بڑی قدر و منزلت کیا کرتے تھے۔ اور فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کی وجہ سے انہیں ساحر اور فرشتوں یا شیطانوں کا دوست سمجھتے تھے (لیکن جب قرآن پاک نازل ہوا تو اوسکے اسلوب بیان کو دیکھکر سب فصحا و بلغائے عرب حیران ہوگئے کیونکہ ترکیب کی نزاکت۔ کلمات کی لطافت اور فصاحت و بلاغت فطرت عرب سے کہیں بالاتر ہے۔ باوجود اسکے کہ قرآن شریف نے کئی بار انکو تحدی کی کہ قرآن جیسی ایک سورۃ بنا لائیں۔ مگر کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ کسی صحابی نے شعرائے عرب کے دکھانے کے لیے سورہ انا اعطینٰک الکوثر لکھکر دیوار کعبہ پر لٹکادی۔ شعرا نہایت

غور و خوض سے پڑھتے تھے مگر دم نہیں مار سکتے تھے آخر ایک بڑا شاعر صرف یہ ایک جملہ لکھ سکا کہ ھذا الکلام البشر سکا کی جو فن معانی و بیان کا مسلم الثبوت امام تھا کہتا ہے کہ "قرآن کا اعجاز ایک ذوقی اور وجدانی کیفیت ہے جو طبیعت کو محسوس ہوتی ہے لیکن زبان سے بیان نہیں ہو سکتی" اسکا طرز بیان ایسا موثر ہے کہ بہت سے شدید ترین کفار عرب کے آہنین دل محض چند قرانی آیتیں سنکر موم ہو گئے اور اونھیں آخر ایمان لانا پڑا۔

یہ بھی اسلوب قرانی کا ادنی کرشمہ ہے کہ ایک طرف جاہل سے جاہل اسکو بے تکلف سمجھ سکتا ہے تو دوسری طرف علامہ دہر کی عقل بلند و فہم عالی اسکے علوے معانی و مضامین کے سامنے کوتاہ ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کی تفسیر میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالو تو بھی تمام اسرار منضبط نہیں ہو سکتے اور اگر سیدھے سادھے معنی بیان کرنا چاہو تو محض ترجمہ مع چند فوائد ضروریہ کے کافی و وافی ہے۔ غرضکہ ہر شخص اپنی اپنی قابلیت و استطاعت کے مطابق اوسکے معانی و مطالب سے بہرہ اندوز سعادت ہوتا ہے۔ اسکے الفاظ میں ایک ایسی ذاتی حلاوت ہے کہ جو لوگ سمجھتے نہیں ہیں وہ بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی بڑی کتاب کا حفظ کر لینا بہت آسان ہے۔ اگر عربی کی کسی بہترین و فصیح ترین عبارت میں ایک آیت قرانی کو تضمین کیا جائے۔ تو وہ اس شخص کو بھی ستاروں میں چاند کی طرح چمکتی ہوئی جدا معلوم ہو جاتی ہے جسکو اوسکے آیت قرانی ہونے کا علم نہیں

مذکورہ بالا خوبیوں کے علاوہ مندرجہ ذیل خصوصیات طرز بیان قابل ذکر ہیں۔

۱۔ چونکہ قران تمام بنی آدم کے لیے نازل ہوا ہے اسلیے اگرچہ اسکی زبان عربی ہے اور عربوں ہی کے اسالیب فصاحت و بلاغت میں اترا ہے لیکن اسکی آیتیں ایسی جامع اسلوب پر ہیں کہ جس سے عرب و عجم ایشیا و افریقہ یورپ امریکہ ہر ملک کے رہنے والے اپنے اپنے مذاق کے مطابق نظم کی سی لذت پاتے ہیں حالانکہ وہ کسی کے مذاق پر بھی باقاعدہ نظم نہیں۔

لا تحادیہا
او منصف
تضمین
حقانی

۲- قرآن کی جس سورۃ کو دیکھوگے۔ اوسکے آغاز۔ وسط اور خاتمہ تینوں مؤاضع کو نہایت مناسب اور بلند شان پاؤگے۔ کلام اس شان سے شروع ہوتا ہے کہ سامع کو یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی اعلیٰ مضمون بیان ہونے والا ہے۔ پھر وسط اسکی تصدیق کر دیتا ہے اور مقطع اس پر مہر لگا دیتا ہے۔

۳- ہر ناہر سخن کو کسی خاص بیان میں ایک خاص خصوصیت حاصل ہوتی ہے مگر قرآن مجید کی فصاحت کاملہ و بلاغت معجزہ تمام مضامین مختلفہ میں ایک نہج پر ہے۔

۴- قرآن ہر قسم کی تشبیہات رکیکہ اور استعارات بیہودہ سے پاک صاف ہے۔

۵- ایک ہی مضمون ایک بار سے زیادہ بیان کرنا سامع کے لئے بے لطفی و انقباض خاطر کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن قرآن جب ایک مضمون کو دوسری بار بیان کرتا ہے تو اس انداز اور شان سے کہ وہی پہلا مضمون یا نیا قصہ معلوم ہوتا ہے۔

۶- قرآن ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف بڑی خوبی و لطافت سے منتقل ہوجاتا ہے۔ توحید کے مضمون سے احکام کی طرف قصص سے توحید اور آخرت کے مضمون کی طرف۔ احکام سے آثار قدرت کی طرف اور بالعکس۔ ربط آیات وسور کے متعلق کئی ایک نادر و لاجواب کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جنکی تشریح ہم اوپر کر آئے ہیں

۷- سورتوں کے فواتح و مقاطع میں نہایت لطیف مناسبت رکھی گئی ہے۔ اس خاص عنوان پر سیوطی کی کتاب مراصد المطالع اور کرمانی کی عجائب نہایت عمدہ ہیں۔

۸- قرآن میں لفظی و معنوی صنائع و بدائع کا اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کہ نکتہ دان طبعیت پھڑک اوٹھتی ہے۔ علامہ ابن ابی الاصبع نے اس مبحث پر ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اعجاز القرآن ہے۔ اسمیں سنو قسم کے صنائع و بدائع لکھے ہیں۔ بلاغت کے نکات۔ ایجاز و اطناب وصل و فصل وغیرہ کے لحاظ سے بھی قرآن اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

مضامین قرآن

قرآن شریف میں تین طرح کے مضامین ہیں۔

۱۔ اللہ تعالی کی تسبیح و تنزیہ۔ توحید و تمجید۔

۲۔ امم سابقہ کے حالات اور انبیاے ماضیہ کے قصص۔

۳۔ احکامات متعلقہ معاش و معاد۔

اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ سورہ اخلاص قرآن کا ایک ثلث حصہ ہے حمد و معرفت کے مضامین کی علت غائی یہ ہے کہ انسان اپنے خالق برحق و رازق مطلق کی طرف رجوع کرے۔ اوسکو چھوڑکر یا اوسکے ساتھ کسی اور کے سامنے گردن نہ جھکائے۔ امم سابقہ کے قصص اسلیئے بیان فرماے تاکہ اونکی حالات سے عبرت حاصل کریں اور کفر و شرک گناہ و عصیان سے بچکر صراط مستقیم پر چلیں۔ احکامات کا منشا یہ ہے کہ ہمکو دنیا میں کون کون سے کام کرنے چاہئیں اور کون کون سے نہیں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ گمرہی و ضلالت سے محفوظ رہکر منزل مقصود کو پہونچ سکیں اور آخرت میں وصال الہی سے مشرف ہوسکیں۔ غرضکہ ہدایت انسانی اس کتاب آسمانی کا موضوع ہے۔

صفات خداوندی | مسلمان جس خدا کو اپنا خالق و معبود سمجھتے ہیں اوسکے جو صفات قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں۔ اون میں سے چند ہم نقل کرتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۥ وَ

تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ

انبیاء سابقہ و امم ماضیہ کا ذکر

قران شریف میں۔ آدم۔ ادریس۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل اسحاق۔ یعقوب۔ لوط۔ یوسف۔ موسیٰ و ہارون۔ ہود۔ صالح یونس۔ شعیب۔ داؤد۔ سلیمان۔ ذکریا۔ یحییٰ۔ عیسیٰ۔ ذوالکفل۔ الیاس۔ ایوب علیہم السلام انبیا کا ذکر ہے۔

امم سابقہ میں سے قوم۔ نوح۔ عاد۔ ثمود۔ اصحاب حجر۔ اصحاب سبا۔ اصحاب سبت بنی اسرائیل۔ قوم تبع۔ قوم شعیب۔ اصحاب الایکہ۔ اصحاب الرس۔ اصحاب الاخدود۔ اصحاب کہف و رقیم وغیرہ کا ذکر ہے۔

انکے علاوہ فرعون۔ شداد۔ قارون وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔

کتب آسمانی

کتب آسمانی میں سے زبور۔ توریت۔ انجیل۔ صحف ابراہیم وغیرہ کا بیان ہے۔ قران شریف انکی تردید نہیں بلکہ تائید و تصدیق کرتا ہے۔

اندکے از آیات قرانی درشان رسول مدنی

قران شریف جناب رسالت مآبؐ کی جو شان بتاتا ہے وہ مختصراً حسب ذیل ہے۔

۱۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (سورہ اعراف۔ ۱۹)

۲۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سورہ بقر۔ ۱۴)

۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (سورہ بقر۔ ۱۷)

۴۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج (سورہ آل عمران ۱۴)

۵۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص الخ (سورہ آل عمران - ۱۷)

۶۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ج وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (سورہ آل عمران - ۲۳)

۷۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ الخ (سورہ توبہ - ۱۶)

۸۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج (سورہ کہف - ۱۲)

۹۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (سورہ نور - ۹)

۱۰۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ

(سورہ عنکبوت - ۵)

۱۱۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورہ احزاب - ۳)

۱۲۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (〃 ۵)

۱۳۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (سورہ احزاب - ۷)

۱۴۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط (سورہ یٰس - ۵)

۱۵۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورہ انبیا - ۵)

۱۶۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورہ القلم - ۱)

۱۷۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ لا (سورہ انشراح - ۱)

۱۸۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ط (سورہ کوثر - ۱)

۱۹۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہ (سورہ ال عمران - ۴)

۲۰- قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ج (سورہ ال عمران - ۴)

۲۱- وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا ص (سورہ نسا - ۲)

۲۲- فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ الخ (سورہ نسا - ۸)

۲۳- فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ہ (سورہ نسا - ۹)

۲۴- مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ہ (سورہ نسا - ۹)

۲۵- فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ہ (سورہ النحل - ۱۱)

۲۶- وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ط اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ہ (سورہ النجم - ۱)

۲۷- سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الخ (سورہ بنی اسرائیل - ۱)

تعلیمات قرآن

قران کی تعلیمات و ہدایات کو کمی گنجایش کی وجہ سے ہم پورے طور پر یہاں بیان نہیں کرسکتے۔ مگر بطریق اختصار اسکا نمونہ تیمنًا و تبرکاً پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوجاسے کہ کتاب النسائی تو کتاب النسائی۔ کوئی اور کتاب آسمانی بھی تعلیمات ربّانی میں اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی

جاننا چاہیے کہ۔ چونکہ انسان کی تین حالتیں ہیں۔ طبعی۔ اخلاقی۔ روحانی۔ اور قرآن شریف نے ان تینوں حالتوں کے لئے جدا جدا تین مبدء قرار دیئے ہیں۔ نفس امّارہ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنہ۔ اس لئے طریق اصلاح بھی تین ہیں پہلا یہ کہ اوسکی طبعی حالت کو درست کرنا۔ یعنی اوسکو نشست و برخاست۔ خورونوش بود و باش۔ معاشرت و معاملت توالد و تناسل وغیرہ امور طبعیہ کے صحیح طریقے سکھلا کر بے تمیز وحشی انسان کے

درجہ سے بادب اور شایستہ انسان کے مرتبہ کو پہونچا دینا۔

دوسرے یہ کہ اوسکی اخلاقی حالت کی اصلاح کرنا یعنی اخلاق رذیلہ اور عادات قبیحہ کی بیخ کنی کرکے اوسے اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا۔

تیسرے یہ کہ اوسکی روحانی حالت کا تزکیہ کرنا تاکہ انسان اپنے خالق مطلق اور معبود برحق کی طرف رجوع کرسکے اور اوسکی محبت و رضا میں محو ہوسکے۔ یہی وہ حالت ہے جس کو قران شریف نے اسلام کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

قرآن پاک میں یہ تینوں قسم کی اصلاحات بیان کئے گئے ہیں۔ ہم یہاں نمونہ کے طور پر حالت طبعی کی اصلاح لکھتے ہیں اوس سے بقیہ اصلاحات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّهٰتُکُمْ وَبَنٰتُکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ وَعَمّٰتُکُمْ وَخٰلٰتُکُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُکُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِکُمْ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط

لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْهًا ط ... وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط ... اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ط ... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ط ... وَلَا تقتلوا انفسکم ... وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ ... لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا

... فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ
ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ ۚ ... وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ... وَإِذَا
حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا ۗ ... إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ
الْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
... حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ
عَلَى النُّصُبِ ... يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۚ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ... إِذَا قِيْلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا ... وَإِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ... كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ... وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ... وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ
وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ... وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ
الزَّادِ التَّقْوٰى ... وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ... وَفِيْٓ أَمْوَالِهِمْ
حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ... وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا
طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ ذٰلِكَ أَدْنٰٓى أَلَّا تَعُوْلُوْا ۗ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ
نِحْلَةً ۗ

ترجمہ یعنی تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں اور ایسے ہی تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں
اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور
تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری
بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کے پہلے خاوند سے لڑکیاں جن سے تم ہم صحبت
ہو چکے ہو۔ اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہیں ہوئے تو کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہاری
حقیقی بیٹوں کی عورتیں اور ایسے ہی دو بہنیں ایک وقت میں یہ سب کام جو پہلے ہوئے

تھے آج تم پر حرام کئے گئے۔ جبراً عورتوں کے وارث نہ ہو تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جو تمہارے باپوں کی بیویاں تھیں جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ پاکدامن عورتیں تم میں سے یا پہلے کے اہل کتاب میں سے تمہارے لئے حلال ہیں۔ کہ ان سے شادی کرو۔ لیکن جب مہر قرار پاکر نکاح ہو جاوے۔ بدکاری جائز نہیں اور نہ چھپا ہوا یارانہ۔ تم خود کشی نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اور دوسرے گھروں میں بے اجازت نہ چلے جاؤ اجازت لینا شرط ہے۔ اور جب تم دوسروں کے گھروں میں جاؤ تو داخل ہوتے ہی السلام علیکم کہو۔ اور اگر ان گھروں میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ تمہیں اجازت نہ دے۔ اُن گھروں میں مت جاؤ۔ اور اگر مالک خانہ یہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تم واپس چلے آؤ۔ اور گھروں میں دیواروں سے کود کر نہ جایا کرو۔ بلکہ گھروں میں اُن گھروں کے دروازہ میں سے جاؤ۔ اور اگر کوئی تمہیں سلام کہے تو اُس سے بہتر اور نیک تر اُس کو سلام کہو۔ شراب اور قمار بازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہیں اُن سے بچو۔ مُردار مت کھاؤ۔ خنزیر کا گوشت مت کھاؤ۔ بتوں کے چڑھاوے مت کھاؤ۔ لاٹھی سے مارا ہوا مت کھاؤ۔ سینگ لگنے سے مرا ہوا مت کھاؤ۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ۔ کیونکہ یہ سب مُردار کا حکم رکھتے ہیں اور اگر یہ لوگ پوچھیں کہ پھر کھائیں کیا؟ تو یہ کہہ دے کہ دُنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ صرف مُردار اور مُردار کے مشابہ اور پلید چیزیں مت کھاؤ۔ اگر مجلسوں میں تمہیں کہا جاوے کہ کشادہ ہو کر بیٹھو۔ یعنی دوسروں کو جگہ دو تو جلد جگہ کشادہ کرو۔ اور اگر کہا جاوے کہ تم اوٹھ جاؤ۔ تو پھر بغیر چون و چرا کے اُٹھ جاؤ۔ کھاؤ پیو مگر اسراف مت کرو اور اچھی بات کہو۔ اور اچھی بات کہا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہاں تمہاری نشست ہو پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنی غسل کرتے رہو۔ اور گھروں کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت

بیچا درمیان کو نگاہ رکھو۔ چلنے میں بھی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ اعتدال رکھو۔ زاد راہ لو اور تحقیق بہترین زاد راہ پرہیز گاری ہے۔ تمہارے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔ اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کروگے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرو جو تم کو خوش آویں عورتیں دو دو تین تین۔ چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھوگے تو ایک ہی یا جو لونڈیاں تمہارے قبضہ میں ہیں۔ مگر ایک طرف نہ جھک پڑو اور دے ڈالو عورتوں کو مہر اون کے خوشی سے

یہ ہیں وہ آداب انسانی جو قرآن پاک ہمیں سکھلاتا ہے اس کا غیر مذاہب کی تعلیمات سے مقابلہ کرو رات دن کا فرق پاؤ گے۔ ہم دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ تعلیمات صرف اسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہیں یہ ابتدائی اصلاح کا وہ اعلیٰ معیار ہے کہ اسکے سامنے بڑے بڑے مدعیان تہذیب وتعلیم برہنہ نظر آتے ہیں۔

قرآن تمام علوم اسلامیہ کا مرجع و مرکز

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک ایسا مخزن علوم وفنون۔ منبع اسرار وحقائق اور سرچشمہ اصول دین ہے کہ کوئی کتاب آسمانی اس خصوصیت میں بھی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اہل علم وفضل نے سیکڑوں عنوانوں پر بے شمار تفسیریں لکھیں تاہم اسکے اسرار وحقائق کا کسی طرح انحصار نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط

ترجمہ اگر روے زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی ہوجاے پھر اسکے بعد سات سمندر اوسکی مدد کو آئیں جب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب اتقان میں علوم قرآنیہ اسّی گناے ہیں۔ ہر ایک پر

علمائے اسلام نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جسقدر مسلمانوں کے علم ہیں۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو وہ سب کے سب قرآن ہی سے نکلے ہیں۔ جسکا بیان یہ ہے۔

۱۔ کتابت۔ اسلام سے پہلے حجاز میں کل سترہ آدمی خواندہ تھے۔ یہ قرآن پاک ہی کی برکت تھی کہ ایک قلیل عرصہ میں اس فن نے کس قدر ترقی کر لی۔ اس کا مفصل بیان ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

۲۔ علم تفسیر کی قرآن کے معانی احادیث صحیحہ و آثار معتبرہ کے مطابق صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ضرورت پڑی۔

۳۔ سیر و مغازی۔ چونکہ قرآن پاک میں رسول اللہؐ کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے اور نیز اوسمیں مسلمانوں کے اکثر واقعات کا ذکر ہے اسلئے انحضرت کے حالات اور واقعات غزوات و سرایا کی مفصل تاریخ منضبط رکھنے کے لئے علم سیر و مغازی کی تدوین ہوئی

۴۔ علم الحدیث وعلم الرجال۔ رسول مقبول صلعم کے افعال واقوال احکام قرآنیہ کی تفصیل و تشریح ہیں۔ پس حقائق ادا رونوا ہی اچھی طرح سمجھنے کے لئے تدوین احادیث کی ضرورت پڑی اور جب صحیح وموضوع حدیث میں فرق کرنے کے لئے راویوں کے حالات سے بحث کرنی ہوئی تو علم الرجال مرتب ہوا۔

۵۔ ادب ولغت۔ چونکہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے اس لئے اس کے سمجھنے کے لئے عربیت سے واقفیت لابدی ہے پس علم ادب وعلم لغت مدون ہوئے حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ جب تم کسی آیت قرآنی کے معنی نہ سمجھ سکو تو شعر جاہلیت کی طرف رجوع کرو۔

۶۔ صرف ونحو۔ اعراب کی ذراسی غلطی سے معانی میں بڑا فرق آجاتا ہے۔ اہل عرب تو اپنی زبان میں غلطی کیونکر کر سکتے تھے لیکن عجمیوں کو بڑی دقت تھی۔ آخر اون کی سہولت کے لئے زبان کی قواعد مرتب ہوئی۔

۷۔ **معانی و بیان**۔ چونکہ قرآن معیار فصاحت و سرچشمہ بلاغت ہے اس لئے فصاحت و بلاغت کے تمام اصول اس سے اخذ کئے جاکر علم معانی و بیاں کی تدوین ہوئی۔

۸۔ **فقہ و اصول فقہ**۔ آیات قرآنی واحادیث نبوی سے احکام شرعیہ مستنبط کرنے کے لئے علم فقہ اور اجتہاد و استنباط مسائل میں غلطی سے بچنے کے لئے اصول فقہ مدوّن ہوا۔

۹۔ **علم کلام**۔ فلسفیوں اور منطقیوں کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے علم کلام وضع کیا گیا۔

غرضکہ جسقدر اسلامی علوم ہیں اون سب کا مرجع و ماخذ قران پاک ہے۔

قران کے متعلق محققین یورپ کی رائیں

قرآن شریف کی عظمت واہمیت تو ذرا دیکھو کہ وہ لوگ جو اسکے قائل نہ تھے وہ بھی اسکی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

یہاں ہم بعض غیر متعصب علماے یورپ اور محققین مغرب کے اقوال پیش کرکے بتاتے ہیں کہ اس مقدس کتاب کی نسبت انکے کیا خیالات تھے۔

ڈاکٹر ٹیلر اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اسکو سیکھے۔ جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو اور صفائی سے رہو۔ جو حکم دیتا ہے کہ استقلال استقامت وعزت نفس نہایت لازمی ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ مذہب اسلام کے فائدے اور منافع یقینی ہیں۔ اسکی خصوصیات شائستگی و تمدن کی سب سے بڑی بنیاد بلکہ ارکان اعظم ہیں۔

موسیو سیدیو وہ آداب واصول جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں جنکی بنیاد عدل و انصاف پر ہے جو دنیا کو بھلائی و انصاف کی تعلیم دیتے ہیں ان میں سے ایک جزیہ بھی

حدیث نبوی

قران شریف کے بعد۔ فصاحت و بلاغت۔ حکمت و ہدایت میں حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ جناب رسول مقبول۔ افصح العرب والعجم تھے۔ اور علوم اولیں و آخرین سے بہرہ یاب آپ کی معجز بیانی۔ طلاقت لسانی۔ فصاحت الفاظ۔ اور بلاغت معانی کا کچھ بیان نہیں ہوسکتا۔

چند احادیث شریفہ تیمناً و تبرکاً ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :-

لَا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ

ترجمہ۔ جب تک تم اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چاہو گے جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ تب تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا

المسلم من سلم المسلمون من یدیہ ولسانہ

ترجمہ۔ مسلمان وہ ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

خصلتان لایجتمعان فی مومن البخل وسوء الخلق

ترجمہ۔ دو عادتیں مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بخل اور بدخلقی

یشیب ابن آدم وتشب فیہ خصلتان الحرص وطول الامل

ترجمہ انسان جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے۔ دو عادتیں جوان ہوتی جاتی ہیں۔ ایک حرص دوسرا طول امل۔

مَن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

ترجمہ جو انسان کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

مَن لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ

ترجمہ۔ جو انسان پر رحم نہیں کرتا۔ خدا اوس پر رحم نہیں کرتا۔

العدۃ دین ترجمہ۔ وعدہ قرض ہے

المستشار مؤتمن ترجمہ جس سے مشورہ کیا جائے اوسکو ایماندار ہونا چاہئے

[۹] القناعة مال لا ینفد ترجمہ قناعت ایسا مال ہے جو کسی طرح ختم نہیں ہوتا

[۱۰] السعید من وعظ بغیرہ۔ ترجمہ سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑے۔

[۱۱] کثرۃ الضحک تمیت القلب ترجمہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے

[۱۲] الجنۃ تحت اقدام الامہات ترجمہ جنت ماں کے قدموں میں ہے۔

[۱۳] الکلمۃ الطیبۃ للسائل صدقۃ ترجمہ فقیر کو نرمی سے جواب دینا بھی خیرات ہی ہے

[۱۴] ان اللہ یحب السہل الطلق ترجمہ خدا کشادہ پیشانی کو دوست رکھتا ہے۔

[۱۵] طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس ترجمہ جو لوگ بجائے دوسروں کے عیب دیکھنے کے۔ اپنے عیب دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ مبارک ہیں

[۱۶] لا یشبع المؤمن من دون جارہ ترجمہ مسلمان اسکو گوارا نہیں کر سکتا کہ اوس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ اور خود پیٹ بھر کر کھالے۔

[۱۷] کفی بالموت واعظا ترجمہ موت سے بڑھکر واعظ اور ناصح کون ہو سکتا ہے

[۱۸] انما الاعمال بالنیات ترجمہ عمل نیت کے ساتھ ہیں۔

تدوین حدیث کا بیان آگے آئیگا۔

صدر اسلام اور عہد اموی کے علوم عرب

علوم عرب بعد اسلام کی تقسیم

ہم پہلے مفصل بیان کر چکے ہیں لیکن سلسلہ کلام مربوط رکھنے کے لئے اجمالاً پھر بیاں ذکر کرتے ہیں تاکہ اونکی تاریخ معلوم کرنے کے وقت قارئین کے ذہن میں ترتیب تقسیم مستحضر رہے

علوم عرب کی دو قسمیں ہیں قدیمہ۔ وجدیدہ

قدیمہ میں۔ لغت۔ خطابت۔ وشعر داخل ہیں۔

جدیدہ دو طرح کے ہیں۔ اسلامیہ۔ ودخیلہ

علوم اسلامیہ کی پھر تین شاخیں ہیں :۔

(الف) شرعیہ مثلاً تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ
(ب) لسانیہ مثلاً صرف و نحو۔ بلاغت وغیرہ
(ج) تاریخ و جغرافیہ

رہے علوم دخیلہ ان سے مراد منطق و فلسفہ و ریاضی وغیرہ علوم ہیں
بطریق دیگر یوں سمجھو کہ علوم عرب بعد اسلام پانچ قسموں میں منقسم ہیں:۔
علوم قدیمہ جاہلیہ۔ علوم شرعیہ۔ علوم لسانیہ تاریخ و جغرافیہ۔ علوم دخیلہ۔
ان پانچوں قسم کے علوم کے حالات متعلقہ صدر اسلام یعنی عہد نبوت۔ زمانہ راشدین و عصر اموی کو تین دوروں کے تحت میں بیان کرنے کے بجائے ایک ہی جگہ مسلسل لیکن حسب ترتیب تقسیم بیان کرتے ہیں۔

علوم قدیمہ جاہلیہ

یہاں علوم قدیمہ جاہلیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھے اور جنکو اسلام نے اپنے ظل حمایت میں لیکر عروج کمال کو پہونچایا۔ اور یہ چار ہیں لغت کتابت۔ خطابت اور شعر

الف۔ لغت یعنی زبان

تمہید اسمیں کچھ شک نہیں کہ زبان قوم کی عقل و فراست اور اخلاق و آداب کا آئینہ ہے۔ تم کسی اجنبی قوم کی زبان سے واقفیت حاصل کرکے اوس قوم کی ذہنی و اخلاقی حالات کا بڑی حد تک پتہ چلا سکتے ہو جس قوم کی زبان میں وید لکھی گئی اگرچہ سیکڑوں برس ہوے کہ وہ نیست و نابود ہو چکی۔ لیکن وید کی زبان کی مدد سے اوس قوم کی دماغی۔ اجتماعی۔ اخلاقی اور سیاسی حالات کا بہت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔
کسی قوم کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ اوس پر مختلف حالتیں طاری ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اون کے آثار اوس قوم کی زبان میں ہمیشہ کے لئے محفوظ اور باقی رہ جاتے

ہیں جن سے اُس قوم کی تاریخ لکھنے کے لئے بہت کچھ مواد بہم پہونچ سکتا ہے دانایان فرنگ نے اس فن کو نہایت خوبی و اسلوبی کے ساتھ ترتیب و تدوین دیکر بہت سی مفید اور کارآمد کتابیں تصنیف کی ہیں

چونکہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں اپنے ملک کے جغرافی حالات کے بنا پر خانہ بدوش اور صحرا نورد تھے آب و گیاہ کے تلاش میں ہمیشہ مارے مارے پھرتے۔ تمدن و تانق کے اسباب اور تمول و تنعم کے ذرائع سے قطعی محروم تھے۔ علم کی قدر ہی سے جاہل تھے۔ شوق طلب تو کہاں ہوتا۔ نہ اونکی تجارت میں گرم بازاری تھی نہ زراعت میں سرسبزی۔ امور سیاست و مملکت داری سے اونکو کچھ تعلق نہ تھا۔ غارتگری و قزاقی۔ کشت و خون اون کا کام تھا۔ اسلئے۔ انکی زبان عربی کو دیکھ لو کہ اغراض بدویت سے مالا مال اور جذبات جدال و قتال سے پُر ہے۔ شعر و خطابت عرب جاہلیہ کے مایۂ ناز فن ہیں۔ مانا کہ اونکے قصائد اور خطابت فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و عدیم المثال ہیں لیکن اونکے مضامین پر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر اونکی شاعری و تقریر کا موضوع حیات بدویہ کا بیان اور جاہلی کارناموں کا ذکر ہے۔ اونمیں نہ تم مذہب و ملت کے مضامین حقائق آموز پاؤگے اور نہ علوم عقلیہ کی موشگافیاں دیکھوگے۔ ہاں اسمیں کچھ شک نہین کہ زبان عربی میں ان سب باتوں کی صلاحیت و قابلیت پہلے سے موجود تھی لیکن اس سے عرب جاہلیہ اپنی جہالت و شقاوت کے باعث کچھ فائدہ نہ اوٹھا سکے۔ جب دنیا کا آخری ہادی برحق مبعوث ہوا اور ہدایت قرآنی ساتھ لایا تو اوسکے اتباع سے عربون میں جو جہالت و سیہ کاری میں یگانۂ زمانہ تھے۔ ایسی روح پیدا ہو گئی جس نے اونہیں آسمان کمال آفتاب کی طرح چمکا دیا عرب جاہلیہ کے ادبار و پستی کا مسلمان عربوں کے اقبال و عروج سے مقابلہ کرنا اگرچہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ اسلام کے تمدن سے کون واقف نہیں۔ لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ذرہ کا آفتاب ہو جانا۔ قطرہ کا دریا بن جانا۔ قوم وحشی و جاہل کا۔ اخلاق و آداب۔ علم و فضل اور ہدایت۔ سعادت میں دیگر اقوام عالم کے لئے نمونہ و پیشرو ہو جانا۔ تعلیم قرآنی کا ادنی کرشمہ تھا۔

انشا پردازی میں ابن المقفع کسی طرح عبدالحمید سے کم نہیں تھا۔ مگر اسکا شغل بجائے کتابت کے۔ ترجمہ اور تصنیف تھا۔ علاوہ بریں چونکہ ابن المقفع کو عروج عہد عباسیہ میں نصیب ہوا۔ اسلئے وہ دور اموی سے خارج ہے۔ اوسکا ذکر دور عباسی میں آئیگا۔

عبدالحمید بن یحیٰی

عبدالحمید شام کا رہنے والا اور ابوالعلا سالم کا شاگرد تھا۔ شروع میں یہ لڑکے پڑھایا کرتا تھا اور شہر بشہر طلب رزق میں پھرا کرتا۔ تا اینکہ مروان بن محمد نے اسے اپنا کاتب خاص بنالیا۔ تو اس نے منصب جلیلہ کی خدمات اس قابلیت سے انجام دیں کہ اسکی فصیح و بلیغ انشا پردازی کا آوازہ تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا یہ فن کتابت کا اوستاد اول مانا جاتا ہے اسنے خطوط نویسی میں بہت سے تکلفات داخل کر دیئے اس فن میں اسکا نام ضرب المثل ہے چنانچہ کہا جاتا ہے فتحت الرسل بعبد الحمید وختمت بابن الحمید)

جب ابومسلم خراسانی نے بنی عباس کے لئے پروپیگنڈا شروع کیا تو اوسے عبدالحمید نے مروان کی طرف سے ایک طول طویل خط لکھا اور مروان سے کہا کہ میں نے ایسا خط لکھا ہے کہ جب وہ پڑھے گا تو اوسکی ساری تدبیریں باطل ہو جائینگی۔ ورنہ وہ ہلاک ہو جائیگا جب یہ خط ابومسلم کے پاس پہونچا۔ تو بغیر پڑھے اوسنے جلوادیا اور مروان کو لکھ بھیجا۔

محا السیف اسطار البلاغة وانتحی   علیک لیوث الغاب من کل جانب

جب مروان قتل ہوگیا تو یہ اپنے دوست صادق ابن المقفع کے گھر میں پناہ گزین ہوا۔ مگر وہ وہاں بھی پہونچ گئی۔ ان دونوں سے دریافت کیا گیا کہ تم میں کون عبدالحمید ہے۔ ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میں عبدالحمید ہوں عبدالحمید ڈرا کہ کہیں ابن المقفع کو میری جگہ قتل نہ کر ڈالیں کہنے لگا کہ ہر شخص ہمکو جانتا ہے تم کسی سے دریافت کرلو کہ دراصل عبدالحمید کون ہے۔ غرض کہ اس طرح عبدالحمید گرفتار ہو کر ۱۳۲ھ میں قتل کیا گیا۔ کیسا وہ مبارک زمانہ تھا جس میں ایسے سچے مخلص دوست ہوا کرتے تھے۔

تصنیف و تدوین

زمانہ جاہلیت میں نہ کوئی علم مدوّن ہوا اور نہ کوئی کتاب تصنیف ہوئی اور اگر بفرض محال کوئی ایک آدہ کتاب لکھی بھی گئی ہو تو نہ تو اسکا کسی تاریخ میں ذکر ہے اور نہ اوسکا کہیں وجود باقی ہے۔ عربی کی سب سے قدیم ترین کتاب قرآن پاک ہے جسکی تعلیم مقدس نے عرب جیسی وحشی اور جاہل قوم کو تمام عالم کا بے نظیر استاد علم و ہنر بنا دیا۔

عرب میں جب لکھنے پڑھنے کا رواج ہی نہیں تھا تو تصنیف و تدوین کہاں سے ہوتی ظہور اسلام کے وقت قریش جیسے بڑے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی خواندہ تھے۔ سب سے پہلے اشاعت کتاب کی طرف رسول مقبول نے توجہ کی۔ اگرچہ آپ کے وفات تک علاوہ قرآن مجید کے مندرجۂ ذیل تحریری سرمایہ جمع ہو گیا تھا۔

منقول از سیرت

اول۔ جو حدیثیں حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن العاص۔ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ نے قلمبند کیں۔

دوم۔ تحریری احکام اور معاہدات اور فرامین جو آنحضرتؐ نے قبائل کے نام بھیجے۔

سوم۔ جو خطوط آپ نے سلاطین و امرا کے نام ارسال فرمائے۔

چہارم۔ پندرہ سو صحابہ کے نام۔

اور اگرچہ آنحضرت کے بعد خلافت راشدہ میں اس تحریری ذخیرہ میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا تاہم ان دونوں قرنوں میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ اسوقت سوائے کتاب اللہ کے نہ تو کسی اور کتاب کا وجود تھا اور نہ کسی اور کتاب کی ضرورت ہوئی۔ قرآن پاک مسلمانوں کے تمام امور دینی و دنیوی کا مرجع و مرکز تھا۔ اگر اونہیں کوئی پیچیدگی پیش آئی تو وہ خلفاء اور فقہہ صحابہ سے زبانی طور پر مسئلہ دریافت کر لیتے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ اور خلفاے راشدین کے عہد مبارک میں فقہ و حدیث
کی بہت اشاعت ہوئی اور بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر
زبانی تھا۔ البتہ بنو امیہ نے حکماً علما سے تصنیفیں لکھوائیں۔ امام زہری کا قول ہے۔
کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھولاء الامراء ترجمہ ہم لوگ علم کو تحریر میں
لانا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر امرا نے ہم کو مجبور کیا۔

سب سے پہلے حضرت معاویہ نے عبید بن شریہ سے قدما کی تاریخ تصنیف کرائی
جسکا نام کتاب الملوک واخبار الماضین تھا۔ مگر افسوس ہے یہ کتاب بالکل ضائع ہو گئی
غرضکہ تصنیف و تدوین کا سلسلہ۔ خلافت بنی امیہ کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔
اس عہد میں علوم شرعیہ میں سے۔ علم قرأت۔ تفسیر۔ فقہ۔ حدیث۔ اور علوم لسانیہ میں سے
نحو وغیرہ پیدا ہوئے۔ علم تاریخ کی بھی تدوین دور اموی میں شروع ہوئی علوم یونانی کے
ترجمہ کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے۔ بالفاظ مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم و فنون کا وہ
چمن جو دور عباسیہ میں پھلا پھولا۔ وہ اسی عہد اموی کا لگایا ہوا تھا۔ یہ دور تمام علوم
اسلامیہ کے ولادت و طفولیت کا زمانہ ہے لیکن با ایں ہمہ اس قرن کی کوئی کتاب ہم تک
نہیں پہونچی سب ضائع ہو گئیں۔ البتہ تفسیر ابن عباس موجود ہے جو غالباً راویوں کی روایت
سے بعد میں جمع ہوئی۔ اور تو اور شعرا اموی کا کلام بھی دور عباسی کے راویوں کے ذریعہ
سے شائع ہوا۔

ج۔ خطابت

تم پہلے معلوم کر چکے ہو کہ خطابت و شاعری عرب جاہلیت کے مایۂ ناز فنون ہیں۔ ان
میں کوئی دوسری قوم عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اسلام آیا تو اس نے انکو اوج کمال
کو پہونچایا۔ جہالت و ضلالت۔ شرک و کفر کی وجہ سے اسمیں جو کچھ نقایص تھے وہ سب اسلام
کے فیض تعلیم سے دور ہوئے جاہلیت میں شاعری کو خطابت پر تفوق حاصل تھا۔ مگر اب

معاملہ برعکس ہوگیا کلام الہی نے فصاحت و بلاغت کا بہترین معیار پیش کرکے اسلوب بیان میں ایسی روح پھونکی کہ عہد اسلام کی خطابت کا رتبہ جاہلیت کے خطابت سے کہیں بڑھ گیا۔ اس دور کے خطبات نہایت فصیح و بلیغ۔ پرجوش و زوردار موثر قلوب و محرک جذبات ہوتے تھے (موجودہ زمانہ کے تمام ممالک متمدنہ و مہذبہ میں مخاطبین کے جذبات و احساسات برانگیختہ کرنے اور راے عامہ کے بدلنے کا بہترین ذریعہ لیکچر اور اسپیچیں ہیں۔ جب کوئی نئی مذہبی یا سیاسی تحریک پیدا ہوتی ہے تو اسکی اشاعت و مقبولیت کے لئے اسپیچوں ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ تحریک جس قدر اہم ہوتی ہے اوسی قدر تقریریں پرجوش اور زوردار ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی مثال لو جب یہاں عدم تعاون و ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی تو تقریروں اور لیکچروں کی کسقدر گرم بازاری ہوئی۔

(ظہور اسلام ایک بے نظیر اہم ترین دینی و سیاسی تحریک تھا۔ اسلئے اسکے بانی مقدس کے خطبات بھی نہایت اہم اور فصاحت و بلاغت۔ اسلوب بیان۔ حقانیت مضامین سب لحاظ سے عدیم المثال و لاثانی ہوتے تھے۔ انمیں خدا کی حمد وثنا۔ نصائح و مواعظ۔ اوامر و نواہی۔ حکمت و عبرت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ آپ جمعہ۔ عیدین۔ موسم حج۔ روز جنگ۔ غرضکہ ہر دینی و سیاسی اجتماع پر خطبہ دیا کرتے۔ جب آپکی خدمت میں کوئی وفد حاضر ہوتا تو اوس وفد کے خطیب کے جواب میں یا تو خود جناب رسالتمآب یا آپ کے حکم سے کوئی اور صحابی تقریر فرماتے۔ اسی طرح جب آپکا وفد کہیں جاتا تو میر وفد خطبہ دیتا۔ خطبہ ہی کے ذریعہ سے اکثر دعوت اسلام دیجاتی اور مجاہدین کو سرفروشی کا جوش دلایا جاتا۔ خود مسلمانوں کے وعظ و نصیحت کا طریقہ ہی خطبہ تھا۔ آپ کے بعد خلفاے راشدین کے زمانہ میں بھی یہی حال رہا۔ خود خلفاے کرام بڑے زبردست خطیب تھے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں میں اختلاف نمودار ہوکر دو جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ ایک حضرت علیؓ کی سیادت میں اور دوسری امیر معاویہؓ کی قیادت میں اور مسلمانوں کی متحدہ قوت

آپس میں متصادم ہو کر ضائع ہونے لگی۔ تب بھی فریقین میں خطابت ہی کا زور تھا۔ اور پھر جب اس اختلاف نے اور زیادہ ترقی کی اور مسلمانوں میں کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ تو بھی ہر فرقہ نے خطابت ہی کے ذریعہ سے اپنے اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ علاوہ بریں جب کوئی شخص کسی صوبہ کا حاکم و عامل مقرر ہو کر جاتا تو وہ اکثر اور بیشتر خطابت ہی کے ذریعہ سے رعایا کو مرعوب کرتا۔ غرضکہ صدر اسلام میں فن خطابت نے ایسی ترقی کی کہ اسکی نظیر کسی اور دور میں نہیں ملتی)

اس دور کی خصوصیات خطابت

۱۔ جاہلیت میں مذہبی خطبات نہیں ہوتے تھے۔ اسلام نے عیدین اور حج وغیرہ کے خطبوں کی اشاعت کی

۲۔ خطابت کی سیاسی شان و اہمیت میں حیرت انگیز ترقی ہوئی

۳۔ اس دور کے خطبات اس قدر موثر ہوتے تھے۔ کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

۴۔ صفائی الفاظ۔ سلاست عبارت اور متانت طرز بیاں اس دور کے خطابت کی خاص خصوصیات ہیں جاہلیت میں جس قسم کا پیچدار سجع کاہن استعمال کرتے تھے اب اوس کا رواج مطلقاً نہ رہا۔

۵۔ شروع میں حمد و ثنا کا ہونا۔

۶۔ اسلوب قرآن کی نقل۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا استعمال۔ بلکہ بعض تو اپنے پورے خطبہ کو قرآن ہی سے اقتباس کرتے تھے۔ جیساکہ مصعب بن زبیر نے کیا جب وہ عراق میں اپنے بھائی عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کی دعوت دینے گئے تو ممبر پر چڑھکر ایک خطبہ پڑھا جسمیں سورہ قصص کی ابتدائی آئیتیں تھیں۔ انھیں میں اپنا مطلب ظاہر کر دیا۔

۷۔ خطبوں کا مختصر سے مختصر۔ اور طویل سے طویل ہونا

خطبوں کے نمونے

خطبہ جناب رسول مقبول صلعم کتب احادیث وسیر میں آپ کے کئی ایک خطبے مروی ہیں نمونہ کے طور پر ایک خطبہ درج کیا جاتا ہے ۔ آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا :-

ایہا الناس ان لکم معالم فانتہوا الی معالمکم وان لکم نہایۃ فانتہوا الی نہایتکم فان العبد بین مخافتین بین اجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع بہ وبین اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض بہ فلیأخذ العبد من نفسہ لنفسہ ومن دنیاہ لآخرتہ ومن الشبیبۃ قبل الکبر ومن الحیاۃ قبل الممات فوالذی نفس محمد بیدہ ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا من دار الا الجنۃ او النار

باقی

خطبہ جناب ابی بکر الصدیق رض آپ نہایت فصیح وبلیغ تھے ۔ آپکا خطبہ نہایت پر اثر اور مدلل ہوا کرتا تھا ۔ چنانچہ وہ خطبہ جو آپ نے معاملہ خلافت طے کرنے کے وقت دیا تھا ۔ اسپر شاہد ہے ۔ اور وہ یہ ہے ۔

ایہا الناس نحن المہاجرون واول الناس اسلاماً واکرمہم احساباً واوسطہم داراً واحسنہم وجوھا واکثر الناس ولادۃً فی العرب وامسّہم رحماً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلمنا قبلکم وقدمنا فی القرآن علیکم فقال تبارک تعالی (وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ) فنحن المہاجرون وانتم الانصار اخواننا فی الدین وشرکاؤنا فی الفئ وانصارنا علی العدو آویتم وواسیتم فجزاکم اللہ خیراً فنحن الامراء وانتم الوزراء لا تدین العرب الا لھذا الحی من قریش فلا تنفسوا علی اخوانکم المہاجرین ما منحہم اللہ من فضلہ

خطبہ جناب عمر فاروق رض

آپکا طریقۂ بیان نہایت واضح وصاف تھا۔ مختلف قسم کے مطالب خطبہ میں اس طرح ادا فرماتے تھے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذاق کے مطابق مستفیض وبہرہ اندوز ہوتا۔ فصاحت و بلاغت کے علاوہ۔ آپ کے خطبات میں حکمت و درایت کی باتیں بہت ہوا کرتی تھیں۔ جنمیں سے اکثر بعد میں ضرب المثل ہوگئیں۔ اگرچہ آپ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکہ کے خطبوں کے لئے تیار ہوکر جاتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے وقت آپ نے یہ خطبہ دیا:۔

یایها الناس : انی داع فأمنوا اللهم انی غلیظ فلیّنی لاهل طاعتك بموافقة الحق ابتغاء وجهك والدار الآخرة وارزقنی الغلظة والشدّة علی اعدائك واهل الدعارة والنفاق من غیر ظلم منی لهم ولا اعتداء علیهم اللهم انی شحیح فسخنی فی نوائب المعروف قصداً من غیر سرف ولا تبذیر ولا ریاء ولا سمعة واجعلنی ابتغی بذلك وجهك والدار الآخرة اللهم ارزقنی خفض الجناح ولین الجانب للمؤمنین اللهم انی کثیر الغفلة والنسیان فالهمنی ذکرك علی کل حال وذکر الموت فی کل حین اللهم انی ضعیف عن العمل بطاعتك فارزقنی النشاط فیها والقوة علیها بالنیة الحسنة التی لا تکون الا بعزتك وتوفیقك اللهم ثبتنی بالیقین والبر والتقویٰ وذکر المقام بین یدیك والحیاء منك وارزقنی الخشوع فیما یرضیك عنی والمحاسبة لنفسی واصلاح الساعات والحذر من الشبهات اللهم ارزقنی التفکیر والتدبر لما یتلوه لسانی من کتابك والفهم له والمعرفة بمعانیه والنظر فی عجائبه والعمل بذلك ما بقیت علی کل شئ قدیر۔

خطبہ جناب عثمان غنی رض

آپ کے خطبات کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ الفاظ تھوڑے اور معانی زیادہ ہوتے تھے۔ عبارت بھی نسبتہً سہل ہوتی تھی۔

خلیفہ ہونے کے وقت یہ خطبہ دیا۔

اما بعد فانی قد حملت وقد قبلت الا وانی متبع ولست بمبتدع الا وان لکم علیّ بعد کتاب اللہ عزوجل وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثاً: اتباعَ من کان قبلی فیما اجتمعتم علیہ وسنَنتم وسَنّ سُنّۃ اھل الخیر فیما لم تسُنّوا علی ملأ والکفّ الا فیما استوجبتم ألا وأن الدنیا خضرۃ قد شھیت الی الناس ومال الیھا کثیر منھم فلا ترکنوا الی الدنیا ولا تثقوا بھا فانھا لیست بثقۃ واعلموا انھا غیر تارکۃ الا من ترکھا۔

خطبۂ جناب علیؓ فصاحت و بلاغت میں جناب رسالت مآبؐ کے بعد آپکا نمبر تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا انا مدینۃ العلم علی بابھا۔ آپ کے خطبات کو شریف رضی المتوفی ۴۰۶ھ نے کتاب نہج البلاغۃ میں جمع کیا ہے۔ مگر اسمیں معتد بہ حصہ الحاقی ہے نہج البلاغۃ کی کئی ایک شرحیں ہیں۔ جنمیں سے عبد الحمید کی شرح مطول خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ مصر سے پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک خطبہ درج کیا جاتا ہے۔

اوصیکم عباد اللہ ونفسی بتقوی اللہ ولزوم طاعتہ وتقدیم العمل وترک الامل فانہ من فرط فی عملہ لم ینتفع بشیئٍ من املہ این التعب باللیل والنھار المقتحم لجج البحار ومفاوز القفار یسیر من وراء الجبال وعالج الرمال یصل الغدو بالرواح والمساء بالصباح فی طلب محقرات الارباح ھجمت علیہ منیتہ فعظمت بنفسہ رزیتہ فصار ماجمع بوراً وما اکتسب غروراً ووافی القیامۃ محسوراً ایھا اللاھی الغار بنفسہ کانی بک وقد اتاک رسول ربک لایقرع لک باباً ولا یھاب لک حجاباً ولا یقبل منک بدیلاً ولا یاخذ منک کفیلاً ولا یرحم لک صغیراً

ولا یوقر فیاك کبیراً حتی یودیك الی قعر مظلمۃ ارجاؤها موحشۃ کفعلہ بالامم الخالیۃ والقرون الماضیۃ این من سعی واجتہد وجمع وعدد وبنی وشید وزخرف ونجد وبالقلیل لم یقنع وبالکثیر لم یمتنع این من قاد الجنود ونشر البنود اضحوا رفاتاً تحت الثری امواتاً وانتم بکاسہم شاربون ولسبیلہم سالکون عباد اللہ فاتقوا اللہ وراقبوہ واعملوا للیوم الذی یسیر فیہ الجبال وتشقق السماء بالغمام وتطایر الکتب عن الایمان والشمائل

سحبان وائلی فصاحت و بلاغت میں اسکا نام ضرب المثل ہے۔ یہ قبیلہ وائل سے تھا۔ جو قبیلۂ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں پرورش پائی۔ ظہور اسلام پر مسلمان ہوا۔ آخر میں حضرت معاویہ کے ساتھ مل گیا اور اونہیں کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔

مروی ہے کہ ایک روز امیر معاویہ کی خدمت میں خراسان سے وفد آیا۔ جواب دینے کے لئے سحبان کو کہا گیا بولا ایک لاٹھی لا دو۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین کے حضور میں لاٹھی کا کیا کروگے۔ سحبان نے کہا کہ آخر حضرت موسیٰ نے خداوند تعالیٰ سے باتیں کرتے وقت عصا کا کیا تھا۔ معاویہ ہنسے اور لاٹھی لا دینے کا حکم دیا۔ لاٹھی ہاتھ میں لیکر ظہر کے وقت سے تقریر کرنے جو کھڑا ہوا عصر کا وقت آگیا۔ نہ جھجکا۔ نہ کھانسا۔ نہ کہیں ٹھہرا۔ دریاے موجزن کی طرح امنڈتا ہوا چلا گیا۔ حاضرین وسامعین سب کے سب حیران و مبہوت رہ گئے۔ آخر میں حضرت معاویہ نے ختم کرنے کے لئے اشارہ کیا تو بولا کہ میرا قطع کلام نکر۔ معاویہ نے پھر کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ بولا کہ آخر ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم بھی تو نماز ہی میں ہیں۔ کیونکہ خدا کی حمد و ثنا اور اوسکے وعدہ و وعید کا ذکر کر رہے ہیں معاویہ نے فرمایا کہ اے سحبان تو عرب کا بہترین خطیب ہے۔ بولا۔ واہ۔ بلکہ عرب و عجم

-جن و انس تمام مخلوقات کا-

اسکے خطبات بہت طول طویل ہوتے تھے راویوں کو یاد نہ رہنے کی وجہ سے- مدون نہو سکے مندرجہ ذیل عبارت کو اوسکے کسی ایک خطبہ کا حصہ کہا جاتا ہے- لیکن قالی اپنی کتاب امالی میں اسے کسی اور کا بتلاتا ہے-

ان الدنیا دار بلاغ والاخرۃ دار قرار ایھا الناس فخذوا من دار ممرکم لدار مقرکم ولا تھتکوا استارکم عند من لا تخفی علیہ اسرارکم و اخرجوا من الدنیا قلوبکم قبل ان تخرج منھا ابدانکم ففیھا حییتم ولغیرھا خلقتم ان الرجل اذا ھلک قال الناس ما ترک؟ وقال الملائکۃ ما قدم؟ قدموا بعضاً یکون لکم ولا تخلفوا کلاً یکون علیکم

زیاد بن ابیہ یہ سمیہ کے جو حارث بن کلدۃ ثقفی مشہور طبیب عرب کی کنیزک تھی بیٹے تھے- ان کے باپ کے متعلق بڑا اختلاف ہے- سمیہ عبید نامی ایک رومی غلام سے بیاہی گئی تھی- مگر آوارہ تھی- جاہلیت میں ابوسفیان سے حاملہ ہوئی تو زیاد پیدا ہوئے- شرعاً زیاد کا باپ عبید ہے- مگر ابتدا زیاد کو زیاد بن ابیہ کہا جاتا تھا- عہد فاروقی میں ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے یقین کامل ہے کہ زیاد میرا بیٹا ہے آپ نے فرمایا تو پھر تم اوسے اپنے نسب میں کیوں نہیں شامل کر لیتے- ابوسفیان نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے ڈر و نکال خوف- ہے غیر اوسوقت تو زیاد- ابوسفیان کے بیٹے قرار نہیں دیئے گئے لیکن حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ خلافت میں شہادت لیکر ان کو اپنے خاندان میں ملا لیا- اوسوقت سے یہ زیاد ابن ابی سفیان کہلائے جانے لگے- لیکن محتاط لوگ ابن ابیہ یا ابن سمیہ ہی کہتے ہیں- کیونکہ اس قسم کا استلحاق شریعت کے خلاف ہے- حدیث صحیح ہے- الولد للفراش وللعاھر الحجر-

زیاد نہایت قابل- بہادر اور مدبر تھے- حضرت عمر انکو ہوشیار و زیرک

سمجھتے تھے۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو اونکو فارس کے لئے ایک مدبر کارگذار عامل کی ضرورت ہوئی۔ آخر لوگوں کے مشورہ سے زیاد کو منتخب کیا۔ جب امیر معاویہ خلیفہ ہوئے تو اونکو زیاد کی طرف سے بڑا خوف تھا۔ لیکن امیر نے اپنے خاندان میں ملاکر اپنا کرلیا اور بلاد شرقیہ کا گورنر بنادیا

انکا خطبہ جو انہوں نے بصرہ پہونچکر دیا تھا بہت مشہور ہے

اما بعد فان الجہالة الجہلاء والضلالة العمیاء والغیّ الموفی باھلہ علی النار ما فیہ سفہاؤکم ویشتمل علیہ حلماؤکم من الامور التی ینبت فیہا الصغیر ولا یتحاشی عنہا الکبیر کأنکم لم تقرؤا کتاب اللہ ولم تسمعوا ما اعد اللہ من الثواب الکریم لاھل طاعتہ والعذاب الیم لاھل معصیتہ فی الزمن السرمدی الذی لا یزول انہ لیس منکم إلا من طرفت عینہ الدنیا وسدت مسامعہ الشہوات واختار الفانیة علی الباقیة ولا تذکرون انکم احدثتم فی الاسلام الحدث الذی لم تسبقوا الیہ من ترککم الضعیف یقہر والضعیفة المسلوبة فی النہار لا تنصر والعدد غیر قلیل والجمع غیر مفترق الم یکن منکم نہاة یمنعون الغواة عن دلج اللیل وغارة النہار قربتم القرابة وباعدتم الدین تعتذرون بغیر العذر وتغضون علی المنکر کل امرئ منکم یذب عن سفیہہ صنع من لا یخاف عقابًا ولا یرجو معادًا فلم یزل بھم ما ترون من قیامکم دونہم حتی انتہکو حرم الاسلام ثم اطرقوا وراءکم کنوسًا فی مکانس الریب حرام علیّ الطعام والشراب حتی اضع ھذہ المواخیر بالارض ھدمًا واحراقًا انی رأیت آخر ھذا الامر لا یصلح إلا بما صلح بہ اولہ لین فی غیر ضعف وشدة فی غیر عنف وانی لاقسم باللہ لآخذن الولی بالمولی والمقیم بالظاعن والمطیع بالعاصی حتی یلقی الرجل اخاہ فیقول "انج سعد فقد ھلک سعید" او تستقیم لی قناتکم إن کذبة الامیر بلقاء مشہورة

فاذا تعلقتم علیّ بکذبة فقد حلّت لکم معصیتی وقد کان بینی وبین قوم احن فجعلت ذلک دبر اذنی وتحت قدمی انی لو علمت ان احدکم قد قتله السّلّ من بغضی لم اکشف له قناعاً ولم اهتك له ستراً حتی یبدی لی صفحته فاذا فعل ذلك لم اناظره فاستانفوا امورکم واعینوا علی انفسکم فرب مبتئس بقدومنا سیسر ومسرور بقدومنا سیبتئس ایها الناس انا قد اصبحنا لکم ساسة وعنکم ذادة نسوسکم بسلطان الله الذی اعطانا ونذود عنکم بفئ الله الذی خوّلنا فلنا علیکم السمع والطاعة فیما احببنا ولکم علینا العدل فیما ولینا فاستوجبوا عدلنا وفیئنا بمناصحتکم لنا

حجاج بن یوسف

سنہ ۴۱ھ میں پیدا ہوا۔ خلیفہ عبد الملک بن مروان اور ولید کے زمانہ میں تین سال امیر حجاز اور پورے تیس سال عراقین اور بلاد شرقیہ کا گورنر رہا۔ سنہ ۹۵ھ میں انتقال کیا۔

خونریزی و سفاکی میں اسکا نام زبان زد خاص و عام ہے۔ نہایت جاہ پسند مغرور اور ظالم امیر تھا۔ لیکن بااین ہمہ چند خوبیاں بھی رکھتا تھا۔ وہ نہایت زبردست مقرر اور تیز طرار خطیب اور قرآن کا ایسا جیّد حافظ تھا۔ کہ سوائے امام حسن بصری کے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شجاعت و جفاکشی راست گوئی اور کارگذاری میں ممتاز تھا۔ اسی کے حکم سے قرآن شریف پر حرکات و نقاط وغیرہ لگائے گئے۔ نحو کی تدوین بھی اسی کے حکم سے ہوئی۔ جب عبد الملک نے اسے کوفہ کا والی مقرر کیا تو یہ محض بارہ سواروں کی جمعیت کے ساتھ وہاں پہونچا اور سیدھا جامع مسجد میں داخل ہو کر منبر پر چڑھ گیا سرخ ریشم کا عمامہ اور منہ پر ڈھاٹا بندھا ہوا تھا۔ اور ہاتھ میں کمان تھی۔ اہل کوفہ جمع ہوئے۔ یہ لوگ حکام و امرا کی تحقیر و تذلیل کیا کرتے تھے اونہوں نے اسے بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اسپر بھی پتھر کنکر برسانے چاہے۔ کہ اسی اثنا میں حجاج اپنا ڈھاٹا کھولکر اور تنکر کھڑا ہو گیا۔ اول

اوس نے یہ شعر پڑھا۔

انا ابن جلا وطلاع الثنایا ۔۔۔ متی اضع العمامة تعرفونی

ترجمہ میں بڑے شخص کا بیٹا اور پہاڑوں کو روند ڈالنے والا ہوں۔ جب عمامہ اتاروں گا تو تم مجھکو پہچانو گے

اسکے بعد اس زور شور کا ہولناک خطبہ دیا کہ سامعین لرز گئے اور اونکے ہاتھوں میں سے تیر کمان اور سنگریزے سب گر پڑے۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

یا اهل الکوفة انی لاری رؤسًا قد اینعت وحان قطافها وانی لصاحبها وکأنی انظر الی الدماء بین العمائم واللحی ...

انی واللہ یا اھل العراق ما یقعقع لی بالشنان ولا یغمز جانبی کتغماز التین ولقد فررت عن ذکاء وفتشت عن تجربة وان امیر المومنین اطال اللہ بقاءہ نثر کنانته بین یدیه فعجم عیدانها فوجدنی امرها عودًا واصلبها مکسرًا فرما کم بی لأنکم طالما اوضعتم فی الفتنه واضطجعتم فی مراقد الضلال واللہ لاحزمنکم حزم السلمة ولاضربنکم ضرب غرائب الابل فانکم لکاهل قریة کانت آمنةً مطمئنةً یاتیها رزقها رغدًا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقها اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون وانی واللہ ما اقول الا وفیت ولا اهم الا امضیت ولا اخلق الا فریت وان امیر المومنین امرنی باعطائکم اعطیاتکم وان اوجهکم لمحاربة عدوکم مع المهلب بن ابی صفرة وانی اقسم باللہ لا اجد رجلا تخلف بعد اخذ عطائه بثلاثه ایام الا ضربت عنقه۔

(د) شعر و شاعری
صدر اسلام میں

شاعری اور رسول کریم | تم نے اوپر کہیں پڑھا ہوگا کہ جاہلیت میں شاعری کو خطابت پر تفوق

حاصل تھا۔ اسلام کے بعد معاملہ برعکس ہوگیا۔ جب رسول مقبول پر قرآن شریف نازل ہونے لگا تو عرب جاہلیہ اور کفار مکہ آیات قرآنی کو سنکر اوسکی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان سے سخت مدہوش و مبہوت ہوئے۔ ایسا کلام اُنہوں نے اس سے پہلے کبھی سنا ہی نہیں تھا۔ کوئی آپ کو شاعر کہتا تھا کوئی ساحر و کاہن بتاتا۔ کہیں سے مجنون کا لقب ملتا۔ لیکن جب توفیق الٰہی سے یہ بات اونکے ذہن نشین ہوتی گئی کہ درحقیقت یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ نہ وہ شعر شاعر ہے اور نہ سجع کاہن۔ کوئی شخص اوسکے مانند ایک چھوٹی سی سورت بھی نہیں بنا سکتا تو وہ مسلمان ہوتے گئے اب بجائے شعر و شاعری کے قرآن کی تلاوت و حفظ کرنے اور اسکے معانی و مطالب پر غور و فکر کرنے میں اپنا سارا وقت صرف کرنے لگے حضرت لبید جاہلیت میں بڑے زبردست شاعر تھے لیکن جب مشرف با سلام ہوئے تو یک قلم شعر گوئی چھوڑ دی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انکے اسلام کے بعد کا کلام سننا چاہا تو حضرت لبیدؓ نے سورہ بقر لکھ بھیجی اور ابدلانی ابدلنی اللہ ھذا فی الاسلام مکان الشعر حضرت حسان کا کلام جاہلیت میں بڑا زوردار تھا لیکن اسلام کے بعد وہ بات نہیں رہی تھی۔ اسکی وجہ خود حضرت حسانؓ نے یہ بتائی کہ شعر کی خوبی صرف کذب و مبالغہ ہے اور یہ اسلام میں کہاں جائز غرضکہ اسلام کے بعد عرب کا مذاق سخن شاعری خطابت سے بدل گیا۔ کیونکہ اشاعت اسلام اور تحریص جہاد کے لیئے یہ فن زیادہ کارآمد اور مفید تھا۔ علاوہ برین عصبیت جاہلیہ شاعری کی روح رواں تھی۔ رسول کریمؐ نے جب ایک سچے دین کی تعلیم دی اور مساوات واخوت کا سبق پڑھایا تو اوس عصبیت کے مستاصل ہوتے ہی شاعری اپنے درجہ سے گر گئی

رسول مقبول کی شان نبوت۔ شعر گوئی سے کہیں بالاتر اور منزہ ترتھی وحی والہام جس کی زبان ہو اوسے شاعری سے کیا تعلق۔ آپ نے کبھی ایک بھی شعر نہیں کہا۔ اگر کوئی شاعر حاضر ہوکر اپنے اشعار سناتا تو آپ اوسکے جواب میں قرآنی آیات تلاوت فرما دیا کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کی کہ میں شاعر ہوں میرا کلام سنئے۔ آپ نے اجازت دی

تو اوسنے چند شعر پڑھے آپ نے اوسکے جواب میں سورہ اخلاص پڑھ دی۔ مگر باین ہمہ آپ نے مطلق شعرگوئی کو برا نہیں فرمایا۔ یعنی شعر کی برائی شعر کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ اوس کے مضمون کے لحاظ سے قرار دی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مرفوعاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم الشعر بمنزلہ الکلام حسنہ کحسن الکلام و قبیحہ کقبیح الکلام۔ یعنی شعر بمنزلہ کلام کے ہے اچھا شعر اچھے کلام کے مانند اور برا شعر برے کلام کے مانند ہے۔ ابن عائشہ سے مروی ہے قال رسول اللہ الشعر کلام من کلام العرب جزل تتکلم بہ فی نوادیھا وتسل بہ الضغائن بینہا۔ یعنی شعر کلام عرب کا ایک بہتر حصہ ہے جسکے ساتھ وہ اپنے مجلسوں میں تکلم کرتے ہیں اور جسکے ذریعہ سے باہمی کینے دور کرتے ہیں۔ دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔ انّ من الشعر لحکمۃ۔ اگر اسلام کی حمایت و مدافعت شعر کے ذریعہ سے کی جائے یا اسمیں ایسے مضامیں بیان کئے جائیں جو شریعت کے خلاف نہوں تو یہ سب کچھ جائز ہے۔ ایسے اشعار آپ اکثر سنا کرتے اور شاعر سائل کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے جسکے باپ نضر نامی کو آپ نے قتل کروا دیا تھا۔ خدمت مبارک میں حاضر ہوکر چند اشعار پڑھے جنمیں یہ بھی تھے۔

امحمد ھا انت نجل نجیبۃ   من قومھا و للفحل فحل معرق

ماکان ضرک لو مننت وربما   من الفتی وھو المغیظ المحنق

والنضر اقرب من قتلت وسیلۃ   واحقھم ان کان عتق یعتق

تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ اشعار میں پہلے سنتا تو اوسے ہرگز قتل نکرواتا۔ کعب بن زہیر کا خون آپ نے ہدر فرما دیا تھا لیکن جب انھوں نے حاضر خدمت ہوکر اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد عرض کیا تو نہ صرف انکا گناہ معاف کیا گیا بلکہ چادر مبارک بھی عطا کی گئی

شعراء جاہلیت نے جب مسلمانوں کی ہجو کرنی شروع کی تو آپ نے انصار کو مخاطب

کرکے فرمایا کہ کیا جن لوگون نے اسلام کی اسلحہ سے مدد کی ہے وہ زبان سے اوسکی مدافعت نہیں کرسکتے۔ اسپر حضرت حسانؓ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ انکے لئے مسجد میں منبر بچھایا جاتا تھا رسول مقبول فرمایا کرتے تھے کہ جب تک حسّان خدا اور خدا کے رسول کی طرف سے جواب دیتا ہے روح القدس اسکی مدد کرتا ہے۔ ایک بار آپ نے حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ اهجهم فوالله لهجاؤك عليهم اشد من وقع السهام في غلس الظلام اهجهم ومعك جبرئيل۔ یعنی اے حسان تو کافروں کی ہجو کر۔ تیری ہجو اونکے لئے تیر سے زیادہ کارگر ہے۔ اونکی خوب ہجو کر۔ جبرئیل علیہ السلام تیرے ساتھ ہیں۔ یہ تمام حالات حضرت حسان کے ذکر میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ شعبی سے مروی ہے کہ حسان بن ثابت نے جناب رسالت مآب کے پاس حاضر ہوکر عرض کی کہ ابوسفیان نے آپ کی ہجو کی ہے۔ اور نوفل بن حارث اور دیگر کفار قریش نے اسبارہ میں اوسکی مدد کی ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اون سب کی ہجو کروں۔ آپ نے فرمایا کہ تو میرے اور اونکے درمیان فرق کیونکر کریگا وہ اور ہم تو ایک ہی ہیں۔ حسان نے کہا کہ میں آپ کو اون سے اس طرح جدا کرونگا جس طرح بال آٹے سے نکال لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو اچھا اونکی ہجو کر۔ روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ اور ابوبکر سے مدد لے کیونکہ وہ انساب عرب سب سے زیادہ جانتے ہیں اسپر حسان نے ان سب کی خوب ہجو کی۔ عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسالت مآب کو اطلاع پہونچی کہ کسی جماعت نے ابوبکر کی ہجو کی ہے۔ آپ کو سخت ناگوار گذرا۔ آپ نے اوسی وقت منبر پر چڑھکر خطبہ دیا اور فرمایا کہ جسوقت میں نے تمکو دعوت اسلام دی سب نے مجھکو جھٹلایا۔ اور صرف ابوبکر نے میری تصدیق کی۔ اگر میں خدا کو چھوڑکر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ پھر آپ نے حضرت حسان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ جو کچھ تم نے میرے اور ابوبکر کی شان میں کہا ہے سناؤ۔ حسّان نے یہ اشعار پڑھے۔

اذا تذکرت شجوا من أخ ثقة   فاذکر أخاك أبا بکر بما فعلا

الثانی التالی المحمود شیمته   واول الناس طرا اصدق الرسلا

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد   طاف العدو به اذ صعد الجبلا

وکان حب رسول الله قد علموا   من البریة لم یعدل به رجلا

خیر البریة اتقاها وأرأفها   بعد النبی وأوفاها بما حملا

ختم اشعار پر آپ نے فرمایا کہ حسان۔ تم سچ کہتے ہو۔ پھر فرمایا دعوالی صاحبی اس فقرہ کو آپ نے تین دفعہ فرمایا۔

ایک دفعہ آپ نے نزول باراں کے لیئے دعا مانگی۔ جب بارش نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو اس وقت خوش ہوتے۔ پھر آپنے فرمایا کہ کوئی اونکے اشعار سنائے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ شاید آپ کی مراد ابوطالب کے اِن اشعار سے ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامی عصمة للارامل

یلوذ به الهلاك من آل هاشم   فهم عنده فی نعمة وفواضل

کذبتم وبیت الله نبزی محمدا   ولما نطاعن دونه ونناضل

ونسلمه حتی نصرع حوله   ونذهل عن ابنائنا والحلائل

یہ قصیدہ ابوطالب کا ہے جسمیں سو سے زیادہ اشعار ہیں اور جناب رسول مقبول کی تعریف سے پر ہے۔

جو کچھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اوس سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ جناب رسول مقبول نے بذات خاص کوئی شعر موزون نہیں کیا۔ تاہم آپ عمدہ اشعار کو پسند فرماتے۔ اور دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ اگر کوئی شعر پسند آجاتا تو شاعر کو دعاے نیک دیتے۔ چنانچہ نابغہ جعدی کو آپ نے دعا دی تھی لا فضض الله فاك (تیرے منہ کو سکستگی لاحق نہو) یہ قصہ اوس کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ رہی قرآن شریف کی یہ آیت و الشعراء یتبعهم الغاوون۔ سو

یہ شعراے کافرین کی شان میں ہے۔ جو دیدہ و دانستہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور حق کی تردید کر دیتے ہیں۔ اور جو شعرا مسلمان ہیں اور خدا کی تمجید و توحید۔ اور رسول کی تعریف و توصیف میں شعر کہتے ہیں۔ اور عقائد اسلامیہ کی اپنے اشعار کے ذریعہ سے اشاعت کرتے ہیں اونکو خداوند تعالیٰ نے الشعراء یتبعھم الغاون کے حکم سے۔ الا الذین آمنوا۔ و عملوا الصالحات الخ فرماکر مستثنیٰ کر دیا

شعر اور خلفاے راشدین

زمانہ راشدین میں بھی شعرگوئی کی وہی حیثیت رہی جو عہد نبوت میں تھی۔ مسلمانوں کی زیادہ توجہ قرآن کی تعلیم کی طرف تھی۔ ایک دفعہ فرزدق شاعر کا باپ اپنے ہونہار بیٹے کو حضرت علی کی خدمت میں لاکر عرض پرداز ہوا کہ یہ شاعر ہے کچھ اسکا آپ کلام سن لیجئے آپ نے فرمایا کہ اسے قرآن کی تعلیم دو۔

مگر چونکہ الفاظ قرآن پاک کی تفسیر میں اشعار جاہلیہ سے بہت مدد ملتی تھی اس لئے بجائے شعرگوئی کے۔ شعرفہمی اور ادب و عربیت کی طرف زیادہ توجہ کی گئی۔ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے۔ اذا اعیاکم تفسیر آیۃ من کتاب اللہ فاطلبوہ فی الشعر فانہ دیوان العرب یعنی جب تمکو کسی آیت کی تفسیر میں دقت پیش آئے تو اوسکے معنی شعر سے حل کرو کیونکہ شعر عرب کا دیوان ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کی تائید میں۔ ہم یہاں مثال کے طور پر۔ چند آیات قرآنی کا ذکر کرکے بتاتے ہیں کہ اونکے تفسیر کے لئے کس طرح اشعار جاہلیت سے مدد لیجاسکتی ہے

۱۔ واسأل القریۃ التی کنا فیھا۔ سوال کر قریہ سے۔ یعنی اہل قریہ سے۔ جیسا کہ امرء القیس کے اس مصرعہ سے ظاہر ہے۔ قفا فاسئلا الاطلال عن ام مالک

۲۔ ومن یشاقق اللہ ورسولہ فان اللہ شدید العقاب یہاں خبر محذوف ہے جس طرح کہ شداد بن معویۃ العبسی کے اس شعر میں۔

ومن یک سائلا عنی فانی   وجروۃ لا ترود ولا تعار

۳۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ لایہاں زائد ہے جس طرح شماخ بن ضرار کے اس شعر میں۔

اعایش مالقومك لا ارا ھم یضیعون الہجان مع المضیع

یہاں تک تو نحوی تراکیب اور علم معانی کے اصول کی مثالیں تھیں۔ اب حل لغت کی بھی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۴۔ فیھا انھار من ماء غیر آسن۔ آسن کے معنی متغیر۔ امرالقیس کہتا ہے۔

وماء آسن برکت علیہ کان مناخہا ملقی لجام

۵۔ فسینغضون الیك رؤسھم۔ یہاں ینغض کے معنی اٹھانے کے ہیں۔ جیسا کہ زہیر نے کہا ہے

وینغض لی یوم الفجار وقد رای خیولاً علیھا کالاسود ضواری

۶۔ قولہ تعالیٰ۔ وھو شدید المحال۔ محال کے معنی قوت جیسا کہ اعشیٰ نے کہا۔

فرع نبع یھتز فی غصن المجد غزیر الندی شدید المحال

غرضکہ حضرت ابن عباس نے سچ فرمایا ہے کہ اگر کسی آیت کے معنی سمجھ میں نہ آئیں تو اشعار عرب سے استدلال کرکے معنی نکال لو۔ جمہرۃ اشعار العرب کے مقدمہ میں اس قسم کی بہت سے نظائر درج ہیں۔

حضرت عمرؓ اشعار جاہلیت کے حفظ کرانے کے لئے اکثر رغبت دلایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اروو امن الشعر اعفہ یعنی عمدہ شعر پڑھا کرو۔

خود خلفائے راشدین شعر کہا کرتے تھے۔ مگر کمی کے ساتھ۔ حضرت عمرؓ اگرچہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن شعر و شاعری کا بہترین مذاق رکھتے تھے۔ اکثر مشہور شعراء جاہلیت کا کلام کثرت سے یاد تھا۔ تمام شعراء کے کلام پر خاص خاص رائیں رکھتے تھے۔ زہیر کو عرب کا سب سے بڑا شاعر سمجھتے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے فرمایا کہ عرب کے بہترین

شاعر کے اشعار پڑہو۔ عبداللہ نے فرمایا وہ کون حضرت عمر نے جواب دیا کہ "زہیر۔ کیونکہ وہ نامانوس الفاظ کی تلاش نہیں کرتا اور نہ اوسکے کلام میں پیچیدگی ہوتی ہے۔ اور اوسی مضمون کو باندہتا ہے جس سے خود خوب واقف ہوتا ہے اور جس کسی کی مدح کرتا ہے تو اونہیں اوصاف کو بیان کرتا ہے جو درحقیقت اوسمیں ہوتے ہیں" زہیر کے بعد وہ نابغہ کے قائل تھے۔ اور اوسکے بہت سے اشعار اونکو یاد تھے۔ حضرت عمر کے مذاق شاعری کا یہ عالم تھا کہ اچھے شعر سنتے تو بار بار مزے لے لے کر پڑہتے۔ آپ کو ہزاروں شعر یاد تھے علماء ادب کا بیان ہے کہ انکے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصلہ کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑہتے۔ آپ نے تمام امراے فوج و عمال علاقہ کو حکم بہیجدیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کو یہ فرمان بہیجا۔

"مر من قبلك بتعلم الشعر فانه يدل على معالى الاخلاق وصواب الرأى ومعرفة الانساب"

(ترجمہ) لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح راے اور معرفت انساب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں

تمام اضلاع میں جو حکم بہیجا تھا اوسکے یہ الفاظ تھے۔

علموا اولادکم العوم والفروسیة ورووهم ما سار من المثل وحسن من الشعر

(ترجمہ) اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکہاؤ۔ اور ضرب المثلیں اور اچھے شعر یاد کراؤ

تمام عرب میں یہ عام طریقہ تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے اور اون سے تشبیب کرتے۔ حضرت عمر نے اس رسم کو یکدم مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح ہجوگوئی کو ایک جرم قرار دیدیا اور حطیئہ کو جو مشہور ہجوگو تھا اس جرم میں قید کیا۔

اشعار خلفائے راشدین

ابن عبدالبر نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور علیؓ تینوں شاعر تھے اور حضرت علی تینوں میں بڑھے ہوئے تھے۔ ایسا ہی قول شعبی کا ابن عبدربہ نے ذکر کیا ہے۔ علی بن شاکر الوستاری المعروف بجالی زادہ نے اشعار صحابۂ کرام جمع کرکے ایک مختصر سی شرح لکھی ہے جس کا نام حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابۂ ہے یہ دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد اسوقت پیش نظر ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں۔

امن طیف لیلی بالبطاح الدمائث   ارقت وامر فی العشیرة حادث

ترے من لؤی فرقة لایصدها   عن الکفر تذکیر ولا بعث باعث

رسول اتاهم صادق فتکذبوا   علیه وقالوا لست فینا بماکث

اذا دعوناهم الی الحق ادبروا   وهروا هریر المجحرات اللواهث

فکم قد متتنا فیهم بقرابة   وترك التقی شیئ لهم غیر کارث

فان یرجعوا عن کفرهم وعقوقهم   فما طیبات الحل مثل الخبائث

وان یرکبوا طغیانهم وضلالهم   فلیس عذاب الله عنهم بلابث

ونحن اناس من ذوابة غالب   لنا العز منها فی الفروع الاثائث

فاولی برب الراقصات عشیة   حراجیج تخدی فی السریح الرثائث

کادم ظباء حول مکة عکف   یردن حیاض الماء ذات النبائث

لئن لم یفیقوا عاجلا عن ضلالهم   ولست اذا آلیت قولا بحانث

لتبتدرنهم غارة ذات مصدق   تحرم اطهار النساء الطوامث

تغادر قتلی تعصب الطیر حولهم   ولا ترأف الکفار رأف ابن حارث

فابلغ بنی سهم لدیك رسالة   وکل کفور یبتغی الشر باحث

فان تشعثوا عرضی علی سوء رأیکم   فانی من اعراضکم غیر شاعث

یہ قصیدہ ابن ہشام نے حضرت ابوبکر کی طرف منسوب کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھدیا ہے کہ اکثر علماء ادب اس قصیدہ کو حضرت ابوبکر کا تسلیم نہیں کرتے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت صدیق نے اسلام کے بعد کوئی شعر نہیں کہا۔ ابن رشیق نے بھی العمدۃ میں اس قصیدہ کو حضرت ابوبکر ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار درج ہیں۔

الم تران اللہ اظہر دینہ علی کل دین قبل ذلک حائد

واسلبہ من اہل مکۃ بعدما تداعوا الی امر من الغی فاسد

غداۃ اجال الخیل فی عرصاتہا مسومۃ بین الزبیر وخالد

فامسی رسول اللہ قد عز نصرہ وامسی عداہ من قتیل وشارد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس طرح خطبات مدون کئے گئے ہیں اسی طرح آپ کے اشعار بھی دیوان کی شکل میں جمع کئے گئے ہیں۔ لیکن جس طرح نہج البلاغۃ کے تمام خطبات آپ کے نہیں ہیں اسی طرح "دیوان علی" کے تمام اشعار بھی آپ کے نہیں ہیں۔ مازنی نے کہا ہے کہ حضرت علی کا دو شعروں سے زیادہ کہنا ثابت نہیں۔ علامہ زمخشری نے اس قول کی تائید کی ہے۔ اور وہ دو شعر یہ ہیں۔

تلکم قریش تمنانی لتقتلنی فلا وربک ما بروا ولا ظفروا

فان ہلکت فرہن ذمتی لہم بذات ودقین لا تعفو لہا اثر

اور ایسا ہی صاحب قاموس نے بیان کیا ہے۔ مگر یہ قول صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ثقہ علماء نے ان دو شعروں کے علاوہ کئی شعر آپ کی طرف منسوب کئے ہیں۔

ذیل میں وہ اشعار درج کئے جاتے ہیں جو حضرت علیؓ نے غزوہ خندق میں عمرو بن عبد ود العامری کے قتل کے وقت کہے تھے۔

اعلی تقتحم الفوارس ہکذا عنی وعنہ اخروا اصحابی

فاليوم تمنعني الفرار حفيظتي	ومصمم في الرأس ليس بناب
ادى عمير حين اخلص صقله	صافي الحديدة يستفيض ثوابي
فغدوت التمس القراع بمرهف	عضب مع البتراء في اقراب
آلى ابن عبد حين شد الية	وحلفت فاستمعوا من الكذاب
ان لا يفر ولا يهلل فالتقى	رجلان يلتقيان كل ضراب
نصر الحجارة من سفاهة رأيه	ونصرت رب محمد بصواب
فصدرت حين تركته متجدلا	كالجذع بين دكادك وروابي
وعففت عن اثوابه ولو انني	كنت المقطر بزني اثوابي
لا تحسبن الله خاذل دينه	ونبيه يا معشر الاحزاب

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بھی چند اشعار منسوب ہیں۔ آپ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ دو شعر مرثیہ کے طور پر کہے تھے

انا فقدناك فقد الارض وابلها	وغاب مذ غبت عنا الوحي والكتب
فليت قبلك كان الموت صادفنا	لما نعيت وحالت دونك الكتب

یہ دو شعر بھی حضرت فاطمہ نے نبی کریم کے وفات کے بعد کہے تھے۔

قد كان بعدك انباء وهنبثة	لو كنت شاهدها لم تكثر الخطب
انا فقدناك فقد الارض وابلها	فاختل قومك فاشهدهم ولا تغب

شعرا اور بنی امیہ یہ ہم اوپر معلوم کر چکے ہیں کہ عہد نبوت و زمانہ راشدین میں شاعری کس مپرسی کی حالت میں تھی۔ خطابت کا زیادہ چرچا تھا۔ لیکن جب بنی امیہ کے عروج سے خلافت راشدہ خاتمہ ہو کر ایک قسم کی سلطنت مستبدہ کی بنیاد پڑی اور مختلف مذہبی و سیاسی جماعتیں پیدا ہو گئیں تو بنی امیہ کو اپنا پروپیگنڈا پھیلانے کے لئے پھر شعرا کی مدد کی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے شاعروں کی باقاعدہ سرپرستی کی اور انکو بڑے بڑے انعامات دیئے۔ لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ وہ

اپنی اولاد کو اشعار حفظ کرائیں۔ حضرت عمر نے بھی اس طرف توجہ فرمائی تھی۔ لیکن اونکا مقصد اس سے صرف اسقدر تھا کہ معانی قرآن سمجھنے میں سہولت ہو۔ لیکن خلفاے بنی امیہ کی غرض تعلیم اشعار کی اشاعت سے بڑی حد تک سیاسی تھی۔ علاوہ بریں خلفاے امویہ پر بجائے خلفاے راشدین کے سلاطین کا رنگ غالب ہو گیا تو دیگر امور شاہانہ کی طرح۔ شاعروں کی سرپرستی بھی لازمی ہو گئی۔ اب دارالخلافت اور دربار خلفا دونوں اونکا مرجع و ماوا بنگئے۔ اسلام میں سب سے پہلے یہ بدعت عہد امویہ سے شروع ہوئی اور پھر روز بروز ترقی کرتی گئی۔

خود خلفا نہایت سخن فہم و سخن شناس ہوتے تھے سب سے زیادہ عبد الملک بن مروان کو شاعری کا ذوق تھا اسکے زمانہ میں گھر گھر شعر خوانی و شعر گوئی کا چرچا ہو گیا تھا۔ البتہ حضرت عمرو ابن عبد العزیز نے جہاں اور امور خلافت میں خلفاے راشدین کی سنت کو نصب العین بنا رکھا۔ وہاں شاعری کے بارہ میں بھی اوسی کا اتباع کیا۔ آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ میں شعر و شعرا کا حامی و قدرداں نہیں ہوں لیکن چونکہ انکا زمانۂ خلافت بہت کم تھا اسلئے شاعری کا یہ انحطاط عارضی تھا۔ انکے بعد پھر اسکی وہی گرم بازاری ہو گئی

اوس وقت کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اموی میں نہضت شاعری کے اسباب یہ تھے۔

۱۔ عصبیت جاہلیہ کا عود کرآنا۔ اور مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف پڑجانا جسکے باعث شعرا میں بھی تفرقہ ہو گیا۔ اور ہر فرقہ کے جدا جدا شاعر ہو گئے۔ اس باہمی اختلاف و مقابلہ کی وجہ سے شاعری کو ترقی ہونا لازمی تھا۔

۲۔ بنی امیہ کی سخاوت۔ خلفاے راشدین تو بیت المال میں کچھ تصرف نہیں کرتے تھے لیکن اب یہ پابندی نہیں رہی تھی۔ خلفاے امویہ جس قدر چاہتے تھے اسمیں سے اپنی ضروریات پر خرچ کر ڈالتے تھے انہوں نے بڑے بڑے صلے اور جاگیریں دیکر شاعروں کو اپنا نمک خوار بنا لیا۔ اور بہت کچھ اونکی حوصلہ افزائی کی اس ملوکانہ فیاضی سے ایک طرف شعر و شاعری

کو بے حد ترقی ہوئی اور دوسری طرف خلفائے بنی امیہ کو یہ فائدہ پہونچا کہ اگر کسی مخالف شاعر کی دلی ہمدردی اہل بیت یا کسی اور طرف بھی ہوتی تو وہ خلیفہ کے احسانات و انعامات کی وجہ سے خلیفہ ہی کا حامی و مداح رہتا اور مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ فرزدق اگرچہ اہل بیت کا طرفدار تھا مگر بنی امیہ کی مدح کر کے انعام و اکرام حاصل کیا کرتا تھا۔

۳۔ بنی امیہ کا شاعری کی طرف رجحان و میلان۔ خلفائے راشدین کو شعر و شاعری کا چنداں شوق نہ تھا۔ لیکن خلفائے امویہ کو اسکی بہت کچھ گرویدگی و رغبت تھی۔ امیر معاویہؓ ایک دن کہنے لگے کہ بروز جنگ صفین میدان سے میرے پاؤں اکھڑنے والے تھے کہ اتنے میں مجھے عمرو بن الاطنابہ کے یہ اشعار یاد آگئے جنہوں نے یکدم میری ہمت بندھا دی۔

ابت لی همتی و ابی بلائی — واخذی الحمد بالثمن الربیح
واقحامی علی المکروہ نفسی — وضربی هامة البطل المشیح
وقولی کلما جشأت وجاشت — مکانك تحمدی او تستریحی
لادفع عن مآثر صالحات — واحمی بعد عن عرض صحیح

امیر معاویہ کا قول ہے کہ "شعر کی طرف پوری توجہ کرو" خلفا کے علاوہ امرا و حکام شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ حجاج بن یوسف باہمہ سفاکی و خونریزی شاعروں کی قدر کیا کرتا تھا۔ غرضکہ بنی امیہ کے عہد میں بمقتضائے الناس علی دین ملوکھم شعر و سخن کا اسقدر چرچا ہوا۔ کہ جہاں چند آدمی جمع ہوتے تھے وہیں سخنوری و سخن سنجی تنقید و طبع آزمائی کا بحث و مشغلہ شروع ہو جاتا تھا شعر کا ایک ایک نکتہ حل کرنے کے لئے شائقین دور دور کا سفر کیا کرتے تھے

۴۔ بصرہ اور کوفہ کی نہضت علمیہ و ادبیہ۔ عرب جاہلیہ خانہ بدوش اور صحرا نشین تھے لیکن اسلام نے جہاں اونکی مذہبی و اخلاقی اصلاح کی وہاں اونمیں مدنیت و شہریت کا میلان بھی پیدا کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ اور کوفہ آباد ہوئے

ابتداءً یہ اسلامی فوجوں کی مستقر (چھاؤنیاں) تھے مگر رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے عہد بنی امیہ میں علم و ادب کے مرجع و مرکز بنگئے۔ جس طرح مشاعرت و مفاخرت کے ادبی بازار جاہلیت میں بمقام عکاظ وغیرہ لگا کرتے تھے اسی طرح یہاں بھی قائم ہونے لگے۔ چنانچہ بصرہ کے بازار مربد نے اتنی ترقی کی کہ وہ ایک بہت بڑا محلہ ہو گیا۔ جسمیں بڑے بڑے شعراے عرب اور علماے ادب رہتے تھے۔ اور جہاں بے شمار علمی و ادبی مجالس و محافل منعقد ہوتی تھیں اسکی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں۔ دولت عربیہ کے انحطاط پر یہ ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا جو بصرہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور یہاں سے وہاں تک برابر آبادی تھی عہد امویہ میں مربد کو شعر و شاعری کی حیثیت سے وہی اہمیت حاصل تھی جو سوق عکاظ کو ایام جاہلیت میں تھی مقامی تعصب کی وجہ سے ان دونوں علمی چھاؤنیوں کے باشندوں میں ایک گونہ رقابت و مقابلہ کے جذبات پیدا ہو گئے تھے جسکی وجہ سے اسلامی ادبیات کو بڑی ترقی ہوئی۔ ہندوستان میں دیکھو۔ دلّی و لکھنؤ اردو شاعری کے دو مرکز تھے جنکی باہمی رقابت سے یہاں اس فن لطیف نے کسقدر ترقی کی۔ اہل بصرہ لغت و ادب میں شہرت رکھتے تھے۔ تو کوفہ والے میدان شاعری میں بڑھے ہوئے تھے

صدر اسلام کی شاعری کی خصوصیات

مجموعی حیثیت سے صدر اسلام کی شاعری۔ جاہلیت کی شاعری سے مندرجہ ذیل باتوں میں ممتاز ہے۔

ا۔ مذہب و اخلاق۔ موعظت و نصیحت کے مضامین ادا ہونے لگے۔

۲۔ شاعری کے ذریعہ سے جہاد کے لئے جوش دلایا جانے لگا۔

۳۔ ہجو گوئی۔ یعنی مسلمان شعراء اسلام کی مدافعت میں مشرکین و کفار کی یاوہ گوئی و ہرزہ سرائی کا جواب دینے لگے۔ یہ خدمت حضرت حسان نے نہایت خوبی سے انجام دی۔ مگر رفتہ رفتہ یہ خرابی پیدا ہو گئی کہ ذاتی عداوت و مخالفت کی وجہ سے مسلمان

بھی مسلمان کی ہجو کرنے لگا۔ حطیہ شاعر نے سب سے پہلے اسکی ابتدا کی اوسے مسلمانوں کی ہجو کرنے میں کچھ دریغ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سخت داروگیر کی تو اوسکی عقل ٹھکانے آئی۔ عہد امویہ میں تو کثرت اختلافات کی وجہ سے یہ مرض عام ہو گیا۔ ایک جماعت کے شعرا دوسری جماعت کی علانیہ ہجو کرتے تھے

۴۔ مدح گوئی۔ جاہلیت میں تو شاعر کسی مدح کرنیکو عار خیال کرتا تھا شاعر پر اگر کوئی احسان کرتا تو سپاس گذاری کے طور پر اسکا ذکر کر دیا کرتا تھا۔ سب سے پہلے نابغہ ذبیانی نے مدح لکھی اسکے بعد اعشیٰ نے شاعری کو پیشہ بنا لیا۔ رفتہ رفتہ اسکا عام رواج ہو گیا۔ لیکن عہد نبوت اور زمانہ خلافت راشدہ میں سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کی مدح و تعریف بہت کم ہوا کرتی تھی۔ خلفائے راشدین اپنی تعریف پسند نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن جب بنی امیہ کا زمانہ شروع ہوا اور خلافت دینی۔ سلطنت مستبدہ سے بدل گئی۔ تو اب شعرا۔ خلفا و امرا کی مدح سرائی کرکے انعام واکرام پانے لگے۔

۵۔ تشبیب ونسیب کا رنگ جاہلیت سے مختلف ہو گیا۔

۶۔ معانی و اسالیب کے لحاظ سے یہ فرق ہوا کہ کلام الٰہی اور احادیث نبوی کی تعلیم نے شعرا کے مذاق میں صفائی و پاکیزگی لطافت و نزاکت بہت زیادہ پیدا کر دی۔

خصوصیات شعرا عہد امویہ

ہم نے اوپر تو مجموعی حیثیت سے صدر اسلام کی شاعری کی خصوصیات بیان کی ہیں لیکن چونکہ شاعری نے دور امویہ میں بمقابلہ عہد نبوت و خلافت راشدہ کے بہت زیادہ ترقی کی لہذا اس دور کی شاعری کی خصوصیات علیحدہ بتاتے ہیں گو کہ بعض خصوصیتیں دونوں جگہ مشترک ہیں۔

۱۔ اس دور کی شاعری درحقیقت بہترین عربی شاعری تھی۔ کیونکہ ایک طرف تو جاہلیت کی شاعری کا مذاق سلیم جوں کا توں غالب تھا دوسری طرف قرآن وحدیث کے اسلوب بیان نے فصاحت و بلاغت کی معیار کو کہیں کا کہیں پہونچا دیا تھا جسکی وجہ سے کلام

میں بہت زیادہ صفائی و پاکیزگی آگئی تھی۔

۲۔ کثرت تشبیب۔ شعراے جاہلیت صرف اپنی محبوبہ یا منکوحہ کے ساتھ تشبیب کرتے تھے جاہلیت میں ایسے شاعر شاذ و نادر تھے جنہوں نے غیر کے ساتھ تشبیب کی۔ صدر اسلام میں غیر کے ساتھ تشبیب کرنے کا مرض شروع ہوگیا۔ مگر خلفاے راشدین کے عہد مبارک میں یہ ایک جرم سمجھا جاتا تھا اور شاعروں کو کافی سزا دیجاتی تھی۔ لیکن اموی میں یہ مرض عام ہوگیا اور تشبیب کا استعمال بہت کثرت سے ہونے لگا۔ اس صفت شاعری کا امام جمیل بن معمر نامی شاعر تھا جو عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں گذرا ہے۔ اسنے تشبیب کو کمال پر پہونچایا اور اسمین تفنن پیدا کیا۔ یہ شاعر عاشق مزاج تھا اسکی ایک معشوقہ تھی اوسکے ساتھ تشبیب کیا کرتا تھا اسکا انداز اسقدر مقبول ہوا کہ دوسرے شعرا اسی کے رنگ پر تشبیبین لکھنے لگے۔ چونکہ اونکی کوئی خاص محبوبہ و معشوقہ نہیں ہوتی تھی اسلئے یا تو وہ جسکو چاہا جسکی بیوی یا بیٹی کے ساتھ تشبیب کرتے یا فرضی معشوقوں سے عشقبازی و تغزل کرتے اور اونکے لئے گذشتہ شعراے عشاق کے معشوقوں کے نام استعارۃً اشعار میں لاتے۔ تشبیب و نسیب کا اس قدر رواج ہوگیا کہ کوئی نظم یا قصیدہ اسکے بغیر پسند نہیں ہوتا تھا جس طرح شعرا ر جاہلیت ابتداے قصیدہ میں سفر۔ راستہ کی سختی پہاڑوں کی چڑہائی گھوڑوں یا اونٹوں کی جفاکشی و گرم رفتاری۔ ٹیلوں اور کھنڈروں کا ذکر کرتے تھے اسی طرح اس دور کے شعرا قصیدہ کو عشقیہ اشعار سے شروع کرتے۔ عہد امویہ کے ختم ہونے تک تو یہ حال ہوگیا کہ اشعار تشبیب و نسیب تعداد میں مدح کے اشعار سے زیادہ ہوتے تھے۔ ایک شاعر نے عامل خراسان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جسمیں اشعار عشقیہ تو سو کے قریب تھے اور مدح صرف دس شعروں میں تھی۔ جسے سنکر ممدوح کو یہ کہنا پڑا کہ تمام زور طبیعت تو تونے تشبیب میں خرچ کرڈالا۔ میری مدح کیا خاک کہی۔

۳۔ ہجو گوئی۔ اسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ عہد امویہ میں

جماعت مسلمین میں اختلافات پیدا ہوجانے کی وجہ سے یہ خرابی عام ہوگئی۔ ہر فرقہ کے شعرا فریق مخالف کی برملا ہجو کرتے تھے۔ اس ہجوگوئی کا یہ اثر ہوا کہ اس دور کی تاریخ شاعری انشا و مصحفی کے سے معرکوں سے خالی نہ رہی۔ جریر کی فرزدق و اخطل کے ساتھ جو نوک جھونک رہا کرتی تھی وہ کچھ کم شرمناک نہیں۔

۴۔ ایام جاہلیت میں صرف ایک آدہ عجمی شخص شاعر ہوا۔ لیکن اشاعت اسلام اور فتوحات اسلامیہ کی کثرت سے جب عجمیوں کی مخالطت عربوں کے ساتھ زیادہ ہوئی تو ان عجمیوں میں بھی ایک اچھی خاصی تعداد شاعروں کی پائی جانے لگی۔

۵۔ مدح گوئی۔ اسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔

ان خصوصیات مذکورہ بالا کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اصلی شاعری۔ اسلام سے کچھ پہلے شروع ہوکر عہد اموی میں ختم ہوگئی۔

شعراے صدر اسلام

مخضرمین جن شعرا نے زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام دونوں دیکھا انھیں مخضرمین کہتے ہیں۔ ایسے شاعروں کی تعداد اچھی خاصی ہے چونکہ انکے طبائع کا وہی رنگ تھا جو شعرا جاہلیت کا تھا۔ اسلئے ہم انکا ذکر انھیں کے ذیل میں کر آئے ہیں۔ اس طبقہ کے مشہور شعرا حضرت حسان بن ثابت۔ کعب بن زہیر۔ خنسا۔ نابغہ جعدی وحطیہ وغیرہ ہیں

شعراے عہد امویہ اموی شعرا کی فہرست بہت طول طویل ہے انمیں سے مشہور ترین شعرا اخطل۔ فرزدق۔ جریر کے علاوہ چند نام یہ ہیں۔

انصار علویین میں سے۔ نعمان بن بشیر۔ ابو الاسود الدیلی۔ کمیت بن زید وغیرہ

انصار بنی امیہ میں سے۔ مسکین دارمی۔ اعشی ربیعہ۔ نابغہ بنی شیبان وغیرہ

انصار آل المہلب میں سے۔ زیاد الاعجم و ثابت قطنہ وغیرہ

انصار خوارج میں سے۔ طرماح بن حکیم و عمران بن حطان وغیرہ

شعرائے غزل و تشبیب میں سے۔ عمرو بن ابی ربیعہ قیس۔ (مجنون لیلیٰ) ذو الرمہ وغیرہ
ہم یہاں صرف چند مشہور شعرا کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

اخطل المتوفیٰ ۹۵ھ

نام غیاث بن غوث کنیت ابو مالک قبیلہ تغلب سے تھا۔ اور عیسائی تھا۔ بچپنے سے شعر کہتا تھا۔ ایک دفعہ کعب بن جعیل سے جو قبیلہ تغلب کا مشہور شاعر تھا۔ شعر گوئی میں مقابلہ کیا اور اوسے نیچا دکھایا اوس وقت سے اس کی شہرت پھیل گئی۔ اسکے کلام کی خوبی و عمدگی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نوسے اشعار میں سے تیس شعر منتخب کیا کرتا تھا۔

حماد راوی سے لوگوں نے اس شاعر باکمال کے بارہ میں راے دریافت کی تو کہنے لگا کہ ایسے شخص کی نسبت تم کیا دریافت کرتے ہو جسکے کلام کے باعث مجھے نصرانیت سے محبت ہوگئی اگرچہ یہ شراب بہت پیا کرتا تھا اور نشہ کی حالت میں جو کچھ کہتا تھا اوسکی چاشنی بہت تیز ہوا کرتی تھی۔ تاہم اوس کا کلام الفاظ فحش و مضامین شوقیہ سے پاک ہوتا تھا۔ بنی امیہ کے دربار میں اس نے بڑا رسوخ پایا۔ ایک دفعہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں یزید بن معاویہ نے کعب بن جعیل سے جسکا ذکر ابھی ہم اوپر کر آئے ہیں انصار کی ہجو کرنے کے لئے کہا تو اوسنے جواب دیا کہ نعوذ باللہ مسلمان ہو کے ایسے لوگوں کی ہجو کروں جنھوں نے جان و مال سے رسول اللہ کی مدد کی۔ البتہ ایک ایسے عیسائی لونڈے کا پتہ بتا سکتا ہوں جسکو اونکی ہجو کہنے سے کچھ عار نہ ہو گا۔ غرضکہ یزید نے فوراً اخطل کو بلوایا اور انصار کی ہجو کے لئے حکم دیا۔ اس نے ایک قصیدہ کہا جسکے دو شعر یہ ہیں

ذهبت قريش بالسماحة والندى ۔۔۔ واللؤم تحت عمائم الانصار
فذعوا المكارم لستم من اهلها ۔۔۔ وخذوا مساحيكم بني النجار

اس پر انصار برہم ہوئے اور اونکا شاعر نعمان بن بشیر حضرت معاویہ کے پاس گیا اور اخطل کے قصیدہ کے جواب میں یہ قصیدہ پڑھا

معاوی الا تعطنا الحق تعترف | لحی الازد مسدودًا علیہا العمائم
ویشتمنا عبد الاراقم خلۃً | وماذا الذی تجری علیک الاراقم
فمالی ثأرٌ دون قطع لسانہ | فدونک من یرضیہ منک الدراھم

آگے چلکر انصار کے اعمال وانساب پر فخر اور خلافت معاویہ پر طعن کرتا ہے۔

وانی لاغضی عن امور کثیرۃ | سترقی بہا یومًا الیک السلالم
اصانع فیہا عبد شمس واننی | لتلک التی فی النفس منی اکاتم
فما انت والامر الذی لست اہلہ | ولکن ولی الحق والامر ھاشم

اس پر حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ اخطل کو نعمان کے سپرد کر دیا جاے کہ وہ اوسکی زبان کاٹ لے۔ مگر اخطل نے ہوشیاری یہ کی کہ یزید بن معاویہ کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ اسنے نعمان کو کسی طرح خوش کر لیا اور اس طرح اخطل کی عقب گذاری ہوئی آسکے بعد سے بنی امیہ اخطل کی بہت قدر کرنے لگے۔ عبد الملک کے زمانہ میں اسکا رسوخ انتہاے کمال کو پہونچ گیا تھا اس نے اس خلیفہ کی شان میں بڑے زور دار قصائد لکھے ہیں۔ عبد الملک بڑا سخن فہم تھا تھا۔ اس نے اخطل کی بڑی قدر کی۔ اور دمشق میں منادی کرادی کہ ھذا شاعر امیر المومنین وھذا شاعر العرب آنی ازادی دی کہ بلا اجازت خلیفہ کے پاس چلاجایا کرتا تھا اور اکثر شراب کے نشہ میں مخمور رہا کرتا تھا۔

اخطل اور جریر کی باہمی ہجوگوئی مشہور ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ فرزدق وجریر کے درمیان انشا اور مصحفی کی طرح خوب چلی ہوئی تھی ایک دن اخطل۔ بشیر بن مروان کے پاس جو خلیفۂ وقت کا بھائی تھا بیٹھا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم ان دونوں میں سے کسے ترجیح دیتے ہو اخطل نے ہرچند پہلو تہی کی مگر امیر نہ مانا۔ آخر اوس نے کہا کہ الفرزدق ینحت من صخر وجریر یغرف من بحر یہ ریمارک جریر نے سنا تو اسے کہاں تاب رہی۔ فوراً اخطل کی ہجو لکھ ڈالی۔ اخطل کچھ کم نہ تھا اوس نے بھی جواب دیا۔ اب تو کیا تھا طرفین سے خوب

زور شور سے ہجو گوئی شروع ہوگئی۔

اخطل اکثر دمشق میں رہا کرتا تھا۔ طبیعت گھبرائی تو کچھ دنوں کے لئے صحرا میں چلا جاتا۔ نئی شادی کرنے کا بڑا شائق تھا۔ جب جی بھر آتا پہلی بیوی کو کسی نہ کسی بہانہ سے طلاق دیدیتا۔ اس نے ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔

کلام پر رائے

اسکا کلام نہایت صاف۔ پاکیزہ اور متین ہے آمد کی کچھ حد نہیں تکلف وتعمق سے کوسوں دور۔ حماد راوی کہا کرتا تھا کہ اخطل کے اشعار کے باعث نصرانیت سے مجھے محبت ہوگئی۔ ایک دوسرے ادیب ابو عمرو کا قول ہے کہ اگر اخطل جاہلیت کا ایک دن بھی دیکھ لیتا تو میں اسے تمام شعرا جاہلیت پر بھی ترجیح دیتا۔ اخطل شراب بہت پیتا تھا اور اپنے اشعار میں شراب کی تعریف بہت کیا کرتا تھا۔ مرثیہ کہنے پر قادر نہیں تھا۔ جب اس کا ولی نعمت یزید مرگیا تو چار اشعار سے زیادہ مرثیہ نہ کہہ سکا۔ ہجو گوئی میں۔ فرزدق اور جریر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ صاحب جمہرہ نے اسے اصحاب الملحمات میں شامل کیا ہے اس کا دیوان چھپ گیا ہے۔

فرزدق المتوفی ۱۲۹ھ

اسکا نام ہمام بن غالب دارمی تھا۔ اسکے بزرگ بنی تمیم کے بڑے آدمیوں میں سے تھے ۱۹ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوا چونکہ بصرہ اوس زمانہ میں عربیت کا مرکز تھا اسلئے اسکی زبان خالص رہی۔ بچپن ہی سے شاعری کا چسکا تھا۔ باپ اس ہونہار بچے کی جودت طبع دیکھکر حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی کہ یہ غلام ایک بہت بڑا شاعر ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے قرآن پڑھاؤ فرزدق نے اس نصیحت پر ایسا عمل کیا کہ تاوقتیکہ سب قرآن حفظ نہ کر لیا ایک شعر بھی نہ کہا۔

ایک دفعہ مروان نے جب وہ والئی مدینہ تھا اسکی جلاوطنی کا حکم دیا تو یہ بہت برہم ہوا اور کہا کہ اچھا تیری ہجو لکھونگا۔ مروان اس قدر خوف زدہ ہوا کہ کچھ دے دلاکر فرزدق کو راضی کیا۔

فرزدق شیعان علی میں سے تھا۔ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے حجر الاسود کو بوسہ دینا چاہا تو حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے وہاں تک گذر نہ ہوا۔ اسی عرصہ میں حضرت امام زین العابدینؑ۔ طواف کرتے کرتے حجر اسود کے پاس پہونچے تو سب حاجی ازراہ تعظیم کائی کی طرح پھٹ گئے اور آپ بہت آسانی سے حجر اسود کو بوسہ دیکر واپس تشریف لے آئے۔ خلیفہ ہشام مع اپنے شامی سرداروں کے یہ نظارہ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ آخر اوس سے خاموش رہا نہ گیا اور انجان بنکر پوچھنے لگا کہ یہ کون تھا یہ تجاہل عارفانہ فرزدق کو جو اُسوقت وہیں کہیں قریب کھڑا تھا نہایت شاق گذرا فوراً ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ حضرت امام کی شان میں کہا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته والبیت یعرفه والحل والحرام

خلیفہ ہشام نے یہ قصیدہ سنکر فرزدق کو قید کردیا مگر جلد ہی رہا بھی کر دیا۔ فرزدق کو اگرچہ آل رسول سے خاص ارادت اور بنی امیہ سے سخت نفرت تھی لیکن زمانہ سازی کی بنا پر اسے خلفا سے بنی امیہ میں سے عبد الملک بن مروان اور اوسکی اولاد کی۔ اور اونکے عُمّال میں سے آل مہلب اور حجاج وغیرہ کی مدح کرنی پڑی۔ اسکی مستقل مزاجی اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک دفعہ یزید بن مہلب کے قتل کے بعد۔ خلیفہ یزید بن عبد الملک نے شعرا کو یزید بن مہلب کی ہجو کرنے کا حکم دیا تو فرزدق نے کہا کہ میں اس سے پہلے اس خاندان کی بہت زور شور سے مدح کر چکا ہوں۔ یہ میں گوارا نہیں کر سکتا کہ اب میں انکی ہجو کروں خلیفہ نے انکے عذر کو قبول کر لیا۔ اس نے اپنے چچا کی لڑکی نوار سے جو نہایت خوبصورت اور حسین تھی فریب سے نکاح کر لیا تھا وہ اس سے سخت نفرت کیا کرتی تھی ایک روز نشہ کے عالم میں اوس کو طلاق دیدی۔ جب ہوش آیا تو بڑا نادم ہوا یہانتک کہ ندامت میں اسکا نام کسعی کی طرح ضرب المثل ہو گیا۔ چنانچہ حریری مقامۂ اسکندریہ میں کہتا ہے۔

غشیتنی ندامة الفرزدق حین ابان النوار والکسعی حین استبان النهار

اخطل و جریر اسکے ہمعصر تھے۔ اول الذکر سے اسکے تعلقات خوشگوار تھے۔ لیکن جریر سے ایسی بگڑی کہ الحفیظ الحفیظ ان دونوں کی باہمی ہجوگوئی مشہور ہے اس ہجاجات کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک دفعہ غسان نامی شاعر نے جریر کی ہجو کہی۔ جریر نے اوسکے جواب میں بڑا زوردار قصیدہ کہا جسکی غسان تاب نہ لاسکا اور اوسے بعیث نامی ایک دوسرے شاعر سے مدد لینی پڑی۔ اس شاعر کو بھی جریر نے دنداں شکن جواب دیا۔ فرزدق کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو چونکہ اوسکی اور جریر کی طبیعتوں میں پہلے ہی سے فرق تھا اس لئے وہ بعیث کی طرف سے ہجوگوئی کے میدان میں جریر کے سامنے خم ٹھوک کر کود پڑا۔ اب دونوں میں ایسی چھڑی جسکی نظیر عرب کی تاریخ ادب میں مشکل ہی سے ملیگی۔ دونوں کی جداگانہ جماعتیں قائم ہوگئیں۔ شعرا و ادبائے وقت دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک گروہ فرزدق کو ترجیح دیتا تھا تو دوسرا جریر کو۔ تم پہلے پڑھ آئے ہو کہ اخطل کو کسطرح فرزدق و جریر کے قصہ کے بدولت شاعری کے دنگل میں جریر کے ساتھ دست و گریبان ہونا پڑا۔ فرزدق و جریر کے مناقضات ایک کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں جو لیڈن سے دو حصوں میں شائع ہوئی ہے

کلام پر رائے | اس کا کلام بحیثیت مجموعی ادق ہے۔ اکثر الفاظ غریبہ استعمال کرتا ہے تقدیم و تاخیر کی چنداں پروا نہیں کرتا۔ مختلف قسم کی تراکیب و اسالیب کی قدرت رکھتا ہے لطف یہ ہے کہ دقیق مضامین و عمیق معانی بیان کرتا ہے اور اسلوب جاہلیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ علمائے لغت و نحو کو اسکے کلام میں خاص دلچسپی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر فرزدق کا کلام نہ ہوتا تو زبان عربی کا ایک تہائی حصہ ضائع ہوگیا ہوتا۔

فرزدق فارسی کے مشہور شاعر عرفی کی طرح اپنے آبا و اجداد پر بڑا فخر کیا کرتا تھا۔ خلفا کے قصائد مدحیہ میں بھی اس سے باز نہ آتا۔ اکثر اوقات شخص اس عمل کے باعث انعام سے محروم رہ جاتا تھا۔ اس کے مندرجہ ذیل اشعار مشہور ہیں۔

فیا عجبا حتی کلیب تسبنی   کأن أباها نهشل و مجاشع

وکنا اذا الجبار صعّر خدّه ... ضربناه حتی تستقیم الأخادع

أحلامنا تزن الجبال رزانة ... وتخالنا جنًّا اذا ما نجهل

تری الناس ما سرنا یسیرون حولنا ... وان نحن اومأنا الی الناس وقّفوا

امام زین العابدینؓ کی شان میں جو اشعار کہے تھے۔ وہ یہاں تیمنًا نقل کرتے ہیں۔

ھذا الذی تعرف البطحاء وطأته ... والبیت یعرفه والحل والحرمُ

ھذا ابن خیر عباد اللّٰہ کلّھم ... ھذا التقی النقی الطاھر والعلمُ

ولیس قولک من ھذا بضائره ... العرب تعرف من انکرت والعجم

اذا رأته قریش قال قائلها ... الی مکارم ھذا ینتھی الکرم

یغضی حیاءً ویغضی من مھابته ... فلا یُکلّمُ الا حین یبتسم

بکفه خیزران ریحها عبق ... من کف اروع فی عرنینه شمم

یکاد یمسکه عرفان راحته ... رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

ینشق ثوب الدجی عن نور غرته ... کالشمس تنجاب عن اشراقها الظلم

من معشر حبھم دین وبغضھم ... کفر وقربھم منجی ومعتصم

إن عد اهل التقی کانوا أئمتھم ... او قیل من خیر اهل الارض قیل ھم

جریر المتوفی سنہ ۷۲۹ء

نام جریر بن عطیہ کنیت ابوحزرہ قبیلہ کلیب سے تھا جو تمیم کی ایک شاخ ہے۔ یمامہ میں پیدا ہوا اور صحرا میں پرورش پائی۔ اور وہیں شعر کہنے لگا۔ طلب معاش کے لئے اکثر بصرہ جاتا۔ کچھ دنوں وہاں قیام کرتا۔ فرزدق کو شعر گوئی کے ذریعہ سے کماتا دیکھکر اسے بھی یہی شوق ہوا۔ تو یہ بھی دوسروں کے ساتھ خلفائے بنی امیہ کی مدح سے فائدہ اوٹھانے کے لئے دمشق جانے لگا۔ ایک روز یزید ابن معاویہ تک خلیفہ ہونے سے پہلے رسائی ہوگئی۔ اوس نے اس نوجوان شاعر کی قدر کی پھر تو وہ یزید کے پاس اکثر آنے جانے لگا۔

جب عبدالملک خلیفہ ہوا تو جریر اوسکے پاس جانے کی جرأت نہ کرسکا خلیفہ شعرار مضر سے سخت ناراض تھا کیونکہ وہ آل زبیر کے مداح تھے اور جریر کا قبیلہ تمیم۔ مضر ہی کی ایک شاخ تھی۔ اسنے یہ ترکیب کی کہ حجاج کی طرف رجوع کیا اور اوسے اپنا ممدوح بنایا حجاج اس کی فصاحت و بلاغت کا بڑا گرویدہ ہو گیا۔ خلیفہ عبدالملک کو بھی اسکی خبر پہونچی کہ حجاج کے دربار میں ایک نہایت زبردست شاعر ہے۔ اسپر حجاج نے جریر کو اپنے بیٹے کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیجا۔ جریر نے قصیدہ پڑھنا چاہا۔ خلیفہ خفا ہو کر بولا کہ جب تو ہمارے عامل کی شان میں یہ کہہ چکا ہے تو تو اب ہماری مدح کیا کہہ سکے گا

من سدّ مطلع النفاق علیکم　　او من یصول کصولة الحجاج

پھر کہا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ خدا نے اپنے دین اور خلیفہ کی مدد کی نہ کہ حجاج نے حجاج کے بیٹے نے جو سفارش کے لئے ساتھ آیا تھا۔ اوسکی طرف سے کچھ عذر معذرت کرکے قصیدہ پڑھنے کی اجازت دلوادی تو جریر نے قصیدہ سنانا شروع کیا جب وہ اس شعر پر پہونچا

الستم خیر من رکب المطایا　　واندی العالمین بطون راح

تو خلیفہ بہت خوش ہوا اور بولا کہ درحقیقت ہم ایسے ہی ہیں۔ پھر اوس نے بہت کچھ انعام دیا اسکے بعد سے جریر اکثر خلیفہ کے پاس جاتا اور بے حد صلہ پاتا۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انکی شان میں قصیدہ کہکر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان جھوٹی تعریفوں سے معاف رکھو۔ ایسی لغو باتوں پر ضائع کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے اسکا ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔

یہ ہجو گوئی میں ید طولے رکھتا تھا۔ فرزدق کے ساتھ اسکی خوب چلی۔ اخطل بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ تمام قصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

ایک دفعہ بنی نمیر کے راعی الابل نامی شاعر کی جو شامت آئی تو جریر سے الجھپڑا۔ جریر نے گھر آکر رات ہی رات میں اسّی شعروں کی ہجو کہہ ڈالی جب یہ شعر زبان سے نکلا

فغض الطرف انک من نمیر   فلا کعباً بلغت ولا کلابا

تو وہ اچھل پڑا اور بولا کہ میں نے قیامت تک کے لئے نمیر کو رسوا کر دیا۔ واقعی اس کا اثر یہ ہوا کہ جب یہ شعر تمام عرب میں مشہور ہو گیا تو یہ حالت ہو گئی کہ اس قبیلہ کے کسی آدمی سے لوگ قبیلہ کا نام دریافت کرتے تو وہ نمیر کا نام چھوڑ کر اوپر کی پشتوں کا نام بتاتا تھا۔

موازنہ درمیان جریر۔ فرزدق و اخطل

اس پر سب علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ جن شعرا نے عہد اسلام میں نشو و نما پایا ہے ان سب میں افضل تین شاعر ہیں۔ جریر۔ فرزدق۔ اخطل مگر اس بارہ میں کہ ان تین میں کون بہتر ہے۔ بڑا اختلاف ہے۔ ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق کسی کو ترجیح دیتا ہے۔ جو لوگ۔ لطافت نسیب۔ جودت تشبیب۔ عمدگی الفاظ سہولت اسلوب وغیرہ کو پسند کرتے ہیں وہ جریر کو افضل جانتے ہیں۔ اور جو لوگ دقیق معانی۔ شاندار الفاظ فخریہ مضامین دشوار گذار طرز کے دلدادہ ہیں ان کے نزدیک فرزدق تینوں میں بہتر ہے لیکن جو مبصرین بلاغت الفاظ اور ندرت تراکیب کے علاوہ قصائد مدحیہ و ہجویہ کے نادر ہونے اور مضامین شراب و مستی کی عمدگی کا بھی لحاظ کرتے ہیں۔ وہ اخطل کو ترجیح دیتے ہیں علاوہ بریں۔ حسب و نسب کے قدر شناس۔ فرزدق کو۔ اور اہل تقویٰ جریر کو اور عیسائی اخطل کو افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ تمیز شاعری میں چنداں معتبر نہیں ہو سکتی۔

نقادان سخن کی ایک بہت بڑی جماعت کی یہ رائے ہے کہ درحقیقت جریر تینوں میں بہتر و افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام فنون شعر میں کمال رکھتا تھا۔ اور دوسرے شعر کے بعض بعض صنفوں پر قدرت رکھتے تھے۔ مثلاً فرزدق کو فخریات میں اور اخطل کو مدح گوئی اور وصف شراب میں زیادہ شہرت حاصل ہے لیکن جریر تمام انواع و اصناف شعر میں ید طولےٰ رکھتا تھا۔ جب فرزدق کی بیوی مری تو زنان نوحہ گر نے جریر کے شعر کو جو اوس نے اپنی بیوی کے مرنے پر کہا تھا۔ پڑھکر نوحہ کیا۔ فرزدق کو جریر کے رقت شعر کا بہت بڑا حسد تھا۔

اشعار جریر ہم یہاں پر اسکے چند مشہور شعروں کو بیان کرتے ہیں۔

تغزل کے لحاظ سے یہ شعر بہت مشہور ہے

ان العیون التی فی طرفہا حور   قتلننا ثم لم یُحیین قتلانا

مدح ممدوح کے اعتبار سے یہ شعر لاجواب ہے۔

الستم خیر من رکب المطایا   واندی العالمین بطون راح

یہ فخر یہ شعر بھی خوب ہے

اذا غضبت علیک بنو تمیم   حسبت الناس کلہم غضابا

ہجو میں یہ شعر لاثانی ہے

فغض الطرف انک من نمیر   فلا کعبًا بلغت ولا کلابا

اپنی بیوی کے مرنے پر جو مرثیہ لکھا تھا اوسکے چند اشعار یہ ہیں

لولا الحیاءُ لہاجنی استعبار   ولزرت قبرک والحبیب یزار

ولہت قلبی إذ علتنی کَبْرَۃ   وذوو التمائم من بنیک صغار

لا یلبث القرناء ان یتفرقوا   لیلٌ یکر علیہم ونہار

صلی الملائکۃ الذین تخیروا   والطیبون علیک والابرار

فلقد أراک کسیت احسن منظرٍ   ومع الجمال سکینۃ ووقار

رقابت جریر و فرزدق کی شہرت ان دونوں شاعروں کی باہمی چشمک و رقابت کو خاص اونکے زمانہ میں عالمگیر شہرت حاصل تھی۔ بلاد اسلامیہ میں ہر جگہ انہیں کا چرچا تھا اور ہر موقعہ پر یہی سوال پیش رہتا کہ انمیں کون بہتر ہے۔

کتاب الاغانی کی روایت ہے کہ ایک دفعہ مہلب حاکم خراسان نے جب کہ وہ ازارقہ پر جو خارجی تھے حملہ کر رہا تھا۔ اپنی فوج میں بڑا ہنگامہ بپا دیکھا۔ سبب دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سوال در پیش ہے کہ فرزدق اور جریر میں کون بہتر ہے اور فوج اسکا

فیصلہ خود مہلب سے کرانا چاہتی ہے۔ مہلب نے کہا کہ کیا تم ان دو کتوں سے میرے ٹکڑے ٹکڑے کرانا چاہتے ہو۔ میں ہرگز انکے بابت کچھ راے زنی نہ کرونگا۔ ہاں تم ازارقہ سے انکے بابت دریافت کرسکتے ہو۔ وہ خالص عرب ہیں اور شعر و شاعری کے حسن و قبح سے واقف۔ وہ تمکو صاف طور پر بتلادینگے کہ کون بہتر ہے اونکو نہ فرزدق کی پروا ہے اور نہ جریر کی دوسرے روز جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو ایک ازرقی عبیدہ بن ہلال نے میدان میں اترکر حریف طلب کیا۔ مہلب کی فوج میں سے ایک مبارز خم ٹھوک کر آگے بڑھا۔ مگر لڑنے سے پہلے اوس نے اپنے حریف ازرقی سے دریافت کیا کہ جریر و فرزدق میں سے کون بہتر ہے۔ اوس نے جواب دیا۔ کہ خدا کی مار۔ بجاے قرآن و احکام شریعت کے۔ شاعری کے بابت مجھ سے سوال کرتا ہے۔ یہ کہکر اوس نے جریر کا ایک شعر پڑھا اور کہا کہ جریر بہتر ہے۔

اس واقعہ سے دو تین باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو یہ کہ فرزدق و جریر کی باہمی رقابت کسقدر زبان زد خاص و عام تھی۔

دوسرے یہ کہ اوس زمانہ میں شعر و شاعری کا مذاق ادیبوں اور شاعروں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ تمام قوم و ملت میں بڑے سے لیکر چھوٹے تک میں سرایت کئے ہوے تھا۔

تیسرے یہ کہ خود دار و ذی حیثیت اصحاب حتی المقدور۔ فرزدق و جریر میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جسکے خلاف فیصلہ دینگے وہی اونکی خبر لے ڈالے گا۔

ابو اسحاق القیروانی المتوفی ۱۶۱۰ء نے اپنی کتاب زہر الآداب میں لکھا ہے کہ ایک روز خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے خالد بن صفوان سے کہا کہ جریر۔ فرزدق۔ اور اخطل کی صفت بیان کر۔ ابن صفوان نے اسکے جواب میں تینوں کی جو صفت بیان کی وہ ہم اصل او سکے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ ترجمہ میں وہ لطف باقی نہیں رہتا۔ اوس نے کہا۔

یا امیر المومنین اما اعظمھم فخراً وابعدھم ذکراً واحسنھم عذراً

وايسرهم مثلاً واحلاهم عللاً البحر الطامي اذا زخر والحامي اذا ذعر والسامي اذا خطر الذي اذا هدر قال واذا خطر صال الفصيح اللّسان الطويل العنان فالفرزدق واما احسنهم نعتاً وامدحهم بيتاً واقلهم فوتاً الذي اذا هجا وضع واذا مدح رفع فالاخطل واما اغزرهم بحراً وارقهم شعراً واهتكهم ستراً الاغر الابلق الذي ان طلب لم يسبق وان طلب لم يلحق فجرير وكلهم ذكی الفواد رفيع العماد واری الزناد

مسلمہ بن عبدالملک موجود تھا۔ ابن صفوان کی فصاحت سے مبہوت ہو کر بولا

ما سمعنا بمثلك يا ابن صفوان في الاولين ولا في الآخرين اشهد انك احسنهم وصفا والينهم عطفا واخفهم مقالا واكرمهم فعالا

اسکے جواب میں ابن صفوان یوں گہر ریز ہوا

اتم الله عليك نعمته واجزل لك قسمته انت والله ايها الامير ما علمت كريم الغراس عالم بالناس جواد في المحل بسام عند البذل حليم عند الطيش في الذروة من قريش من اشراف عبد شمس ويومك خير من الامس

یہ فصیح بلیغ تقریریں سنکر ہشام ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

ما رأيت يا ابن صفوان لتخلصك في مدح هؤلاء ووصفهم حتى ارضيتهم جميعا وسلمت منهم

کمیت بن زید المتوفی سنہ ۱۲۶ھ

یہ لغت عربی کا بڑا عالم فاضل تھا۔ اور عرب کی لڑائیوں سے بھی پوری واقفیت رکھتا تھا۔ اسکی دو دادیاں تھیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت دیکھا تھا ان سے اس نے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ بنو ہاشم سے اسکو خاص ارادت حاصل تھی۔ ان کے شان میں بہت سے زوردار طول طویل قصائد لکھے جو ہاشمیات کے نام سے مشہور ہیں۔ بنوامیہ کو برا سمجھتا اور انکی ہجو کہا کرتا تھا۔ آخر کار خالد بن عبداللہ قسری والی عراق نے ہشام بن عبدالملک کے

حکم سے اسکو قید کردیا مگر چلہ کسی حیلہ سے فرار ہوکر حضرت معاویہ کی قبر پر پناہ گزیں ہوا اور تائب ہوکر
بنوامیہ کی مدح گستری اختیار کی۔ ہشام نے اسکا قصور معاف کرکے خالد قسری کو لکھا کہ اس سے کسی
قسم کا مواخذہ نکرے۔ اسکا شاعری میں جو پایہ تھا وہ اس روایت سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اسکو بچپنے
سے شاعری کا چسکا تھا۔ مگر ابتداءً اپنے اشعار کی اشاعت نہیں کی۔ ایک روز فرزدق سے ملاقات ہوئی۔
تو اوس نے وہ قصیدہ جو بنو ہاشم کی شان میں کہا تھا۔ سنا کر دریافت کیا کہ آیا میں اپنا کلام شائع کروں
یا نکروں۔ وہ بولا۔

یا ابن اخی اذع ثم اذع　　فانت واللہ اشعر من مضی واشعر من بقی

یعنی ضرور شائع کر تو بہترین شاعر ہے

غرضکہ یہ بڑے پایہ کا شاعر تھا۔ اسکے اشعار کے محاسن کو دیکھکر دشمن سرقہ کا الزام لگایا کرتے
تھے۔ صاحب الجمہرہ نے اسکو اصحاب الملحمات میں شامل کیا ہے۔ اسکے کلام کا یہ نمونہ ہے۔

بنی ہاشم رہط النبی فاننی　　بہم ولہم ارضی مرارًا واغضب
خفضت لہم منی جناحی مودة　　الی کنف عطفاہ اہل ومرحب
وکنت لہم من ہؤلاء وہؤلا　　ء مجنًا علی انی اذم واغضب
وارمی وارمی بالعداوة اہلہا　　وانی لاؤذی فیہم واؤنب
ومالی الا آل احمد شیعة　　ومالی الا مذہب الحق مذہب
بای کتاب ام بایة سنة　　یری حبہم عارًا علیّ ویحسب

الا لا اری الایام یقضی عجیبہا　　بطول ولا الاحداث تفنی خطوبہا
ولا عبر الایام یعرف بعضہا　　ببعض من الاقوام الا لبیبہا
ولم ار قول المرء الا کنبلہ　　لہ وبہ محرومہا ومصیبہا

راعی المتوفی | اس کا نام عبید بن حصین تھا اور قبیلہ نمیر سے تھا۔ اونٹوں کی خاص

سنہ ۸ھ

طور پر تعریف کیا کرتا تھا۔ اس لئے لوگ اسے "راعی الابل" کہتے تھے۔ اس دور کے مشہور شاعروں میں سے ہے۔ فرزدق کو جریر پر ترجیح دیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے جریر نے اسکی مذمت میں ۸۰ اشعار کہے تھے۔ جنمیں سے ایک تو وہی شعر ہے جسکی وجہ سے قبیلہ نمیر ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگیا تھا۔ یہ قصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اسکے کلام نمونہ یہ ہے۔

تحدثهن المضمرات وفوقنا ظلال الخدور والمطى جوانح

يناجيننا بالطرف دون حديثنا ويقضين حاجات وهن موازح

طاف الخيال باصحابي فقلت لهم أأم شذرة زارتنا ام الغول

لا مرحبا بابنة الاقيان اذ طرقت كان محجرها بالقار مكحول

سود معاصمها جعد معاقصها قد مسها من عقيد القار تفصيل

صاحب الجمهرة نے اس کو اصحاب الملحمات میں شامل کیا ہے

ابو النجم العجلی المتوفی سنہ ۱۳۰ھ

اس کا نام فضل بن قدامہ تھا۔ یہ عہد اسلام کے مشہور رجز کہنے والوں میں سے تھا۔ اس دور کا دوسرا رجز گو عجاج تھا ایک روز عجاج ریشمیں فاخرہ لباس میں ناقہ پر سوار ہو کر مربد پہونچا۔ لوگ ارد گرد جمع ہوگئے تو اسنے رجز پڑھنے شروع کردئے۔ ایک رجز میں قبیلہ ربیعہ کی ہجو کی یہ اطلاع ابو النجم کو پہونچی تو وہ ایک قطران آلودہ شتر نر پر سوار ہو کر وہاں پہونچا اور اشعار پڑھنے لگا اونٹ اونٹنی کو دیکھکر اوس سے قریب ہوا اور اوسے سونگھنے لگا۔ عجاج گھبرایا کہ کہیں اوسکے کپڑے تیل سے خراب ہو جائیں۔ اپنی ناقہ کو آگے بڑھایا تو ابو النجم کے اونٹ نے تعاقب کیا۔ ابو النجم خود شعر برابر پڑھتا رہا۔ تا اینکہ یہ مصرعہ پڑھا۔ شیطانہ انثی وشیطانی ذکر۔ پھر تو کیا تھا سب کو خاصہ مذاق ہاتھ لگ گیا سب کے سب یک زبان ہو کر اس مصرعہ کو بآواز بلند پڑھنے لگے۔ بیچارہ عجاج خفیف ہو کر بھاگ گیا۔

ابوالنجم عبدالملک کے دربار میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کے حضور میں بھی رسائی تھی۔ ایک روز ایک زوردار مدحیہ قصیدہ پڑھا۔ مجزل۔ محمل۔ قافیہ تھا۔ ایک شعر میں عین احول باندھا۔ ہشام کی آنکھ میں یہ عیب تھا وہ یہ شعر سنکر بہت برہم ہوا۔ اور آخر ابوالنجم کو نکالدیا۔ کچھ دنوں تک یہ نان شبینہ کو بھی محتاج رہا مگر پھر کسی تقریب سے ہشام کے دربار میں پہنچ گیا۔ اور خلیفہ کو اسکی خستہ حالی پر رحم آگیا۔

ابوالنجم رجز خوب کہتا تھا۔ بلاغت میں عجاج سے بڑھا ہوا تھا۔

الاحوص المتوفی ۱۳۲ھ

نام عبداللہ بن محمد تھا۔ مدینہ منورہ کا باشندہ اور قبیلہ اوس سے تھا۔ اسکے اشعار میں شیرینی ولطافت بہت ہوتی تھی۔ تشبیب گوئی کا بڑا شائق تھا۔ جی چاہتا جسکے ساتھ تشبیب کرتا۔ اسی وجہ سے سلیمان بن عبدالملک نے جلاوطن کردیا تھا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی ایک دفعہ کچھ سزا دی تھی۔

کلام کا نمونہ یہ ہے۔

فما ھو الا ان اراھا فجاءۃ　　فأبھت حتی ما اکاد اجیب

ستبقی لھا فی مضمر القلب والحشا　　سریرۃ حب یوم تبلی السرائر

الا لا تلمہ الیوم ان یتبلدا　　فقد غلب المحزون ان یتجلدا

وما العیش الا ما تلذ وتشتھی　　وان لام فیہ ذو الشنان وفندا

بکیت الصبا جھدا فمن شاء لامنی　　ومن شاء واسی فی البکاء واسعدا

وانی وان عیرت فی طلب الصبا　　لاعلم انی لست فی الحب اوحدا

دیگر شعراے صدر اسلام

اس دور میں بے شمار شاعر گذرے۔ جنمیں سے مشہور ونامور شعرا کا ذکر اوپر کر آئے ہیں انکے علاوہ جو اور قابل ذکر ہیں۔ انکو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ جمیل بن معمر المتوفی سنہ ۸۱ھ۔ شعراے متغزلین میں سے ہے۔ یہ

بن خشرم کا راوی بھی تھا۔ اپنے چچا کی بیٹی بثینہ پر عاشق تھا اور اُسکے عشق میں شعر کہتا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

لھانی سواد القلب یا بحب ہنعة ھی الموت اوکادت علی الموت تشرف

وماذکرتک النفس یا بثن مرة من الدھر الا کادت النفس تتلف

وما استطرفت نفسی حدیثا لخلة اسر بہ الا حدیثک اطرف

۲۔ ابو الاسود دؤلی المتوفی سنہ ۶۷ء۔ پورا نام ظالم بن عمر تھا۔ انکا شمار تابعین میں ہوتا ہے جامع کمالات تھے۔ شاعری کے علاوہ۔ حدیث۔ فقہ۔ نحو وغیرہ علوم میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ بلکہ نحو کے وضع کرنے کا شرف انہیں کو حاصل ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جاں نثاروں میں سے تھے۔ جنگ صفین میں شرکت کی۔ حضرت علی کی منقبت میں اشعار کہتے۔ مگر ساتھ ہی حضرت معاویہ کی ہجو کی جسارت کبھی نہیں کی۔ کلام نہایت لطیف و سنجیدہ ہے۔ اور حکمت و اخلاق کی باتوں سے پُر۔ نمونہ یہ ہے۔

اذا کنت مظلوما فلا تلف راضیا عن القوم حتی تاخذ النصف واغضب

احبب اذا احببت حبا مقاربا فانک لا تدری متی انت نازع

وابغض اذا ابغضت بغضا مقاربا فانک لا تدری متی انت راجع

وکن معدنا للحلم واصفح عن الخنا فانک راء ما عملت وسامع

العلم زین وتشریف لصاحبہ فاطلب ھدیت فنون العلم والادبا

العلم کنز وذخر لا فناء لہ نعم القرین اذا ما صاحب صحبا

۳۔ عمر بن ربیعہ المتوفی سنہ ۷۱۹ء۔ قبیلہ قریش سے تھا۔ قریش کو تمام قبائل عرب پر سوائے شاعری کے سب باتوں میں فوقیت و فضیلت حاصل تھی۔ یہ کمی اس شاعر نے پوری کر دی تھی تشبیب میں یدطولے رکھتا تھا۔ مگر اسمیں یہ بڑا عیب تھا کہ جس خاتون عرب کو چاہتا تشبیب میں مخاطب کرتا۔ یہانتک کہ خلیفہ عبد الملک کی لڑکی سے تشبیب کرتا ہوا نہ جھجکا۔ اکثر حیا سوز

مضامین باندھتا۔ چنانچہ ہشام بن عروہ کہا کرتے تھے کہ اپنے نوجوانوں کو عمر ابن ربیعہ کے اشعار مت سناؤ

۴۔ ذوالرمہ المتوفی ۱۳۵ھ پورا نام غیلان بن عقبہ ہے۔ اسکا طرز شعراء جاہلیت سے بہت ملتا جلتا ہے حتی المقدور اونکے ہی قدم بقدم چلتا تھا۔ چنانچہ کسی نقاد سخن کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ عربی شاعری امراء القیس سے شروع ہو کر ذوالرمہ پر ختم ہوئی۔ یعنی یہ آخری شاعر ہے جس میں شعراء جاہلیت کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ صاحب الجمہرہ نے اسے اصحاب ملحمات کے ذیل میں بیان کیا ہے

روایت شعر اس دور میں بھی روایت شعر کی قریب قریب وہی حالت رہی جو زمانۂ جاہلیت میں تھی۔ ہر ایک شاعر کا ایک نہ ایک راوی ضرور ہوتا۔ بلکہ بعض شعرا کے راوی ایک سے زیادہ تھے۔ ان راویوں کا کام اپنے اپنے شاعروں کے کلام کو یاد رکھنا اور اونکی اشاعت کرنا ہوتا تھا۔ بعض راوی روایت شعر کرتے کرتے خود اس درجہ کے شاعر ہوجاتے تھے کہ دوسرے اونکے راوی بن جاتے تھے۔ راویوں کی فہرست بہت طول طویل ہے۔ مگر جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔

نام راوی	نام شاعر	نام راوی	نام شاعر
ہدبۃ بن خشرم	حطیئہ	جمیل	ہدبہ
کثیر	جمیل	ابوشفقل وعبید	فرزدق
مربع	جریر و فرزدق دونوں کا	محمد بن سہل	کمیت
صالح بن سلیمان	ذوالرمہ	ذوالرمہ	راعی

شاعروں کا ناخواندہ ہونا زمانہ جاہلیت میں تو کتابت کا بہت ہی کم رواج تھا۔ قریش جیسے بڑے قبیلہ میں ظہور اسلام کے وقت صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ شعراء جاہلیت کا طبقہ اور زیادہ ناخواندہ تھا کیونکہ اونکو اپنے قوی حافظوں پر پورا اعتماد تھا اسلام کے بعد اگرچہ نوشت وخواند نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی۔ تاہم بہت سے شعراء ان پڑھ تھے

خاصکر بادیہ نشین شاعروں کو لکھنے پڑھنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ ذوالرمہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ناخواندہ تھا فرزدق کی نسبت ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پڑھ تھا۔ تو دوسری روایت اسکے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ ابوالاسود دؤلی کا شاعروں کے ذیل میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن اونکے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ ایک طرف علم نحو کو ایجاد کیا تو دوسری طرف کتابت میں اعراب کے لئے نشانات تجویز کئے۔

شعرا کیونکر شعر گوئی کے لئے طبیعت کو حاضر اور آمادہ کیا کرتے تھے

جو لوگ شاعر ہیں وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ باوجود مشق شعر گوئی کے بعض دفعہ ایسا انقباض طبیعت ہوتا ہے کہ ایک شعر بھی نہیں کہا جاتا۔ ذوالرمہ سے دریافت کیا گیا کہ جب طبیعت کند ہو جاتی ہے تو پھر شعر کیونکر کہتے ہو۔ جواب دیا کہ میں اوس وقت خلوت میں بیٹھ کر محبوبوں کا تصور کرتا ہوں۔ تو پھر میری طبیعت میں روانی آجاتی ہے۔ کسی دوسرے شاعر نے اسی قسم کے سوال کے جواب میں کہا کہ میں پُر فضا مقامات اور دلکش مرغزاروں میں سیر وتفریح کے لئے چلا جاتا ہوں۔ غرضکہ شعرا مختلف طریقوں سے طبیعت حاضر کیا کرتے تھے جو شعرا شراب پیا کرتے وہ شراب پیکر طبیعت میں روانی وجولانی پیدا کرتے۔ چنانچہ اخطل کا یہی طریقہ تھا۔ بہت سے شعرا شیاطین سے مدد لیا کرتے تھے چنانچہ فرزدق خود بیان کرتا ہے کہ جب میں نے حسانؓ کا وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے۔

لنا الجفنات الغر یلمعن فی الضحی ۔۔۔ واسیافنا یقطرن من نجدةٍ دما

سنا۔ تو میری طبیعت تین روز تک اس قدر کند اور بند ہوئی کہ ہرچند شعر کہنے کے لئے کوشش کرتا تھا مگر ایک شعر بھی موزوں نہ ہوتا تھا۔ آخر میں علی الصباح اپنی ناقہ کی نکیل پکڑے ہوئے کوہ ریان کی طرف گیا اور وہاں پہونچکر نہایت بلند آواز سے شیطانوں کو بلایا اون کا پکارنا تھا کہ طبیعت رواں ہوگئی۔ فوراً اونٹنی کو بٹھا کر اوسکے گھٹنوں پر سر رکھکر لیٹ گیا اور ایک سو تیرہ اشعار کہکر اوٹھا۔

جریر بلمیذ بیکر۔ اور ریت پر یا بستر پر لوٹ پوٹ کر شعر کہا کرتا تھا۔ اکثر بالکل برہنہ مادر زاد ہو جاتا کہ دیکھنے والوں کو پاگل ہو جانے کا دھوکا ہوتا۔

علوم شرعیہ

۱۔ علم القرارت لغت میں قرارت کے معنی محض پڑھنے کے ہیں۔ مگر علم القرارت سے مراد قرآن پڑھنے کا علم ہے۔ یہ علم اس وسیع مفہوم میں اوسی وقت وجود میں آگیا تھا جبکہ قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ ابتدائر ہر خواندہ شخص یعنی قرآن پڑھنے والے کو قاری کہتے تھے اور امی (ناخواندہ) کے مقابلہ میں یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ پھر کچھ آگے چلکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک میں لفظ "قاری" اون لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو قرآن پڑھنے پڑھانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے چنانچہ بخاری شریف میں ایک باب ہے جس میں جماعت صحابہ میں سے ایسے قاریوں کا ذکر ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ خذوا القران من اربعة من عبد الله ابن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب۔ انکے علاوہ بہت سے صحابہ کرامؓ قاری تھے۔ غزوۂ بیر معونہ میں جو اصحاب شہید ہوئے تھے وہ سب قاری کہلاتے تھے۔ اور یہ ستر آدمی تھے زمانۂ خلفائے راشدین تک قرارت کے مفہوم میں کوئی خاص تغیر واقع نہیں ہوا مگر آگے چلکر بنوامیہ کے عہد میں اس نے ایک خاص فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ جسکے مباحث قرارت کے اختلافات متواترہ۔ حروف کے مخارج و کیفیت ادا و دیگر محاسن ترتیل مانند وصل۔ وقف۔ مد۔ قصر ادغام۔ اظہار۔ اخفار۔ امالہ وغیرہ امور ہوگئے اور سات قراتیں مقرر ہوگئیں جو سات قاریوں کی طرف منسوب ہیں۔ اون کے نام یہ ہیں۔

۱۔ قاری عبد اللہ ابن عمر	المتوفی سنہ ۱۱۸ھ	شام میں تھے
۲۔ قاری عبد اللہ ابن کثیر	المتوفی سنہ ۱۲۰ھ	مکہ معظمہ میں تھے

۳۔ قاری عاصم	المتوفی ۱۲۸ھ	کوفہ میں تھے
۴۔ قاری یزید بن القعقاع	المتوفی ۱۳۲ھ	مدینہ میں تھے
۵۔ قاری ابوعمرو بن العلا	المتوفی ۱۵۵ھ	بصرہ میں تھے
۶۔ قاری حمزہ بن حبیب	المتوفی ۱۵۶ھ	بصرہ میں تھے
۷۔ قاری نافع بن عبدالرحمن	المتوفی ۱۶۹ھ	مدینہ میں تھے

بعض قاری یزید بن القعقاع کی جگہ ابوالحسن علی بن حمزہ کوفی معروف بکسائی المتوفی ۱۸۹ھ کو اس فہرست میں شامل کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

مندرجہ بالا ہفت قُرّا میں سے تین یا چار کا تعلق عہد عباسی سے ہے مگر ہم نے سلسلہ کلام مربوط رکھنے کے لئے انکو بھی اسی دور میں دکھلا دیا ہے۔

یہاں یہ بیان کر دینا بے محل نہو گا کہ یہ ساتوں قرارتیں جائز ہیں۔ ان سب کا سلسلہ اسناد طرق صحیحہ و متواترہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے اور ان سے قرآن کے تواتر میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑتا اور نہ معانی و مطالب میں کسی طرح کا فرق پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان اختلافات کا مرجع۔ جیساکہ مورخ ابن خلدون نے کہا ہے۔ کیفیت اداے حروف ہے۔ یہ اسلام کی خاص خصوصیت ہے کہ اسکے علما نے حروف کے مخارج اور کیفیت اداکے جملہ اختلافات کو صحت اسناد کے ساتھ محفوظ رکھا تاکہ آیندہ کسی قسم کا اختلاف پیدا ہونے نہ پائے

عہد اموی کے آخر تک اس فن میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ جن قرار سبعہ کا نام ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ خود انھوں نے اپنی قرارتوں کو کتابوں میں مدون نہیں کیا بلکہ قرارتیں سینہ بسینہ اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہوتی رہیں تا اینکہ عہد عباسی میں دیگر علوم کے ساتھ اس موضوع پر بھی باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں۔ جنکا ذکر دوسری جلد میں آئیگا۔

تفسیر عہد نبوی اور زمانہ خلفاے راشدین میں علم تفسیر نہ مدون ہوا اور نہ اسکی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیونکہ قرآن مجید عربوں کی مادری زبان میں تھا اسکو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے

علاوہ بریں ہر آیت کا شان نزول اونکو معلوم ہوتا تھا اس لئے اونکو قرآن سمجھنے میں اور زیادہ آسانی ہوتی تھی۔ اگر تب بھی کوئی آیت سمجھ میں نہ آتی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔ البتہ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور کثرت سے غیر عرب اسلام میں داخل ہونے لگے تو چونکہ اونکی مادری زبان عربی نہ تھی۔ اسلئے اونھیں قرآن سمجھنے میں دقت شروع ہوئی۔ ان عجمی مسلمانوں کی مشکلات رفع کرنے کے لئے قرآن سمجھانے کے وقت قرآن کے مشکل الفاظ و جملات کے بجاے نسبتہً سہل الفاظ اور فقرے استعمال کئے جانے لگے

اگرچہ عہد اموی کے آخر تک علم تفسیر کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی۔ مگر عہد نبوی ہی میں اسکی بنیاد قائم ہو گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآن کی تفسیر میں جو کچھ فرماتے تھے۔ اور آگے چلکر عجمیوں کے مسلمان ہونے پر قرآن کے مشکل الفاظ و جملات کی توضیح و تشریح میں جو نسبتہً سہل الفاظ اور اور فقرے استعمال کئے جاتے تھے اون سے ہی علم تفسیر کا خمیر مرتب ہوا۔

مطالب قرآنی کے سمجھنے سمجھانے میں تمام صحابہ کرام کی حالت یکساں نہ تھی۔ اور ایسا ہو بھی کیونکر سکتا تھا کیونکہ ذہانت و ذکاوت فہم و فراست۔ قرب صحبت و درجۂ فضیلت کے اعتبار سے اونمیں بڑا فرق تھا عہد نبوی کے بعد خاص خاص صحابہ معانی قرآن بیان کرنے کے لئے مرجع انام بن گئے جنمیں سے چاروں خلفاے راشدین۔ ابن مسعود۔ ابن عباس ابی ابن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابو موسیٰ الاشعری عبد اللہ ابن زبیر۔ انس بن مالک۔ ابو ہریرہ۔ جابر۔ عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت ابو بکر۔ عمر فاروق اور عثمان غنی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے تفسیری جملے بہت کم مروی ہیں۔ کیونکہ انہیں امور خلافت کی وجہ سے تعلیم و تدریس کی فرصت کم ہوئی اور نیز انکے مبارک عہد تک تفسیری جملوں کی زیادہ ضرورت نہیں ہوئی تھی۔ ان تینوں خلفائے راشدین سے زیادہ حضرت علیؓ سے تفسیر مروی ہے اور اُن سے زیادہ حضرت ابن مسعود المتوفی

سنہ ۲ ھ سے۔ سب سے زیادہ تفسیری جملات صحابہ میں سے حضرت ابن عباس سے مروی ہیں۔
کیونکہ بلحاظ عمر آپ چھوٹے صحابہ میں سے تھے۔ اور آپ کی وفات سنہ ۶۸ھ میں ہوئی تھی اور اس عرصہ
میں کثرت سے عجمی لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جنکو ایسے تفسیری جملوں کی سخت ضرورت
تھی۔ حضرت ابن عباس کے راویوں میں سے ثقہ ترین راوی علی ابن ابی طلحہ الہاشمی المتوفی
سنہ ۱۴۳ھ ہیں جن پر امام بخاری نے اپنی صحیح میں اعتماد کیا ہے۔ اور ضعیف ترین سلسلہ روایت
کلبی عن ابی صالح کا ہے

صحابۂ کرام کے بعد تعلیم قرآن کے دو مرکز ہو گئے۔ ایک مکہ معظمہ دوسرا کوفہ۔ مکہ معظمہ میں
حضرت ابن عباس کے شاگرد مجاہد۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ طاوس بن کیسان اور عطاء بن ابی
رباح وغیرہم تھے اور کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے تلامذہ علقمہ بن قیس۔ اسود بن یزید۔
شعبی اور ابراہیم نخعی وغیرہم تھے۔ ان بزرگوں کے علاوہ۔ ابو العالیہ رفیع بن مہران المتوفی
سنہ ۹۰ھ عطیہ بن سعید العوفی المتوفی سنہ ۱۱۱ھ ضحاک بن مزاحم۔ قتادہ بن دعامہ المتوفی سنہ ۱۱۷ھ
اور حضرت حسن بصری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ وغیرہم علمائے مفسرین طبقہ تابعین میں سے قابل ذکر ہیں۔

صدر اسلام میں تفسیری روایات صرف زبانی طور پر نقل کیجاتی تھیں سب سے پہلے مجاہد المتوفی
سنہ ۱۰۴ھ نے تفسیر لکھی۔ آپ کا قول ہے عرضت القرآن علی ابن عباس ثلثین مرۃ۔ آپکی
تفسیر نہایت معتبر ہے اور امام شافعی اور امام بخاری کی معتمد علیہ ہے۔ مگر افسوس ہے یہ تفسیر
موجود نہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابن عباس نے تفسیر لکھی جو موجود ہے
مگر اس کے مقدمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تفسیر راویوں کے ذریعہ سے بعد میں مدوّن ہوئی۔ خود
حضرت ابن عباس نے اسکی تدوین نہیں فرمائی تھی۔ ممکن ہے کہ مجاہد کی تفسیر ہی ابن عباس
کی تفسیر ہو جسے مجاہد نے روایت کیا ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب تدوین کتب شروع ہوئی۔
تو خلیفہ عبدالملک کی فرمائش سے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سعید بن جبیر نے قرآن کی
تفسیر لکھی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ انہیں کی ہے عطاء کو خزانہ شاہی سے

قاضی ابو یوسف۔ داؤد الطائی۔ امام زفر۔ قاسم بن معن اور امام محمد۔ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۰ھ سے سنہ ۱۵۰ھ تک جو امام صاحب کی وفات کا سال ہے۔ اس مدت سی سال میں سے صرف گیارہ بارہ برس عہد اموی میں شامل ہیں۔ اور بقیہ مدت۔ عباسی دور میں اسلیے علم فقہ کی تدوین درحقیقت۔ عہد عباسی کا کارنامہ ہے - جو دوسری جلد میں بیان ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ احداثنا سعہ وہم ہوگیا۔ اور روایتہ ونقلاً امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی تصانیف وتالیفات میں موجود ہے۔

۵۔علم مغازی ہم علم حدیث کے ذیل میں اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مغازی پر سب سے پہلے کتاب امام زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ نے لکھی۔ بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیر المتوفی سنہ ۹۴ھ نے لکھی۔ ان دو کے علاوہ شعبی المتوفی سنہ ۱۰۹ھ وھب بن منبہ المتوفی سنہ ۱۱۴ھ۔ عاصم بن عمر قتادہ الضاری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ اور یعقوب بن عتبہ المتوفی سنہ ۱۲۸ھ عہد اموی تک ایسے عالم گذرے جو مغازی وسیر میں نہایت وسیع المعلومات تھے - انھیں سے بعض۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے اس فن کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے مگر انھیں صاحب تصنیف کوئی نہیں ہوا زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی۔ ایک موسیٰ بن عقبہ المتوفی سنہ ۱۴۱ھ دوسرے محمد ابن اسحاق المتوفی سنہ ۱۵۰ھ انہوں نے اس فن میں کتابیں بھی لکھیں۔ موسیٰ ابن عقبہ کی کتاب تو آج ناپید ہے۔ اور ابن اسحاق کی تصنیف۔ سیرت ابن ہشام کی شکل میں موجود ہے مگر ان دونوں کا تعلق۔ بجائے عہد اموی کے۔ دور عباسی سے ہے اسلئے یہاں سے آگے کی تاریخ فن مغازی وسیرت دوسری جلد میں بیان ہوگی۔

۶۔علم تصوف لفظ تصوف کی وہی اصل ہے جو لفظ صوفی کی۔ اور صوفی کی اصل کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ ایک قول ہے کہ صفا (پاکیزگی) یا صوف (یکسوئی) سے مشتق ہے۔ کیونکہ صفائی قلب
ویکسوئی خاطر ہی پر تصوف کی بنیاد ہے۔
۲۔ دوسرا قول ہے کہ لفظ صفہ سے ماخوذ ہے۔ اصحاب صفہ اون چند صحابہ کرام
کو کہتے ہیں جو تارک دنیا ہو کر چبوترہ (صفہ) پر بیٹھے ہوئے مشغول ذکر و فکر رہتے
اور صحبت نبوی سے استفاضہ و استفادہ کرتے۔ یعنی بالفاظ دیگر اصحاب صفہ
کے باقیات الصالحات نے صوفی کا لقب پایا۔
۳۔ بعض کہتے ہیں کہ صوفی دراصل صفوی تھا کثرت استعمال سے صوفی رہ گیا۔
۴۔ چوتھا قول ہے کہ یہ لفظ صوف (پشمینہ) سے نکلا ہے۔ عام طور پر صوفیہ کرام
کا لباس۔ انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں اون کا ہوتا تھا۔
غالباً آخری توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ یہ لفظ حضرت حسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ
کے زمانہ میں رائج ہو گیا تھا کیونکہ اون کے اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں
یہ لفظ مستعمل ہوا ہے۔ بلکہ کتاب اخبار مکہ کی ایک روایت کے مطابق یہ لفظ عہد اسلام سے
پہلے بھی رائج تھا۔

پروفیسر براون نے ابتدائے تصوف کے چار نظریے پیش کئے ہیں۔
(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح شریعت کے سرچشمۂ فیض ہیں اوسی طرح تصوف
(طریقت) کے بھی معلم برحق ہیں۔ یعنی احکام شریعت کی طرح مسائل تصوف بھی
تمام تر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مستنبط ہیں۔
(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسے ہندوؤں کے ویدانتا سے اخذ کیا۔
(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ ایرانیوں سے سیکھا۔
(۴) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ یونانی فلسفہ کا اثر ہے۔
(۵) پانچواں نظریہ یہ ہے کہ اگر دو اعتقاد آپس میں مل جائیں تو اسکے یہ معنی نہیں کہ ایک نے

دوسرا پیدا ہوا بہت ممکن ہے کہ دونوں کسی ایک مشترک سبب سے پیدا ہوئے ہوں۔

ان میں سے دوسرے تیسرے اور چوتھے نظریے کی تاریخ سے تصدیق نہیں ہوتی۔گو کہ پروفیسر براون کا رجحان چوتھے نظریہ کی طرف ہے۔پہلے نظریہ کے لیے طمانیت بخش ثبوت موجود ہونیکی صورت میں پانچواں نظریہ بھی بیکار ہے پس پہلا او صرف پہلا نظریہ صحیح ہے۔یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ لفظ صوفی نہ عہد نبوی میں مستعمل ہوا نہ خلافت راشدہ میں۔پھر کیونکر مان لیا جائے کہ تصوف کا ماخذ آنحضرت کی تعلیم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت کی صحبت نصیب ہوئی اون سب کو بلا کسی تفریق کے صحابہ کہتے ہیں صحابی ایسا جامع فضائل لفظ ہے کہ اسمیں تمام مناقب و مکارم شامل ہیں پھر حافظ قاری۔مفسر محدث۔فقیہ یا صوفی کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔جن لوگوں نے صحابہ کرام کا زمانہ دیکھا اونکو تابعین اور اونکے بعد والوں کو تبع تابعین کہتے ہیں۔ اسکے بعد یہ ہوا کہ جو شخص جس فن میں صاحب کمال ہوا وہ اوسی فن کی اضافت سے موسوم ہو گیا مثلاً جس کو فن حدیث سے لگاؤ ہوا محدث کہلایا۔ اور جس نے فن تفسیر یا فقہ میں دلچسپی لی وہ مفسر یا فقیہ مشہور ہوا وقس علی ہذا۔اہل سنت کے اوس طبقۂ خاص کے لیے جو ذکر الٰہی میں منہمک اور دنیوی علائق سے دور رہتا تھا اہل تصوف کی اصطلاح قائم ہوئی۔اور دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسکا عام رواج ہو گیا۔تاہم اسمیں کوئی شک نہیں کہ صدر اسلام کے صوفیانہ خیالات اور زمانۂ مابعد کے صوفیانہ معقولات میں کافی فرق ہے۔ وحدت الوجود یا وحدت الشہود ایسے اہم مسائل بعد میں پیدا ہوئے۔

اب رہا یہ کہ تصوف کسے کہتے ہیں۔ اسکے بابت مولانا شبلی نے سوانح مولوی روم میں خوب لکھا ہے جسکو ہم یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں۔

تین چیزیں ہیں شریعت۔طریقت اور حقیقت جنکی ماہیت کو مولانا روم نے یوں بیان فرمایا ہے۔

"شریعت ہمچوں شمع است کہ راہ می نماید چوں در راہ آمدی ایں رفتن تو طریقت است"

و چون بمقصود رسیدی آں حقیقت است"

"حاصل آنکہ شریعت ہمچون علم کیمیا آموختن است از استاد یا از کتاب و طریقت استعمال کردن دارو ہا و مس را در کیمیا مالیدن و حقیقت زر شدن مس"

"یا مثال شریعت ہمچون علم طب آموختن است و طریقت پرہیز کردن بموجب علم طب و دارو خوردن و حقیقت صحت یافتن"۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت علم ہے طریقت عمل ہے۔ اور حقیقت عمل کا اثر ہے۔ اعتقاد اگر تقلید یا استدلال سے پیدا ہو تو شریعت ہے اور اگر کشف و حال سے پیدا ہو تو طریقت ہے اور کشف و حال کی قابلیت سلوک و تصوف اور مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی پس شریعت و طریقت دو متضاد چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں میں جسم و جان ظاہر و باطن اور پوست و مغز کی نسبت ہے تصوف کی ساری بنیاد اسپر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی کی جائے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ تصوف خدا پر نظر رکھنا۔ خدا ہی کو اپنا تمامتر مقصود بنانا اور ماسوا و لایعنی مشاغل سے کوئی واسطہ نہ رکھنا۔ نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوص نیت کے ساتھ پیش قدمی کرنا۔ بلائے الہی پر صابر اور قضائے الہی پر راضی رہنا۔ مجاہدہ و ریاضت کرنا وغیرہ امور ہیں۔

صحابہ کرام میں سب سے بڑے ارباب طریقت خلفائے اربعہ تھے جو تمام صوفیوں کے سرگروہ و پیشوا ہیں اور ان چاروں میں بھی سب سے زیادہ اہمیت حضرت صدیق اور حضرت علی کو حاصل ہے انکے بعد امام حسن و حسین رضی اللہ تعالی عنہما ہیں۔ پھر اصحاب صفہ ہیں جو معاش دنیوی سے قطعاً بے نیاز ہو کر رات دن شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار نثار ہوا کرتے تھے۔ انکے بعد عامہ صحابہ ہیں پھر تابعین ہیں جنمیں سے حضرت اویس قرنی المتوفی ۳۲ھ اور سعید بن مسیب المتوفی ۹۳ھ اور خواجہ حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ رحمۃ اللہ علیہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انکے بعد تبع تابعین ہیں۔ جنکا زمانہ عصر عباسی میں شامل ہے۔ انکا ذکر کتاب کی دوسری

جلد میں آئیگا۔ طبقہ تابعین کے بعد مندرجہ ذیل صوفیائے کرام قابل ذکر ہیں۔ امام جعفر صادق المتوفی سنہ ۱۴۹ھ امام ابو حنیفہ المتوفی سنہ ۱۵۰ھ۔ ابراہیم ادھم المتوفی سنہ ۱۶۱ھ داؤد طائی المتوفی سنہ ۱۶۲ھ فضیل بن عیاض المتوفی سنہ ۱۸۷ھ جنید بغدادی المتوفی سنہ ۲۹۷ھ۔ ابوبکر شبلی المتوفی سنہ ۳۳۵ھ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

عہد اموی میں تصوف پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی آگے چلکر عہد عباسیہ میں بزبان عربی اس علم کے متعلق جو مستند و معتبر کتابیں لکھی گئیں وہ ذیل میں درج ہیں۔

نمبر	نام مصنف	سنہ وفات	نام تصنیف	کیفیت
۱	حضرت جنید بغدادی رح	سنہ ۲۹۷ھ	رسالۃ القصد الی اللہ	عربی میں تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے
۲	شیخ ابو النصر سراج رح	سنہ ۳۷۸ھ	کتاب اللمع	
۳	استاد ابو القاسم قشیری رح	سنہ ۴۶۵ھ	رسالہ قشیریہ	
۴	حضرت عبد القادر جیلانی رح	سنہ ۵۶۱ھ	فتوح الغیب	
۵	شیخ شہاب الدین سہروردی رح	سنہ ۶۳۲ھ	عوارف المعارف	
۶	شیخ محی الدین ابن العربی	سنہ ۶۳۸ھ	فصوص الحکم	

علوم لسانیہ

علوم لسانیہ سے مراد نحو۔ صرف۔ بیان۔ بدیع۔ معانی وغیرہ علوم ہیں۔ عہد اموی کے ختم تک ان علوم لسانیہ میں سے بجز علم نحو کے اور کوئی علم وضع نہیں ہوا

علم نحو نحو سے مراد زبان کی قواعد ہے۔ اہل زبان اپنی مادری زبان کی قواعد سے مستغنی ہوتا ہے۔ صرف دوسری قوموں کو اسکی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ انسان اپنی مادری زبان بغیر قواعد کی مدد کے سیکھ لیتا ہے لیکن غیر مادری زبان حاصل کرنے کے لئے اسکو اجنبی زبان کی قواعد کی احتیاج ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک عربی خالص عربوں کی زبان رہی نحو کی ضرورت پیش

نہ آئی لیکن جب اسلامی فتوحات کی وجہ سے عجمی لوگ عرب میں داخل ہو کر عربی بولنے لگے تو نحو کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیونکہ یہ لوگ عربوں کی طرح صحیح عربی نہیں بول سکتے تھے۔ اور اکثر لحن (قواعد کی غلطی) کے مرتکب ہوتے تھے۔

سب کا اتفاق ہے کہ نحو کو ابوالاسود دؤلی المتوفی ۶۹ھ نے وضع کیا۔ یہ تابعین اور جان نثاران حضرت علی میں سے تھے اور بصرہ میں رہا کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ مسائل نحوی حضرت علی سے سیکھے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو نحو کے واضع حضرت علی ہیں نہ کہ ابوالاسود۔

ابوالاسود ہی نے عربی میں حرکات اختراع کئے۔ اس سے پہلے عربی میں نہ حرکات تھے اور نہ نقطے۔ مگر انکے ایجاد کردہ حرکات آجکل کے مروجہ حرکات کی شکل میں نہ تھے بلکہ وہ نقطوں کی صورت میں تھے۔ علامت زبر کے لئے نقطہ حرف کے اوپر۔ علامت پیش کے لئے نقطہ حرف کے سامنے اور علامت زیر کے لئے نقطہ حرف کے نیچے مقرر کیا۔ حروف متشابہ میں تمیز کرنے والے نقطے نصر بن عاصم نے حجاج بن یوسف کے حکم سے ایجاد کئے یہ سب حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں

اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس نے اور کس زمانہ میں ابوالاسود کے ایجاد کردہ حرکات کا کام دینے والے نقطوں کو موجودہ حرکات کی شکل دی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ قرون اولیٰ ہی میں ہو گیا۔ موجودہ حرکات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامت پیش کو واؤ سے علامت زبر کو جھکے ہوئے الف سے اور علامت زیر کو حرف یا سے اخذ کیا ہے۔

علم نحو کی باقاعدہ تہذیب و تکمیل خلیل ابن احمد نے ہارون الرشید کے زمانہ میں کی پھر اس کے بعد دیگر علماء نحو نے بیشمار کتابیں لکھیں۔ یہ تمام حالات دور عباسی کے ذیل میں بیان ہوں گے

علم تاریخ و جغرافیہ

علم تاریخ | جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو

لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔ حضرت معاویہ کے زمانہ میں عبید بن شریہ نامی ایک شخص تھا۔ یمن کا رہنے والا۔ عرب قبل از اسلام کے تاریخ سے خوب واقف تھا۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعاء سے بلاکر تاریخ لکھنے پر مامور کیا تو اسنے کتاب الملوک واخبار الماضیین لکھی امیر معاویہ کو تاریخ سے بڑی دلچسپی تھی۔ عشا کے بعد بیٹھکر تاریخی واقعات سنتے جب ایک تہائی رات گزر جاتی تو سو جاتے پھر اوٹھتے اور یہی مشغلہ کرتے۔ کئی ایک لڑکے تاریخی کتابیں لیکر آتے اور انکو پڑھ پڑھکر سناتے عبید کے بعد عوانہ بن الحکم المتوفی سنہ ۱۴۷ھ کا نام قابل ذکر ہے۔ جس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی سنہ ۱۱۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا پہلوی سے عربی میں کیا گیا لیکن افسوس ہے کہ انمیں سے کوئی کتاب موجود نہیں۔ اسکے بعد عہد عباسی میں فن تاریخ نے جو حیرت انگیز ترقی کی اوسکا ذکر دوسری جلد میں آئیگا۔

جغرافیہ یونانی لفظ ہے۔ مسلمانوں میں اسکی ابتدا اوسی وقت ہو گئی تھی۔ جب انکو یہ لفظ معلوم بھی نہ تھا ابتدا اونھوں نے اپنے وطن خاص یعنی عرب سے کی تھی پھر تمام روے زمین کو چل پھر کر چھان مارا تھا۔ یوں تو سب سے پہلے عبید بن شریہ نے جو حضرت معاویہ کے دربار کا مورخ تھا اور ابو عبیدہ نے اپنی تاریخی تصانیف میں ضمناً عرب کے اکثر مقامات کا ذکر اس طور پر کیا ہے کہ اوسے جغرافیہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر در حقیقت جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ابو زیاد کلابی نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں لکھی جسکا نام کتاب النوادر ہے۔ مگر یہ زمانہ۔ خلافت عباسیہ کا تھا نہ کہ بنو امیہ کا انکے عہد میں جغرافیہ پر کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔

علوم دخیلہ

علوم دخیلہ سے مراد وہ علوم ہیں جنکو مسلمانوں نے دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرکے کمال کو پہونچایا۔

سب سے پہلے ابن آثال نے حضرت معاویہ کے لئے یونانی زبان سے طب کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلامی عہد میں کیا گیا۔

مروان کے زمانہ میں سرجویہ نام یہودی نے سریانی زبان سے طب کی ایک اور کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا جسکی آگے چلکر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اشاعت فرمائی۔

بنوامیہ میں خالد بن یزید بن معاویہ المتوفی ۸۵ھ نے سب سے زیادہ علوم دخیلہ کی طرف توجہ کی۔ ابتداً وہ خلافت کے امیدواروں میں تھا لیکن جب ناکام رہا تو اوس نے علوم و فنون کی طرف اس قدر توجہ کی کہ وہ بجا طور پر حکیم کے لقب سے ملقب ہو گیا۔

اُس زمانہ میں فن کیمیا کا اسکندریہ میں بڑا چرچا تھا وہاں یونانی فلسفیوں کا ایک بڑا زبردست حلقہ درس و تدریس قائم تھا۔ خالد نے اونکی ایک جماعت کو طلب کرکے طب اور کیمیا کی تعلیم حاصل کی۔ اور انکے ذریعہ سے عربی زبان میں کئی ایک یونانی اور قبطی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس جماعت میں سے ایک شخص مریانوس نامی راہب تھا جو اپنے فن میں بڑا ماہر تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ خالد نے طب اور کیمیا میں خود بھی کئی ایک رسالے لکھے۔

خالد کو علم نجوم سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ اسپر بھی اسنے بہت کچھ خرچ کیا اور طرح طرح کے آلات منگوائے۔ غالباً نجوم کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ بھی کرایا ہو گا مگر تاریخوں میں کہیں اسکا ذکر نہیں۔ البتہ ابن قفطی نے ابن السندی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اوس نے قاہرہ کے کتبخانہ میں ایک تانبے کا کرہ دیکھا تھا جسپر لکھا ہوا تھا کہ یہ امیر خالد بن یزید کے پاس سے لایا گیا ہے۔

خالد کے بعد ہشام کے زمانہ میں عجم کی ایک مفصل تاریخ کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ اور سالم نے جو ہشام کا کاتب تھا۔ ارسطو کے اون خطوط کا جو اوس نے سکندر کو لکھے تھے۔ عربی میں ترجمہ کیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس زمانہ کے کسی ترجمہ کا وجود باقی نہیں۔

خاتمہ عہد اموی میں علوم جاہلیت میں سے صرف شاعری اور خطابت نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اس دور کی شاعری زبان عربی کی بہترین شاعری ہے۔ جو ایک طرف شعر جاہلیت

کے محاسن سے بلا شرکت نقائص بدرجۂ اولیٰ متصف ہے اور دوسری طرف عصر عباسی کے شعرار مولدین کی بدعات وتکلفات سے پاک ہے۔ اسلامی علوم وفنون۔ انہیں کوئی علم وفن ایسا نہیں ہے جسکی ترتیب و تدوین۔ تہذیب و تنمیق۔ نشوونما۔ اور ترقی واشاعت کی بنیاد اس عہد میں قائم نہ ہوگئی ہو۔ علوم وفنون کا جو سرسبز وشاداب باغ دورِ عباسی میں پھیلا پھولا وہ بنوامیہ ہی کے زمانہ میں لگایا گیا تھا۔ والفضل للمتقدم وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الامین۔

با این ہمہ معمری و بہشتی ہفتدہ سالہ

حسب الارشاد مصنف صاحب ممدوح بقلم ہیچ رقم کمترین

محمد اسمٰعیل علوی ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء (التمغا گورنمنٹ معافیدار) تحریر نمود۔ ابن

غفران مآب عالیجناب حضرت قبلہ حاجی حافظ مولٰنا عالم فاضل مولوی شیخ

محمد ہادی علی صاحب ۱۲۱۴ھ خوشنویس ہفت قلم البنارسی (مستفید معافی التمغا

۸۶ خوشنویسی مرد) ۲۷۔ نومبر سنہ ۱۸۲۱ء مقیمی لکھنؤ توپ دروازہ و جد امجد حضرت قبلہ و کعبہ

الحاج حافظ مولٰینا عالم فاضل (مفتی) مولوی شیخ محمد مہدی صاحب علوی

(ملکی) خوشنویس موروثی معافیدار (خلعت شاہی انعام (التمغا) ۲۷ رجب سنہ ۱۱۸۴ھ

مطابق سنہ ۱۷۷۰ء) رئیس و متوطن بنارس۔ و استاذی برادر معظم عالم فاضل (سنہ ۱۲۸۴ھ

سند یافتہ علماے فرنگی محل) جناب مولٰنا مولوی محمد ظہور اللہ صاحب علوی

عرف مولوی محمد یٰسین صاحب خوشنویس ہفت قلم مخاطب

بخطاب عطارد رقم از گورنمنٹ سنہ ۱۸۷۷ء مقام آگرہ یافت

متوطن لکھنؤ محلہ نگورہ غفر اللہ لہم اجمعین